اُردو

کُمار بھارتی

دسویں جماعت

بھارت کا آئین

حصہ 4 الف

بنیادی فرائض

حصہ 51 الف

بنیادی فرائض – بھارت کے ہر شہری کا یہ فرض ہوگا کہ وہ...

(الف) آئین پر کاربند رہے اور اس کے نصب العین اور اداروں، قومی پرچم اور قومی ترانے کا احترام کرے۔

(ب) ان اعلیٰ نصب العین کو عزیز رکھے اور ان کی تقلید کرے جو آزادی کی تحریک میں قوم کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔

(ج) بھارت کے اقتدار اعلیٰ، اتحاد اور سالمیت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر کے ان کا تحفّظ کرے۔

(د) ملک کی حفاظت کرے اور جب ضرورت پڑے قومی خدمت انجام دے۔

(ہ) مذہبی، لسانی اور علاقائی وطبقاتی تفرقات سے قطع نظر بھارت کے عوام الناس کے مابین یک جہتی اور عام بھائی چارے کے جذبے کو فروغ دے نیز ایسی حرکات سے باز رہے جن سے خواتین کے وقار کو ٹھیس پہنچتی ہو۔

(و) ملک کی ملی جلی ثقافت کی قدر کرے اور اُسے برقرار رکھے۔

(ز) قدرتی ماحول کو جس میں جنگلات، جھیلیں، دریا اور جنگلی جانور شامل ہیں محفوظ رکھے اور بہتر بنائے اور جانداروں کے تئیں محبت وشفقت کا جذبہ رکھے۔

(ح) دانشورانہ رویے سے کام لے کر انسان دوستی اور تحقیقی واصلاحی شعور کو فروغ دے۔

(ط) قومی جائداد کا تحفظ کرے اور تشدد سے گریز کرے۔

(ی) تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں کی بہتر کارکردگی کے لیے کوشاں رہے تاکہ قوم متواتر ترقی وکامیابی کی منازل طے کرنے میں سرگرم عِمل رہے۔

(ک) اگر ماں باپ یا ولی ہے، چھے سال سے چودہ سال تک کی عمر کے اپنے بچے یا وارڈ، جیسی بھی صورت ہو، کے لیے تعلیم کے مواقع فراہم کرے۔

سرکاری فیصلہ نمبر : ابھیاس-۲۱۱۶/ (پر۔نمبر۱۶/۴۳) ایس ڈی-۴ مؤرّخہ ۲۵/اپریل ۲۰۱۶ء کے مطابق قائم کردہ رابطہ کارکمیٹی کی ۲۹/دسمبر ۲۰۱۷ء کو منعقدہ نشست میں اس کتاب کو درسی کتاب کے طور پر منظوری دی گئی۔

زباندانی کے نئے نصاب کے مطابق

اُردو

کُمار بھارتی

دسویں جماعت

مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی وابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ

اپنے اسمارٹ فون میں انسٹال کردہ Diksha App کے توسط سے درسی کتاب کے پہلے صفحے پر درج Q.R. code اسکین کرنے سے ڈیجیٹل درسی کتاب اور سبق میں درج Q.R. code کے ذریعے متعلقہ سبق کی درس وتدریس کے مفید سمعی وبصری وسائل دستیاب ہوں گے۔

E95N4K

پہلا ایڈیشن : ۲۰۱۸ء
(2018)
چوتھا اصلاح شدہ ایڈیشن : ۲۰۲۲ء
(2022)

© مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و ابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ-۴
نئے نصاب کے مطابق مجلسِ مطالعات و ادارت اور مجلسِ مشاورت نے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے۔اس کتاب کے جملہ حقوق مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و ابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ کے حق میں محفوظ ہیں۔کتاب کا کوئی بھی حصہ مذکورہ منڈل کے ڈائرکٹر کی تحریری اجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔

مجلسِ مطالعات و ادارت :

- ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط (صدر)
- سلیم شہزاد (رکن)
- سلام بن رزّاق (رکن)
- احمد اقبال (رکن)
- ڈاکٹر قمر شریف (رکن)
- ڈاکٹر محمد اسداللہ (رکن)
- بیگم ریحانہ احمد (رکن)
- خان نوید الحق انعام الحق (رکن سکریٹری)

مجلسِ مشاورت :

- ڈاکٹر سیّد صفدر
- خان انعام الرحمٰن شبیر احمد
- خان حسنین عاقب محمد شہباز خان
- ڈاکٹر ناصر الدین انصار
- اعظمی محمد یٰسین محمد عمر
- فاروق سیّد

Co-ordinator:
Khan Navedul Haque Inamul Haque
Special Officer for Urdu, Balbharati

D.T.P. & Layout:
Sayyed Asif Nisar,
Yusra Graphics,
Shop No. 5, Anamay Building,
305, Somwar Peth, Pune - 411 011.

Production:
Shri Sachchitanand Aphale,
Chief Production Officer
Shri Rajendra Chindarkar, Prod. Officer
Shri Rajendra Pandloskar, Asstt. Prod. Officer

Paper: 70 GSM Creamwove

Print Order:

Printer:

Publisher
Shri Vivek Uttam Gosavi
Controller,
M.S. Bureau of Textbook Production,
Prabhadevi, Mumbai - 400 025.

بھارت کا آئین

تمہید

ہم بھارت کے عوام متانت و سنجیدگی سے عزم کرتے ہیں کہ بھارت کو
ایک **مقتدر سماج وادی غیر مذہبی عوامی جمہوریہ** بنائیں
اور اس کے تمام شہریوں کے لیے حاصل کریں:
انصاف، سماجی، معاشی اور سیاسی؛
آزادی خیال، اظہار، عقیدہ، دین اور عبادت؛
مساوات بہ اعتبارِ حیثیت اور موقع،
اور ان سب میں
اُخوّت کو ترقی دیں جس سے فرد کی عظمت اور قوم کے اتحاد اور
سالمیت کا تیقّن ہو؛
اپنی آئین ساز اسمبلی میں آج چھبیس نومبر ۱۹۴۹ء کو یہ آئین
ذریعۂ ہٰذا اختیار کرتے ہیں،
وضع کرتے ہیں اور اپنے آپ پر نافذ کرتے ہیں۔

راشٹر گیت

جَنَ گَنَ مَنَ - اَدِھ نایک جَیَہ ہے
بھارَت - بھاگیہ وِدَھاتا۔

پنجاب، سِندُھ، گُجراتَ، مَراٹھا
دراوِڑ، اُتکَل، بَنگ،

وِندھیہ، ہِماچَل، یَمُنا، گنگا،
اُچّھل جَل دِھ تَرَنگ،

تَوَشُبھ نامے جاگے، تَوَشُبھ آشِس ماگے،
گاہے تَوَجَیَہ گاتھا،

جَنَ گَنَ منگل دَایَک جَیَہ ہے،
بھارَت - بھاگیہ وِدھاتا۔

جَیَہ ہے، جَیَہ ہے، جَیَہ ہے،
جَیَہ جَیَہ جَیَہ، جَیَہ ہے۔

عہد

بھارت میرا ملک ہے۔سب بھارتی میرے بھائی اور بہنیں ہیں۔

مجھے اپنے وطن سے پیار ہے اور مَیں اس کے عظیم و گونا گوں وِرثے پر فخر محسوس کرتا ہوں۔مَیں ہمیشہ اِس ورثے کے قابل بننے کی کوشش کروں گا۔

میں اپنے والدین، استادوں اور بزرگوں کی عزّت کروں گا اور ہر ایک سے خوش اخلاقی کا برتاؤ کروں گا۔

میں اپنے ملک اور اپنے لوگوں کے لیے خود کو وقف کرنے کی قسم کھاتا ہوں۔ اُن کی بہتری اور خوش حالی ہی میں میری خوشی ہے۔

پیش لفظ

عزیز طلبہ!

دسویں جماعت میں آپ کا استقبال ہے۔اس جماعت میں آپ کی آموزش کے لیے نئے طرز کی مشقی سرگرمیوں کے ساتھ ملٹی کلر'اُردو کمار بھارتی' آپ کو پیش کرتے ہوئے ہمیں بڑی مسرّت ہو رہی ہے۔

سننے اور مشاہدہ کرنے سے زیادہ عملی طور پر حل کی گئی سرگرمیاں آپ کے ذہن پر دیرپا اثر مرتسم کریں گی۔اس کتاب میں نئی سرگرمیوں کو شامل کیا گیا ہے اور ان کی تعداد بھی زیادہ سے زیادہ رکھی گئی ہے۔کتاب کی آموزش کے لیے اساتذہ کے ساتھ ساتھ آپ اپنے سرپرستوں سے بھی مدد حاصل کیجیے۔مذکورہ کتاب میں شامل اسباق، نظمیں، مشقی سرگرمیاں، اضافی مطالعہ وغیرہ اپنے طور پر پڑھ کر بھی آپ لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ہمیں یقین ہے کہ آپ اپنی کوششوں سے ان تمام امور کی خواندگی کریں گے اور ان سے لطف اندوز ہوں گے۔

اُردو صرف ایک مضمون کا نام نہیں ہے۔اس کے ساتھ ایک تہذیب جڑی ہوئی ہے۔آپ اپنی روزمرہ زندگی میں ہمیشہ مادری زبان اُردو کا استعمال کرتے ہیں۔اس کے علاوہ اسکول میں آپ دیگر مضامین اُردو زبان ہی میں پڑھتے ہیں۔زبان استعمال کرنے کے تعلق سے معیاری اُردو زبان کے استعمال پر زیادہ زور دیا جانا چاہیے۔آپ کو اُردو مضمون پر جتنا عبور حاصل ہوگا، دوسرے مضامین کو سمجھنا اتنا ہی آسان ہوگا۔

ہمارا مقصد آپ میں خوداعتمادی پیدا کرنا ہے۔اس کتاب میں شامل سرگرمیاں اس انداز سے ترتیب دی گئی ہیں جس سے آپ زبان کو بہتر طور پر استعمال کر سکیں۔اس کے ذریعے آپ میں نئے علوم وفنون حاصل کرنے کی لگن پیدا ہو اور آپ کی تفہیم، تخلیق، تخیل اور غور وفکر کی صلاحیت میں اضافہ ہو۔اس مقصد کے حصول کے لیے درسی کتاب میں موجود مشقی سرگرمیوں میں آپ زیادہ سے زیادہ حصہ لیں۔اس کتاب کی آموزش کے دوران آپ کو جو بھی مشکل یا پریشانی محسوس ہو بلاخوف اپنے استاد کے سامنے اس کا اظہار کریں۔اس کتاب میں ایسی کئی سرگرمیاں شامل ہیں جن سے آپ بذاتِ خود علم حاصل کرنے کے قابل بن سکیں گے۔ان سرگرمیوں میں آپ جتنا حصہ لیں گے اتنا ہی زیادہ آپ کے علم میں اضافہ ہوگا۔

کتاب کے مواد کے بارے میں آپ کے تاثرات جان کر ہمیں بہت خوشی ہوگی۔سال بھر آپ کی آموزش مسرت بخش رہے، یہی ہماری اُمید ہے۔

آپ کی عمدہ تعلیم اور بہتر مستقبل کے لیے نیک خواہشات!

(ڈاکٹر سنیل مگر)
ڈائرکٹر
مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و
ابھیاس کرم سنشو دھن منڈل، پونہ-۴

پونہ۔
تاریخ: ۱۸/ مارچ ۲۰۱۸ء، گُڈی پاڑوا
بھارتیہ سَور: ۲۷/ پھالگُن ۱۹۳۹

ہدایات برائے اساتذہ

دسویں جماعت کی درسی کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ پچھلی درسی کتابوں سے قدرے مختلف ہے۔ بچوں کے لیے مفت اور لازمی حق تعلیم کے قانون ۲۰۰۹ء کے مطابق از سرِ نو مرتب شدہ تعلیمی نصاب ۲۰۱۲ء کی روشنی میں تشکیلِ علم کے نظریے کے مطابق نیز خصوصی توجہ کے مستحق طلبہ کی ضروریات کے پیش نظر تعلیمی سرگرمیوں کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ سرگرمی نامے (امتحانی پرچے) کے مطابق اس کتاب کی مشقیں تیار کی گئی ہیں۔ لہٰذا تدریس کے دوران درج ذیل اُمور کا لحاظ رکھا جائے تو سیکھنے اور سکھانے کا عمل منفعت بخش ہوگا۔

۱۔ **درسی کتاب کی مشمولات :** مروّجہ طریقے کے مطابق اس کتاب میں نثر و نظم کا متن دو علیٰحدہ حصوں میں شامل کیا گیا ہے۔ نثر کے حصے میں داستان، افسانہ، انشائیہ، سفرنامہ، ڈراما، زبان اور ادب و ثقافت پر مبنی لسانی متن کی اصناف کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ہر سبق کے شروع میں 'پہلی بات' کے تحت ان اصناف کا تعارف بھی شامل ہے تاکہ طلبہ سبق کی متعلقہ صنف سے بخوبی واقف ہو جائیں۔

اُردو نثر کے ابتدائی نمونے داستانی ادب میں ملتے ہیں۔ اس لیے ملا وجہی کی 'سب رس' سے ایک عبارت 'بادشاہ عقل و دل' لی گئی ہے۔ 'سب رس' اُردو نثر کے اوّلین نمونوں میں سے ہے۔ یہ کتاب سترھویں صدی عیسوی کی چوتھی دہائی میں لکھی گئی تھی اس لیے اس زمانے کے املا، نثری اسلوب اور آج کے نثری اسلوب میں فرق ہے۔ 'بادشاہ عقل و دل' کے متن میں قصداً قدیم املا اور طرز کو جوں کا توں رکھا گیا ہے تاکہ طلبہ اُردو نثر کے قدیم و جدید فرق سے واقف ہو سکیں۔ حصۂ نظم میں سراؔج اورنگ آبادی کی غزل بھی قدیم اُردو کا نمونہ ہے۔ اساتذہ اُردو کے ان قدیم نمونوں کو پڑھاتے وقت اُردو کے تاریخی مدارج کو بھی پیش کریں تاکہ طلبہ از خود سیکھنے کی طرف مائل ہوں اور ہمہ وقت سیکھتے رہنے کا تصوّر ان میں پروان چڑھے۔

۲۔ **تناؤ کے بغیر اکتساب :** کتاب کی نثری اور منظوم مشمولات کو دلچسپ اور زبان کے روزمرہ کے پیشِ نظر آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سے طلبہ ذہنی تناؤ کے بغیر ان کا اکتساب کر سکیں گے۔ اساتذہ کو دورانِ تدریس جماعت میں ایسا اکتسابی ماحول تیار کرنا ہوگا کہ طلبہ سبق میں دلچسپی لے کر از خود آموزش کی طرف مائل ہوں اور اپنے طور پر تشکیلِ علم کا تجربہ حاصل کریں۔

۳۔ **عالم کاری :** آج سائنس کی ترقی اور الیکٹرانک وسائل کی وجہ سے ہماری وسیع دنیا ایک چھوٹے سے گاؤں میں تبدیل ہو گئی ہے۔ دور دراز کے خِطّوں کی معلومات چند لمحات میں ہم تک پہنچ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں دنیا کے حالات سے باخبر رہنا ضروری ہے۔ ہماری درسیات اور نصاب میں اس امر پر کافی توجہ دی گئی ہے۔ دسویں کی درسی کتاب میں عالمی ماحولیاتی عدم توازن پر بھی سبق شامل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اضافی معلومات کے خاکے اور متعلقہ سبق سے مربوط مزید اضافی معلومات طلبہ کو فراہم کی جا سکتی ہے۔ تدریس کا حصہ بنانے کے لیے ان خاکوں پر بھی سرگرمیاں تیار کی جا سکتی ہیں۔

۴۔ **سرگرمی اساس اسباق :** اس درسی کتاب میں اسباق اور منظومات کا انتخاب کچھ اس طرح عمل میں لایا گیا ہے کہ طلبہ دورانِ تدریس از خود تشکیلِ علم کر سکیں۔ ان اسباق میں سکھانے سے زیادہ سیکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ آپ بحیثیت تسہیل کار صرف تسہیل کاری ہی کرتے رہیں تو طلبہ زبان و ادب کی معتد بہ معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ کتاب کے بعض اسباق انٹرنیٹ اور دیگر الیکٹرانک میڈیا سے بھی جوڑے جا سکتے ہیں جیسے ملا وجہؔی، غالبؔ، دردؔ وغیرہ سے متعلق معلومات آپ نے انٹرنیٹ پر دیکھی ہے۔ آپ ویسی ہی معلومات حاصل کرنے کے لیے طلبہ کو آمادہ کریں تاکہ آپ کی تدریس اور طلبہ کی آموزش پُرلطف ہو سکے۔

۵۔ **زبان کی صلاحیتوں کے فروغ پر زور:** کتاب کے اسباق کے انتخاب میں اس امر کی طرف توجہ دی گئی ہے کہ طلبہ میں زبان کی چاروں صلاحیتوں

کو فروغ حاصل ہو۔ بالخصوص لکھنے، پڑھنے اور بولنے کی صلاحیت کو اُبھارنے کے لیے اسباق میں خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ توقع ہے کہ آپ طلبہ کو ان چاروں صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے معیاری زبان بولنے کی مشق کرائیں گے تاکہ طلبہ معاشرے میں اُردو تہذیب کی نمائندگی کر سکیں۔

۶۔ **معانی و اشارات :** اسباق میں آنے والے مشکل لفظوں، حوالوں اور لفظی ترکیبوں کے معانی اور وضاحتوں پر خاص زور دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں الفاظ کے لغوی مفاہیم متن کے پس منظر میں واضح کیے گئے ہیں۔ کہیں لفظوں کا پرانا املا یا تلفظ ہو تو اسے بھی اس حصے میں وضاحت کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ لغوی اور مرادی معانی کی تفہیم متن کو سمجھنے میں آسانی پیدا کرتی ہے۔ مشقوں میں بھی کچھ سرگرمیاں ایسی ہیں جن میں مشکل لفظوں کے معنی یا ان کے مترادفات پوچھے گئے ہیں۔ آپ کے لیے ضروری ہے کہ معانی و اشارات کے حصے پر توجہ دے کر طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کریں۔ آج کل موبائل پر اُردو کی مختلف لغات آسانی سے دستیاب ہیں اور ان کا استعمال بھی نہایت آسان ہے۔ آپ طلبہ کو اس جانب بھی راغب کر سکتے ہیں۔

۷۔ **مشقی سرگرمیاں :** پچھلے دو سال سے دسویں جماعت کے امتحانات کے لیے 'سرگرمی شیٹ' استعمال کی جا رہی ہے جو درسی کتاب میں شامل نہیں۔ زیرِ نظر درسی کتاب کی مشقی سرگرمیاں سرگرمی نامے (شیٹ) کے مطابق بنائی گئی ہیں۔ ان میں 'سوال بلا سوالیہ نشان' (question without question mark) کے نظریے کو اپنایا گیا ہے۔ مشقی سرگرمیوں میں تنوع پیدا کرنے اور انھیں جاذبِ توجہ بنانے کے لیے شکلی (ویب) خاکے، رواں خاکے، شجری خاکے، جدولی تقسیم، معمے اور معروضی جوابات کی تکنیک پر زور دیا گیا ہے۔ مشقی سرگرمیوں میں نئی نئی تکنیکیں متعارف کرائی گئی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ کی مدد سے یہ مشقی سرگرمیاں طلبہ کی تشکیلِ علم کی صلاحیت میں قابلِ لحاظ اضافہ کرنے میں معاون ثابت ہوں گی اور ان کی وجہ سے قدر پیمائی اور آموزش کے ماحصل میں مزید سہولت ہوگی۔ یہ تمام خاکے 'سرگرمی نامے' کو مدِ نظر رکھ کر تیار کیے گئے ہیں۔ کچھ زائد مشقی سرگرمیاں تفہیمِ سبق کے لیے بطورِ خاص شامل کی گئی ہیں اور بعض کو مسابقتی امتحانات کے طرز پر تیار کیا گیا ہے۔ استحسانی سرگرمیوں کا مقصد نظم و نثر کی تفہیم کے علاوہ پسندیدگی اور لطف اندوزی بھی ہے۔

۸۔ **عملی قواعد :** اسباق پر مشتمل اور نصاب میں شامل قواعد کو 'عملی قواعد' یعنی زبان کے روزمرہ استعمال کے پیشِ نظر آسان تر مثالوں اور وضاحتوں کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ قواعدی تفہیم کے لیے اسباق سے مثالیں دی ہوئی ہیں۔ ان کے مفصل تجزیے کے بعد قواعدی اصطلاح کی تعریف متعین کی گئی ہے۔ دوسری مماثل مثالیں ڈھونڈنے یا تیار کرنے کی ہدایات بھی یہاں شامل ہیں۔ آپ ان ہدایات کی روشنی میں قواعد پڑھائیں اور طلبہ کو ایسے مواقع فراہم کریں کہ وہ زبان کے عمومی استعمال میں عملی قواعد کی مثالوں کو پہچان لیں۔ اس تعلق سے پچھلی درسی کتابوں کے متن کی طرف بھی اساتذہ اور طلبہ کو متوجہ کیا گیا ہے۔

۹۔ **مثالیں :** مشمولات کی آسان آموزش اور تفہیم میں طلبہ کی آسانی کے لیے کتاب کی مشقی سرگرمیوں میں زیادہ سے زیادہ مثالیں دی ہوئی ہیں۔ یہ مثالیں سرگرمی کو آسان بنانے اور سبق کے متن کی مکمل توضیح کے لیے نہایت مفید ہیں۔ اساتذہ ان مثالوں کے علاوہ دیگر مثالیں بھی اپنی تدریس کے دوران استعمال کر سکتے ہیں۔ اساتذہ اس بات کا خصوصی خیال رکھیں کہ ان تمام سرگرمیوں کی شمولیت سرگرمی نامے میں ضروری نہیں ہے۔

۱۰۔ **وضاحتیں :** کتاب میں متن کی تفہیم کے لیے جگہ جگہ وضاحتیں کی گئی ہیں۔ اضافی معلومات کے خاکوں کے ذریعے متن کے بعض اہم نکات کی وضاحت اور معانی و اشارات کے ذیل میں بعض الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے۔ اسی جگہ زبان کو دیگر مضامین سے مربوط کرنے کے لیے تدریسی متن کے ساتھ علمی معلومات بھی دی گئی ہے۔ تدریس کے وقت آپ اس کا استعمال کر سکتے ہیں۔ نثر و نظم کے متن میں بعض اہم حوالوں کی وضاحت اور ان کی تفہیم کے لیے سرگرمیاں زیرِ نظر کتاب کی ایک اور خصوصیت ہے۔ متن میں آنے والے غیر معروف یا کم معروف تصور، شخص، واقعے وغیرہ کے کسی قدر مفصل تعارف پر مبنی اقتباسات کتاب میں جگہ جگہ شامل ہیں۔ ان کا مطالعہ طلبہ کو زائد معلومات فراہم کرنے میں معاون ہوگا۔

۱۱۔ **صلاحیتوں کی نشو ونما :** درس وتدریس کو طالب علم مرکوز کرنے ،خودآموزی پر زور دینے اور اسے طلبہ کے لیے مسرت بخش بنانے کے مقاصد کے تحت یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ درس وتدریس کے وقت یہ واضح ہونا چاہیے کہ ابتدائی تعلیم کے مختلف مرحلوں میں طلبہ میں کون سی مخصوص صلاحیت پروان چڑھے گی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس درسی کتاب میں زباندانی سے متعلق متوقع صلاحیتوں کا تعین کیا گیا ہے۔

درسی کتاب میں دسویں جماعت کے طلبہ کی عمر کے گروہ سے تعلق رکھنے والے اور بچوں کی جذباتی دنیا سے ہم آہنگ نثر اور نظم کے اسباق کو شامل کیا گیا ہے۔ یہاں زباندانی کی صلاحیتوں کے ارتقا کے لیے جدید طرز کی مشقیں اور سرگرمیاں دی گئی ہیں۔ مشقوں کے ذریعے طلبہ کی قوتِ مشاہدہ، قوتِ تخیل اور قوتِ عمل پر زور دیا گیا ہے۔ عنوان 'عملی قواعد' کے تحت قواعد کے اجزا کو آسان زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ زبان کی افہام و تفہیم ، نئے الفاظ برتنا، روزمرہ اور محاوروں کا استعمال کرنا اور زبان وقواعد کے بارے میں آگہی پیدا کرنا، اِن مقاصد میں شامل ہے۔ اس کے تحت درسی کتاب میں مسرت بخش اور آسان زبان میں لکھا ہوا مواد شامل کیا گیا ہے۔ معاشرے کے تئیں ذمہ داری، اخلاقی اقدار، قومی یکجہتی اور حب الوطن جیسے جذبات کو پروان چڑھانے کے لیے بھی اس کتاب میں مواد شامل ہے۔ مختلف موضوعات پر بات چیت اور ان کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے سے طلبہ میں علمی شعور بیدار ہوگا۔ طلبہ ازخود مضمون نویسی کریں، اپنے خیالات کا اظہار کریں، اس مقصد کے تحت متنوّع مشقیں اور سرگرمیاں درسی کتاب میں شامل کی گئی ہیں۔

زیرِ نظر درسی کتاب کی تدریس کے دوران اساتذہ اس امر کو ملحوظ رکھیں کہ جماعت میں جو کچھ سکھایا جائے، وہ اسکول سے باہر کی دنیا اور روزمرّہ زندگی کے معاملات سے لازمی طور پر مربوط ہو۔

کتاب کو حتی الامکان معیاری اور بے عیب بنانے کے لیے اس کا مسودہ ریاست مہاراشٹر کے مختلف علاقوں سے مدعو کیے گئے اساتذۂ کرام، ماہرینِ تعلیم اور ماہرینِ زبان کی خدمت میں تبصرہ کے لیے پیش کیا گیا تھا۔ ان کے پیش کردہ مشوروں اور تجاویز کی روشنی میں مسودے میں ضروری ترمیم کرکے اسے قطعی شکل دی گئی ہے۔

نثر و نظم کے انتخاب کے وقت کوشش کی گئی ہے کہ اُردو زبان کا لسانی، تہذیبی اور ملکی تصور واضح ہوجائے۔ کلاسک نثر و نظم کے نمونوں کے ساتھ جدید اور عصری ادبی تصورات پر مشتمل چیزیں طلبہ کے مطالعے کے لیے پیش کی جائیں۔ اُمید ہے کہ زبان، ملک اور معاشرے کو ماضی و حال کے آئینوں میں دیکھنے اور سمجھنے کے لیے اس کتاب کی مشمولات طلبہ کے لیے ممد ومعاون ہوں گی۔ کتاب میں شامل اضافی مطالعہ ڈرامے پر مشتمل ہے جو ایک نمائندہ ادیب کی تخلیق ہے۔ اس ڈرامے پر بھی عام نثری اسباق کی طرح تعارف اور مشق کو روا رکھا گیا ہے۔

حالیہ زمانے کی درسی کتابیں جدید مواصلاتی تکنیکوں کے استعمال سے خالی نہیں رہ سکتیں۔ QR کوڈ کے علاوہ کتاب میں شامل متعدد اسباق کے لیے ویب سائٹس کے پتے بھی درج کیے جارہے ہیں۔ طلبہ اور اساتذہ اِن سے مطلوبہ معلومات حاصل کرکے اپنے علم میں اضافہ کرسکتے ہیں۔ اب تمام اُردو درسی کتابیں بال بھارتی کی ویب سائٹ پر بھی دستیاب ہیں۔

متوقع صلاحیتیں

سننا

۱۔ ریڈیو اور مختلف نشریاتی وسائل پر ہونے والے مباحثوں، مذاکروں میں پیش کیے جانے والے حقائق کی جانچ کرنا۔
۲۔ عوامی اعلانات کو غور سے سن کر ان کا مطلب سمجھنا اور ان میں دی گئی ہدایات کے مطابق عمل کرنا۔
۳۔ رسمی اور غیر رسمی گفتگو سن کر اپنے خیالات کا اظہار کرنا۔
۴۔ مختلف اصنافِ ادب کو سن کر سمجھنا اور ان سے لطف اندوز ہونا۔
۵۔ مختلف اصنافِ ادب کی سی ڈی سن کر اقسام کے مطابق ان کی درجہ بندی کرنا۔
۶۔ عوامی بول چال کی زبان، اس کے لب و لہجے اور لفظیات کی خصوصیات کا شعور ہونا۔

لکھنا

۱۔ املا نویسی کے وقت خوشخطی کے اُصولوں کی پوری پابندی کرنا۔
۲۔ سنے یا پڑھے گئے مواد کے مفہوم کے مطابق تیار کیے گئے نوٹس کے نکات کی توسیع کرنا۔
۳۔ دیے گئے موضوع کو اپنے طور پر دوبارہ لکھنا۔
۴۔ اپنی تحریر میں محاوروں، کہاوتوں، تراکیب اور اقوالِ زرین کا بخوبی استعمال کرنا۔
۵۔ دیے گئے موضوع پر آزادانہ طور پر مؤثر مواد تیار کرنا۔
۶۔ کسی واقعہ یا حادثہ پر تجزیاتی مضمون لکھنا۔
۷۔ پیش آئے واقعات، تقریبات اور حادثات کی روداد لکھنا۔
۸۔ تعزیتی اور تہنیتی پیغام لکھنا۔

بولنا

۱۔ نظموں، گیتوں اور اجتماعی گیتوں کو علاماتِ اوقاف کا خیال رکھتے ہوئے پیش کرنا۔
۲۔ کہانی، نظم، ڈرامے وغیرہ کو ان کے لسانی تقاضوں کے مطابق پیش کرنا۔
۳۔ موقع و محل اور موضوع کی مناسبت سے اپنی رائے کے ذریعے اپنے مقابل کو قائل کرنا۔
۴۔ مختلف سرگرمیوں کی منصوبہ بندی میں حصہ لینا۔
۵۔ مؤثر بات چیت کے لیے آدابِ گفتگو کا خیال رکھنا۔
۶۔ زبان کے مختلف مخاطبوں (استعمال کے طریقوں) کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی کوشش کرنا۔

مطالعے کی صلاحیت

۱۔ حوالوں کے لیے لغت کا استعمال کرنا۔
۲۔ دیے گئے عنوان پر اپنے خیالات تفصیل کے ساتھ بیان کرنا۔
۳۔ ہماری زبان اور دیگر عوامی بولیوں میں استعمال ہونے والے محاوروں اور کہاوتوں کی فہرست تیار کرنا اور موضوع و مفہوم کے اعتبار سے ان کی درجہ بندی کرنا۔
۴۔ جدید تکنیک کا استعمال کرکے اُردو اور دیگر زبانوں کے متعلق معلومات حاصل کرنا۔
۵۔ مختلف اصنافِ ادب کی خصوصیات کی بنا پر درجہ بندی کرنا۔
۶۔ زبان کے فروغ کے لیے Apps استعمال کرنا۔
۷۔ مختلف سماجی مسائل پر ہونے والی گفتگو میں شامل ہو کر موضوع کے مطابق خیالات کا اظہار کرنا۔

پڑھنا

۱۔ درسی اور غیر درسی مواد کو سمجھ کر معنی و مفہوم کا خیال رکھتے ہوئے بلند خوانی کرنا۔
۲۔ مناسب اُتار چڑھاؤ کے ساتھ علاماتِ اوقاف کا خیال رکھتے ہوئے بامعنی بلند خوانی کرنا۔
۳۔ دی ہوئی عبارت کے مرکزی خیال، خلاصے اور مفہوم کو سمجھ کر پڑھنا۔
۴۔ مختلف اصنافِ ادب کا بغور مطالعہ کرکے ان سے لطف اندوز ہونا۔
۵۔ انٹرنیٹ کے ذریعے ویب سائٹس پر دستیاب معلومات کا مطالعہ کرکے اس سے استفادہ کرنا۔
۶۔ عوامی مقامات پر درج ہدایات پڑھ کر ان پر عمل کرنا۔

قواعد

۱۔ زبان کے صرفی و نحوی اُصولوں سے واقفیت۔
۲۔ زبان کے صحیح استعمال کی اہلیت پیدا کرنا۔
۳۔ شعری محاسن سے آگاہی۔
۴۔ صحت الفاظ کے ساتھ زبان کو برتنے کا شعور۔
۵۔ لفظی صنعتوں کی پہچان۔

فہرست

نمبر شمار	اسباق	اصناف	موضوعات	شاعر/مصنف	صفحہ نمبر
			حصّۂ نثر		
۱۔	حضرت سلمان فارسیؓ	سوانح	مذہبی شخصیت	ادارہ	۱
۲۔	اپنے ہمسایے سے	مزاحیہ مضمون	اخلاقیات	کنہیالال کپور	۷
۳۔	بھولا	افسانہ	رشتوں کی اہمیت	راجندر سنگھ بیدی	۱۱
۴۔	سیاہ روشنی	سفر نامہ	سیر و سیاحت	پروین شیر	۱۷
۵۔	مولانا حسرتؔ موہانی	مضمون	آزادی کی جدوجہد	نورالحسن نقوی	۲۲
۶۔	اُردو مراٹھی کے ثقافتی رشتے	مضمون	زبان، ادب اور ثقافت	ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط	۲۸
۷۔	مظفر حنفی سے ایک ملاقات	انٹرویو	فنکار کا تعارف	ادارہ	۳۴
۸۔	جلتے پروں سے اُڑان	افسانہ	ماحولیات	ساجد رشید	۴۲
۹۔	دسترخوان	انشائیہ	تہذیب و معاشرت	ڈاکٹر وزیر آغا	۴۷
۱۰۔	بادشاہ عقل و دل	داستان	اخلاقیات	مُلّا وجہیؔ	۵۲
۱۱۔	خطوط	مکتوب نگاری	انشا	مرزا غالبؔ	۵۶
			حصّۂ نظم		
۱۔	حمد	نظم	اللہ کی تعریف	رشید افروزؔ	۵۹
۲۔	باغِ نخلہ کے مسافرؐ پر سلام	نعت	رسولؐ کی سیرت	سلیم شہزاد	۶۲
۳۔	زمینِ کرب و بلا	مرثیہ	معرکۂ کربلا کا ایک منظر	وحید اخترؔ	۶۵
۴۔	پریت کا گیت	گیت	اخوت اور بھائی چارگی	حفیظؔ جالندھری	۶۸
۵۔	تضحیکِ روزگار	قصیدہ	ہجو	مرزا محمد رفیع سوداؔ	۷۱
۶۔	صحنِ چمن کی سیر	مثنوی	مناظرِ قدرت	عادلؔ ناگپوری	۷۵
۷۔	چلو کہ آج ...	نظم	عزم و حوصلہ	اخترؔ الایمان	۷۸
۸۔	سیتا	نظم	عورت کی عظمت	شفیق فاطمہ شعریٰؔ	۸۰
۹۔	غزلیات		سراجؔ، دردؔ، مصحفیؔ، فانیؔ، جذبیؔ، باقیؔ، ظفرؔ گورکھپوری، مخمورؔ سعیدی		۸۳تا۹۸
۱۰۔	رباعیات		کشن پرساد شادؔ، یاس یگانہؔ، شادؔ عارفی، جمیلؔ مظہری		۹۹
۱۱۔	قطعات		نظیرؔ اکبرآبادی، بہادر شاہ ظفرؔ، علامہ اقبالؔ، گوپال متلؔ		۱۰۲
			متن برائے اضافی مطالعہ		
❁	قصہ سوتے جاگتے کا	ڈراما	تفریح	نیّر مسعود	۱۰۵
*	**تحریری سرگرمیاں**				۱۱۹

۱۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

E9EJ68

اِدارہ

پہلی بات : دنیا میں مبعوث تمام انبیائے کرامؑ میں جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت حاصل ہے، اسی طرح آپؐ کے صحابہ کرامؓ کو اُمت میں عظمت و رفعت حاصل ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے اپنے صحابہؓ کی تقلید کرنے کی بھی اپنی اُمت کو تلقین کی ہے۔ صحابہ کرامؓ آپؐ کے جاں نثاروں میں تھے اور آپؐ کی مدد کے لیے ہمیشہ تن من دھن سے تیار رہتے تھے۔ ان صحابہ کرامؓ میں حضرت سلمان فارسیؓ بھی تھے۔ انھوں نے آپؐ سے ملاقات کی خاطر اور حق کی تلاش کے لیے برسوں صعوبتیں برداشت کیں۔ بالآخر ایران سے مدینہ پہنچ کر آپؐ کے ہاتھ پر ایمان لائے اور آخر دم تک اسلام کی خدمت کرتے رہے۔ ذیل کے سبق میں اُن کے حالاتِ زندگی بیان کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہمیشہ حق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ ان کی استقامت اور ثابت قدمی میں اس راہ کے مصائب کبھی بھی مانع نہیں ہوتے اور وہ تمام تکلیفوں کا سامنا کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ انھیں اپنی ذات کا خیال رہتا ہے نہ مال و متاع کی فکر۔ عیش و آرام کی لذتوں میں ان کا دل للچاتا ہے نہ صحراؤں اور پہاڑوں میں گھبراتا ہے۔ انھیں دُھن رہتی ہے تو بس تلاشِ حق کی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ حق کو پانے کے لیے انھوں نے جو پریشانیاں برداشت کیں، ان کا ذکر صحابہؓ کی سیرت پر لکھی ہوئی مختلف کتابوں میں موجود ہے۔

ایران قدیم زمانے ہی سے علم و ہنر کا مرکز رہا ہے۔ انسانی تمدن کا سورج ابھی نصف النّہار پر بھی نہ پہنچا ہوگا کہ وہاں کی تہذیب و معاشرت کے چرچے عام ہونے لگے تھے۔ مجوسیوں نے زرتشتی مذہب کو عام کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔ دنیا کی اوّلین حکومت کا قیام وہیں عمل میں آیا۔ ساتویں صدی عیسوی میں ساسانی حکومت میں سیاسی تغیرات ہوئے اور فوجی نظام کو ترقی دی گئی۔ حضرت سلمان فارسیؓ ان تبدیلیوں کو دیکھتے رہے مگر حق کو پانے کی لگن ان کے دل میں کروٹیں لیتی رہی۔

حضرت سلمانؓ کے والد بوذَخشان بن مرسلان اصفہان کے ایک گاؤں 'جی' کے ایک بڑے مجوسی زمیندار تھے۔ کسی وجہ سے انھوں نے 'جی' سے ترکِ وطن کرکے ہُرمُز میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اسی گاؤں میں حضرت سلمانؓ پیدا ہوئے۔ ان کا پہلا نام مابہ تھا۔ وہ اپنے والد کے لیے دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ محبوب تھے اسی لیے بچپن سے ان کا بہت زیادہ خیال رکھا جاتا تھا۔ انھوں نے کم عمری ہی میں مجوسیت کی اس قدر تعلیم حاصل کرلی تھی کہ انھیں آتش کدے کا داروغہ بنا دیا گیا مگر وہ اس مذہب سے مطمئن نہیں تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت سلمانؓ کے والد نے کسی کام کے لیے انھیں کھیت میں جانے کے لیے کہا۔ کھیت کے راستے میں ایک گرجا گھر تھا۔ حضرت سلمانؓ کھیت میں جانے کی بجائے اس گرجا گھر میں چلے گئے اور دیر شام تک وہیں رہے۔ گرجا گھر کی رسومات اور عبادات کے طریقے سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ گھر لوٹ کر انھوں نے ساری روداد اپنے والد کو سنائی۔ یہ سن کر وہ بہت برہم ہوئے اور حضرت سلمانؓ کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں۔

حضرت سلمانؓ کسی طرح ان بیڑیوں سے آزاد ہوئے اور ایک عیسائی قافلے کے ساتھ ملکِ شام چلے گئے۔ وہاں مختلف

پادریوں کی خدمت کر کے انھوں نے عیسائی مذہب کی تعلیمات حاصل کیں۔ جب کسی پادری یا راہب کا انتقال ہو جاتا، حضرت سلمانؓ دوسرے کے پاس چلے جاتے۔ اس طرح انھوں نے اصفہان سے شام، نینوا اور عموریہ تک سیکڑوں میل کا سفر طے کیا اور تلاشِ حق کی خاطر کڑی مصیبتیں برداشت کیں۔ بالآخر عموریہ کے راہب نے انھیں یہ بتایا کہ عنقریب حضرت ابراہیمؑ کا دین لے کر ایک نبی مبعوث ہوگا۔ وہ کھجوروں والی زمین کی جانب ہجرت کرے گا۔ اس کے ماننے والے پروانوں کی مانند اس کے اطراف جمع رہیں گے۔ تم اس کی ظاہری نشانیوں سے اسے پہچان لوگے۔ اے سلمان! سُن، اس کی نشانی یہ ہوگی کہ وہ صدقے کا مال نہیں کھائے گا۔ وہ ہدیہ قبول کرے گا اور اس کے شانوں کے درمیان نبوت کی مہر ہوگی۔

حضرت سلمان فارسیؓ اب کھجوروں والی زمین تک پہنچنے کے لیے بے قرار رہنے لگے۔ انھوں نے لوگوں سے اس سرزمین کے متعلق دریافت کیا تو پتا چلا کہ یہ عرب کی ایک بستی مدینہ ہے۔

اتفاق سے اسی زمانے میں عموریہ میں عربوں کا ایک قافلہ آیا ہوا تھا۔ حضرت سلمانؓ نے اپنا تمام مال و اسباب اس کے حوالے کر دیا اور اس قافلے میں شامل ہو گئے۔ وادیِ قُریٰ پہنچتے ہی قافلے والوں نے انھیں ایک یہودی کے ہاتھوں غلام کی طرح فروخت کر دیا۔ اس یہودی نے بھی انھیں مدینے کے ایک دوسرے یہودی کے حوالے کر دیا۔ اس طرح حضرت سلمانؓ سخت تکلیفوں کا سامنا کرتے ہوئے کھجوروں والی زمین تک پہنچ گئے۔ وہ آنے والے نبیؐ تک پہنچنے کے لیے بے چین رہنے لگے۔ ایک دن وہ اپنے یہودی آقا کے باغ میں درخت پر چڑھ رہے تھے کہ کسی نے باغ کے مالک کو یہ خبر سنائی کہ قبا میں چند لوگ ایک شخص کو اپنا نبی کہہ رہے ہیں اور اس کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ خبر کا سننا تھا کہ حضرت سلمانؓ کانپنے لگے۔ نیچے اُتر کر انھوں نے نبیؐ سے ملنے کی تدبیریں کیں۔ ایک روز موقع پا کر وہ نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ وہ کچھ کھجوریں اپنے ساتھ لائے تھے۔ انھوں نے کھجوریں یہ کہہ کر رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کیں کہ یہ صدقہ ہے۔ آپؐ نے اس میں سے کچھ بھی نہ چکھا اور ساری کھجوریں اپنے صحابہؓ کو کھلا دیں۔ حضرت سلمانؓ یہ دیکھ کر مطمئن ہو گئے کہ راہب کی بتائی ہوئی پہلی نشانی تو صحیح ثابت ہوئی۔ دوسرے موقع پر حضرت سلمانؓ پھر نبیؐ کے پاس پہنچے۔ اس بار کھجوریں دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ یہ تحفہ ہے تو نبیؐ نے انھیں تناول فرمایا اور اپنے صحابہؓ میں بھی تقسیم کیا۔ اس طرح دوسری نشانی بھی صحیح نکلی۔ حضرت سلمانؓ اب نبی اکرمؐ کی تیسری نشانی دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ ایک روز وہ نبیؐ کی پشت کی جانب محفل میں بیٹھ گئے۔ اس وقت آپؐ کے جسم کا کپڑا ہوا سے سرک گیا اور آپؐ کی پشت پر موجود مہرِ نبوت پر حضرت سلمانؓ کی نظر پڑ گئی۔ انھوں نے نہ صرف اس کا دیدار کیا بلکہ اسے چوم کر دیر تک روتے رہے اور اسی محفل میں آپؐ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر مسلمان ہو گئے۔ یہاں پہنچ کر حضرت سلمانؓ کی تلاشِ حق کا سفر تمام ہوا۔

حضرت سلمانؓ اب اہلِ مدینہ اور مہاجرین کے بھائی بن گئے تھے۔ سب ان کی قدر کرتے اور انھیں عزّت کی نظر سے دیکھتے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی ابو درداؓ اور حضرت سلمانؓ کے درمیان رشتۂ مواخاۃ قائم کر دیا۔ اخوت کا یہ رشتہ دونوں کے درمیان تاحیات قائم رہا۔ عبادتوں کی کثرت اور اہلِ خانہ سے غفلت جب حضرت ابو درداؓ کے معمولات بن گئے تو حضرت سلمانؓ نے انھیں ٹوکا اور کہا کہ جہاں تم پر اللہ کے حقوق ہیں، وہیں بیوی بچوں کے بھی حقوق ہیں اور رات کو جاگنے کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے۔ دوسرے دن یہ دونوں حضرات حضور اکرمؐ کی خدمت میں پہنچے اور رات کے معاملے کو آپؐ کے سامنے رکھا۔ آپؐ نے فرمایا،

"سلمان تم سے بڑھ کر دین سے واقف ہیں۔" یہ بزرگی انھیں حق کی جستجو کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ حضرت سلمانؓ بھی حضورؐ کی مجلس میں شریک تھے۔ آپؐ نے حضرت سلمانؓ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، "اگر دین ثریا پر بھی ہوگا تو فارس کا ایک آدمی اس کو پالے گا۔" آپؐ صحابہ کرامؓ سے فرماتے، "جس نے سلمان کو ناراض کیا، اس نے خدا کو ناراض کیا۔ لوگ جنت کے مشتاق ہوتے ہیں مگر جنت سلمان کی مشتاق ہے۔"

حضرت سلمانؓ جب تک یہودی کے غلام رہے، وہ اسلامی جنگوں میں شریک نہ ہوسکے۔ رسولِ اکرمؐ نے تین سو کھجور کے درختوں اور چالیس اوقیہ سونا معاوضہ دے کر حضرت سلمانؓ کو آزاد کرا لیا۔ اب وہ جنگوں میں اپنی صلاحیتوں کا آزادانہ استعمال کرنے لگے۔ مشرکینِ مکہ اور یہودیوں نے مل کر جب مدینے پر حملے کی تیاریاں شروع کیں، اس وقت مدینے کو دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لیے حضرت سلمان فارسیؓ نے شہر کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ دیا جسے آپؐ نے پسند فرمایا۔ خندق کھودی گئی جو اتنی گہری اور چوڑی تھی کہ دشمنوں کے گھوڑے بھی اسے پار نہیں کرسکے اور انھیں پسپا ہونا پڑا۔ خندق کی کھدائی کی وجہ سے اس غزوے کو غزوۂ خندق کہا جاتا ہے۔ اس جنگ کے بعد حضرت سلمانؓ مختلف جنگوں میں شریک ہوتے رہے۔ طائف کی جنگ میں ان کی ایما پر مسلمانوں کی جانب سے منجنیق کا استعمال ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں بھی حضرت سلمان فارسیؓ نے بہت سے جنگی کارنامے انجام دیے۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں جب ایران پر لشکرکشی کی گئی تو اس وقت خود سلمان فارسیؓ اسلامی لشکر کی رہنمائی فرمارہے تھے۔ انھوں نے اوّلاً اپنے ہم وطن ایرانیوں کو مخاطب کیا اور انھیں سمجھایا، "میں تم ہی میں سے ایک آدمی ہوں۔ تم دیکھتے ہو کہ عرب میری عزّت کرتے ہیں۔ اگر تم اسلام لے آئے تو تمھارے لیے ویسے ہی حقوق ہوں گے جیسے ہمارے لیے ہیں۔ تم پر وہی احکام واجب ہوں گے جو ہم پر ہیں۔" لیکن ایرانیوں نے ان کی باتیں ماننے سے انکار کردیا تو جنگ لڑی گئی اور دشمن کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

حضرت عمر فاروقؓ کا یہ وہ دور تھا جس میں غلاموں کو ملکوں کا حکمراں اور صُفّہ کے غربا کو اسلامی ممالک کا ناظمِ اعلیٰ بنایا جارہا تھا۔ ایسی خوش حالی کے زمانے میں بھی مدائن کے ناظمِ اعلیٰ حضرت سلمان فارسیؓ کھجور کے باغ میں پیڑوں کے سایے تلے ٹوکریاں اور چٹائیاں بنتے رہے۔ عشقِ رسولؐ کی تڑپ میں وہ بے چین رہتے۔ انھیں لگن لگی تھی تو جنت میں حضرت محمد ﷺ سے ملاقات کی، آپؐ کی مصاحبت کی اور آپؐ کے دیدار کی۔ اسی فکر میں غلطاں وہ زندگی کے ایّام گزار رہے تھے۔ حکومت کی جانب سے ملنے والا عطیہ وہ خیرات کردیتے یا لینے سے انکار کردیتے۔ ان کی روزانہ کی آمدنی تین درہم تھی۔ ایک درہم میں وہ ٹوکریاں بنانے کے لیے کھجور کے پتے خریدتے، ایک درہم گھر میں خرچ کرتے اور ایک درہم خیرات کردیتے۔ یہی ان کے معمولات میں شامل تھا۔ اسی حالت میں حضرت سلمانؓ کا دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آ گیا۔ وہ سخت علیل تھے۔ جب حضرت سعد بن وقاصؓ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو انھیں دیکھ کر سلمان فارسیؓ رونے لگے۔ سعدؓ نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا، "حضورؐ نے ہم سے عہد لیا تھا کہ تمھارا ساز و سامان ایک مسافر کے سامانِ سفر سے زیادہ نہ ہو۔ مگر میرے پاس تو اتنا زیادہ سامان ہے، میں اپنے محبوبؐ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟" حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ اُس وقت حضرت سلمانؓ کا کل اثاثہ ایک بڑا پیالہ اور ایک تسلا تھا۔

حضرت سلمان فارسیؓ سن ۳۳ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ انتقال کے وقت وہ اسّی برس کے تھے۔ ان کا مزار مدائن (عراق) میں ہے۔

معانی واشارات

برگزیدہ	بڑے مرتبے والا
سرگرداں	پریشان
استقامت	پائیداری، مضبوطی، ٹھہراؤ
ثابت قدمی	قدم جمائے رکھنا، اپنی بات پر قائم رہنا
مصائب	مصیبت کی جمع
مانع ہونا	رکاوٹ بننا
نصف النّہار	آدھا دن، دوپہر کا وقت
زرتشتی مذہب	پارسیوں کا مذہب
مبعوث ہونا	اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کا بھیجا جانا
وادیِ قُریٰ	مدینے کے قریب ایک جگہ کا نام
رشتۂ مواخاۃ	بھائی بھائی کا رشتہ
اخوت	بھائی چارگی
معمولات	روزانہ کے کام
غزوہ	جس جنگ میں نبی کریمؐ شامل تھے
ایما	اشارہ
منجنیق	دور تک پتھر پھینکنے کا ایک آلہ
لشکرکشی کرنا	فوج کے ساتھ حملہ کرنا
صُفّہ	دورِ نبوت میں مسجدِ نبوی سے لگا ہوا چبوترہ جس پر غریب صحابہؓ قیام فرماتے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔
غلطاں	پریشان، اُلجھا ہوا
علیل	بیمار
اثاثہ	ملکیت

مشقی سرگرمیاں

سبق کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔

* سبق کے حوالے سے درج ذیل رواں خاکے مکمل کیجیے۔

۱۔ حضرت سلمان فارسیؓ

پہلا نام ← [ ]

دوسرا نام ← [ ]

والد کا نام ← [ ]

سکونت ← [ ]

۲۔ حضرت سلمان فارسیؓ

جائے پیدائش	خاندان	علاقہ	ناظمِ اعلیٰ

۳۔ ’رضؓ‘ اِس نشان کا فقرہ اور اس کے معنی لکھیے۔

۴۔ والد کے برہم ہونے اور حضرت سلمانؓ کو بیڑیاں پہنانے کا سبب تحریر کیجیے۔

۵۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے کھجوروں والی سرزمین تک پہنچنے کے مراحل اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۶۔ حضرت محمد ﷺ کی تین نشانیاں جن کا ذکر عیسائی راہب نے حضرت سلمان فارسیؓ سے کیا تھا، ترتیب وار لکھیے۔

۷۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے ساتھ رشتۂ مواخاۃ میں بندھنے والے صحابی کا نام تحریر کیجیے۔

۸۔ حضرت سلمان فارسیؓ کا رسول اللہؐ کی تینوں نشانیوں کو پرکھنے کا طریقہ لکھیے۔

۹۔ اہلِ خانہ کے تعلق سے حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت ابو درداؓ کو جو تاکید کی، اُسے لکھیے۔
۱۰۔ ابتدائی اسلامی جنگوں میں حضرت سلمان فارسیؓ کے شامل نہ ہونے کا سبب لکھیے۔
۱۱۔ رسولِ اکرمؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے لیے جو جملے کہے، انھیں نقل کیجیے۔
۱۲۔ غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کے کردار پر روشنی ڈالیے۔
۱۳۔ ایران پر لشکر کشی کے وقت اسلامی لشکر کے رہنما کا نام لکھیے۔
۱۴۔ اس جنگ کا نام لکھیے جس میں منجنیق استعمال کیا گیا۔
۱۵۔ مدائن کے ناظمِ اعلیٰ کی حیثیت سے حضرت سلمان فارسیؓ کے معمولات بیان کیجیے۔
۱۶۔ وفات کے وقت حضرت سلمان فارسیؓ کے رونے کی وجہ تحریر کیجیے۔

٭ حضرت سلمان فارسیؓ کے ذیل کے بیان سے مفرد، مرکب اور مخلوط جملے الگ کرکے تحریر کیجیے۔

"مَیں تم ہی میں سے ایک آدمی ہوں۔ تم دیکھتے ہو کہ عرب میری عزّت کرتے ہیں۔ اگر تم اسلام لے آئے تو تمھارے لیے ویسے ہی حقوق ہوں گے جیسے ہمارے لیے ہیں۔ تم پر وہی احکام واجب ہوں گے جو ہم پر ہیں۔"

٭ ذیل کے الفاظ کے لیے سبق سے ایک لفظ تلاش کرکے لکھیے۔

۱۔ آگ کو پوجنے والے
۲۔ قلعے کے اطراف حفاظت کے لیے کھودی جانے والی کھائی
۳۔ تانبے یا پیتل کا طشت
۴۔ جنگ جس میں آپؐ نے شرکت کی

٭ دیے ہوئے پیراگراف (اقتباس) کا خلاصہ لکھیے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا یہ وہ دور تھا جس میں غلاموں کو ملکوں کا حکمراں اور ....
.... حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ اُس وقت حضرت سلمانؓ کا کل اثاثہ ایک بڑا پیالہ اور ایک تسلا تھا۔

٭ دیے ہوئے حروف کے نمبروں کے مطابق ذیل کے جوابی نمبروں سے صحیح ترتیب نقل کرکے بننے والا لفظ لکھیے۔

(i) پائیداری یا مضبوطی کے معنی والا لفظ :

حروف کے نمبر : ا ا ت ت س ق م
1 1 2 2 3 4 5

(i) ← 2215431 (ii) 2514231
(iii) 2214351

(ii) اسلامی جنگ جس میں آپؐ نے حصہ لیا، اس مفہوم کا لفظ:

حروف کے نمبر : ز غ و ہ
1 2 3 4

(i) ← 4321 (ii) 4132
(iii) 4312

اضافی معلومات

ساسانی حکومت

ایرانی حکمرانوں کا آخری خاندان ساسانی خاندان کہلاتا ہے۔ اس خاندان نے ۲۲۴ء سے ۶۵۲ء تک حکومت کی۔ اس کا دَورِ حکومت زیادہ تر جنگوں کی نذر ہوا اس لیے ان حکمرانوں نے جنگی طریقوں پر خاص توجہ دی۔ ساسانی حکومت میں فنونِ لطیفہ کو بھی عالمگیر شہرت حاصل تھی۔ ان بادشاہوں نے اپنے عہدِ حکومت میں سنگ تراشی، معماری، کندہ کاری، سکہ سازی، صیقل گری اور شیشہ سازی کے ایسے نادر نمونے محفوظ کر رکھے تھے جنھیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ ان کے بنائے ہوئے محل، بُرج اور آتش کدوں کے باقیات دیکھنے کے لیے آج بھی سیاح دور دور سے آتے ہیں۔
ان بادشاہوں نے نقاشی اور فنِ مصوری پر بھی توجہ دی اور کئی شاہکار فن پارے ان کے دورِ حکومت میں وجود میں آئے۔ عراق کے شہر میسوپوٹیمیا میں پیدا ہونے والا مانؔی ساسانی حکومت کا مشہور مصوّر مانا جاتا ہے۔ اس نے فارس میں ایک نئے مذہبی عقیدے کو پھیلانے کی کوشش کی تھی۔ ساسانی حکومت کے بعض بادشاہ نہایت سخت گیر تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایران کے ساسانی بادشاہ خسرو پرویز کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو اس نے غصّے میں آکر آپؐ کا خط پھاڑ ڈالا تھا۔ خسرو پرویز کے فوراً بعد ساسانی حکومت کا ایران سے خاتمہ ہوگیا۔

عملی قواعد

حروفِ جار

خط کشیدہ حروف پر توجہ دیتے ہوئے ذیل کے جملوں کو پڑھیے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہمیشہ حق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔
۲۔ حضرت سلمان فارسیؓ کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔
۳۔ کسی وجہ سے انھوں نے 'جی' سے ترکِ وطن کیا۔
۴۔ انھوں نے ساری روداد اپنے والد کو سنائی۔
۵۔ وہ شام تک وہیں رہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ خط کشیدہ حروف سے پہلے آنے والے الفاظ اسم اور ضمیر ہیں جیسے:

اسم/ضمیر	حروف
اللہ تعالیٰ	کے
حق	کی
تلاش/لوگوں/کتابوں	میں
سلمان فارسیؓ/ان	کا
وجہ/'جی'	سے
انھوں	نے
والد	کو
شام	تک

(آپ پڑھ چکے ہیں کہ حروف 'کا، کی، کے' حروفِ اضافت بھی کہلاتے ہیں جو دراصل حروفِ جار کی ایک قسم ہیں)

اسم اور ضمیر کے ساتھ یعنی بعد میں آنے والے ان حروف کو حروفِ جار کہتے ہیں۔ (جار کے معنی ہیں: قریبی / پڑوسی)

حروفِ جار سے پہلے آنے والے اسم وغیرہ مجرور کہلاتے ہیں۔ اس تفصیل کو ذیل کے خاکے میں سمجھا جاسکتا ہے۔

اسم/مجرور	حروفِ جار
حق	کی
ان	سے
باغ	میں

عملی قواعد

مفرد جملہ

ذیل کے جملوں کو غور سے پڑھیے:

- مولانا حسرتؔ موہانی کی شخصیت میں کوئی دلفریبی نہیں تھی۔
- حسرتؔ موہانی علی گڑھ میں زیرِ تعلیم تھے۔
- انھوں نے ایک رسالہ 'اُردوئے معلیٰ' جاری کیا۔
- تحریکِ آزادی کا درخت برگ و بار لایا۔
- وہ کسی صلہ وستائش کے طلبگار بھی نہ تھے۔

مثال کا ہر جملہ دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

حسرتؔ موہانی	علی گڑھ میں زیرِ تعلیم تھے۔
تحریکِ آزادی کا درخت	برگ و بار لایا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہاں جملے کا پہلا فقرہ مبتدا اور دوسرا فقرہ خبر کہلاتا ہے۔ جس جملے میں صرف یہ دو اجزا پائے جاتے ہوں، اسے 'مفرد جملہ' کہتے ہیں۔

* اوپر کے باقی تین جملوں کو مبتدا اور خبر میں تقسیم کیجیے۔
* سبق 'مولانا حسرتؔ موہانی' سے چند مفرد جملے تلاش کرکے لکھیے اور انھیں مبتدا اور خبر میں تقسیم کیجیے۔

اضافی معلومات — اصحابِ صُفّہ

'صفہ' عربی میں سائبان کو کہتے ہیں اور اس چبوترے کو بھی جس پر سرکنڈوں کے چھپّر کا سایہ ہو۔ اللہ کے رسولؐ نے مدینہ منورہ میں مسجد بنائی تو اس کے شمالی و مشرقی حصے میں ان مسلمانوں کے لیے جن کا کوئی گھر بار نہ تھا، ایک چبوترا بنا کر اس پر چھپّر ڈال دیا تھا۔ باہر سے ایسا شخص آتا جس کے ساتھ اہل وعیال نہ ہوتے، وہ اس چبوترے پر ڈیرا ڈال دیتا۔ یہ صحابۂ کرامؓ رات دن اللہ کے رسولؐ کے ارشادات سے بہرہ ور ہوتے، قرآن مجید سنتے، سمجھتے اور وقتاً فوقتاً مختلف علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے بھیج دیے جاتے۔ ان صحابہؓ کا یہ بھی دستور تھا کہ ایک دو آدمی جنگل میں نکل جاتے، لکڑی اکٹھا کرکے لاتے اور فروخت کرکے جو رقم ملتی، اس سے سب کے کھانے پینے کا انتظام کرتے۔ اللہ کے رسولؐ خود بھی صدقے کی رقمیں انھی پر صرف فرماتے تھے اور دیگر صحابہؓ بھی دو دو چار چار آدمیوں کے کھانے کا انتظام کردیا کرتے تھے۔

۲۔ اپنے ہمسایے سے

کنہیالال کپور

پہلی بات : ایک مرتبہ دو گپ باز بیٹھے ہوئے اپنے خاندان کے بارے میں بڑی بڑی باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے کہا: میرے دادا کے پاس اتنا بڑا اصطبل تھا کہ جس میں بیک وقت دس ہزار گھوڑے رکھے جاسکتے تھے۔ دوسرے نے کہا: میرے نانا کے پاس اتنا طویل بانس تھا کہ جب وہ اسے لے کر گھر کی چھت پر کھڑے ہوتے تو بانس بادلوں تک پہنچ جاتا۔ جب چاہتے بادلوں کو ہلا کر بارش برسا لیتے۔ پہلے گپّی نے پوچھا: تمھارے نانا اتنا بڑا بانس آخر رکھتے کہاں تھے؟ دوسرے گپ باز نے کہا: اور کہاں رکھتے، تمھارے دادا ہی کے اصطبل میں رکھ دیا کرتے تھے۔

بعض لوگ اپنی جھوٹی شان دکھانے کے لیے اسی طرح شیخی بگھارتے ہیں۔ اکثر پڑوسی بھی اپنے آپ کو اوروں سے بہتر ثابت کرنے کے لیے مبالغہ آرائی سے کام لیتے اور دھوکا دیتے ہیں۔ کنہیالال کپور نے ذیل کے مضمون میں اسی سماجی بُرائی کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔

جان پہچان : کنہیالال کپور ۲۷؍ جون ۱۹۱۰ء کو ضلع لائل پور میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے وہ انگریزی کے استاد مقرر ہوئے۔ بعد میں گورنمنٹ کالج، موگا (پنجاب) میں انھیں پرنسپل کے عہدے پر فائز کیا گیا اور یہیں ۵؍ مئی ۱۹۸۰ء کو ان کی وفات ہوئی۔ طنز و مزاح میں جرأت اور بے باکی کنہیالال کپور کی خاص پہچان ہے۔ وہ سماجی ناہمواریوں کی جاندار تصویریں پیش کرتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں طنز اور احتجاج کا پہلو نمایاں ہے۔ انھیں پیروڈی لکھنے میں خاص مہارت حاصل تھی۔ ان کے طنزیہ و مزاحیہ خاکے بھی مقبول ہوئے۔ 'نوکِ نشتر، بال و پر، سنگ و خشت، چنگ و رَباب' اور 'کامریڈ شیخ چلّی' ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

آؤ میاں سمجھوتا کرلیں۔ آج تک ہم ایک دوسرے پر رعب جمانے کے لیے ایسی باتیں اور حرکتیں کرتے رہے ہیں جنھیں فضول ہی نہیں، مضحکہ خیز کہا جاسکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے، آخر ہم کب تک ایک دوسرے کو محض مرعوب کرنے کے لیے اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتے رہیں گے یا جھوٹ بول کر اپنی عاقبت خراب کریں گے؟ کیوں نہ ہم اس حقیقت کو تسلیم کرلیں کہ ہم دونوں میں سے کوئی بھی رئیس ابنِ رئیس نہیں بلکہ تم ایک معمولی تاجر ہو اور میں ایک معمولی معلم ہوں اور دونوں پچھلے پانچ برس سے ایک دوسرے کو دھوکا دینے کی بیکار کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ اگر تم کہتے ہو کہ تمھارا بھائی دہلی میں مجسٹریٹ ہے تو میں تمھیں مطلع کرتا ہوں، میرا بھائی الٰہ آباد ہائی کورٹ کا جج ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمھارا بھائی کسی مجسٹریٹ کا چپراسی ہے اور میرا کوئی بھائی ہی نہیں کیونکہ میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہوں۔

دو سال ہوئے تم نے کہا تھا، میں بیوی اور بچوں کے ساتھ کسی صحت افزا مقام غالباً نینی تال جا رہا ہوں۔ اور میں نے تمھیں بتایا تھا، میں بھی مع اہل و عیال اوٹا کمنڈ جا رہا ہوں۔ لیکن تم نینی تال گئے اور نہ میں اوٹا کمنڈ۔ تم نے وہاں نہ جانے کا یہ بہانہ ڈھونڈا کہ یک لخت تمھاری بیوی کی طبیعت خراب ہوگئی اور ڈاکٹر نے اُسے گھر پر مکمل آرام کرنے کے لیے کہا ہے۔ میں نے اوٹا کمنڈ نہ جانے کی یہ وجہ بتائی کہ میرے سالے کی شادی ہے اور مجھے اُس کا انتظام کرنا ہے۔ لطف یہ ہے کہ مجھے معلوم تھا، تمھاری بیوی بھلی چنگی ہے اور

تمھیں پتا تھا کہ میرے سالے کی شادی تو کیا، ابھی سگائی تک نہیں ہوئی۔ پچھلے دنوں جب تم نے مجھ پر رعب جمانے کے لیے قسطوں پر ایک فریج خریدا تو میری بیوی میرے سر ہوگئی کہ ہمارے گھر میں فریج ضرور ہونا چاہیے۔ چنانچہ نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے فریج خریدنا پڑا۔ اب سنا ہے کہ تم قسطوں پر ٹیلی وژن سیٹ خریدنا چاہتے ہو۔ خدا کے لیے ایسا نہ کرنا۔ ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا۔ فریج کی قسط بھی بڑی مشکل سے ادا کرتا ہوں اور اگر ٹیلی وژن کی قسط بھی ادا کرنی پڑی تو میرا تو دیوالہ ہی پٹ جائے گا۔ میں جانتا ہوں، کم وبیش تمھارا بھی یہی حال ہے۔ یعنی بقول شاعر ؎

تم مسکرا رہے ہو مگر جانتا ہوں میں
بہتر تمھارا حال نہیں میرے حال سے

یہ دوسری بات ہے کہ تم کھلے بندوں کبھی اس بات کا اعتراف نہیں کرو گے کہ ہم دونوں ایک ہی ناؤ میں سوار ہیں۔

کبھی کبھی تم میرا قافیہ تنگ کرنے کی خاطر اپنی بیوی کے لیے قیمتی ساڑی یا زیور لے آتے ہو۔ اُسے پہن کر جب تمھاری بیوی شیخی بگھارتی ہے، "یہ ساڑی پانچ سو میں آئی ہے۔ یہ زیور دو ہزار روپے کا ہے،" تو میری بیوی کے سینے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں اور وہ اُسی دن سے فرمائش کرنے لگتی ہے کہ اس سے قیمتی ساڑی یا زیور لائیے، نہیں تو مجھے کھانا ہضم نہیں ہوگا اور نہ ہی نیند آئے گی۔

گزشتہ اتوار کو تمھاری بیوی نے اپنے بچے کے جنم دن پر پچیس عورتوں کو مدعو کیا۔ اب میری بیوی کا تقاضا ہے کہ دو ہفتوں کے بعد جب میں اپنے بچے کا جنم دن مناؤں گی تو کم از کم پچاس عورتوں کو دعوت دوں گی ورنہ ہمسائی کی نظر سے گر جاؤں گی۔

ہر بات میں ایک دوسرے کو نیچا دِکھانے کی تمنا یہ رنگ لائی ہے کہ اب بیماریوں کے معاملے میں بھی ہم ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ میری بیوی کہتی ہے، "کل رات مُنّے کو ایک سو چار ڈگری بخار تھا۔ بیچارا ساری رات ہائے ہائے کرتا رہا۔" تو تمھاری بیوی فوراً منہ بنا کر جواب دیتی ہے، "ایک سو چار ڈگری بخار بھی کوئی بخار ہوتا ہے؟ تین دن ہوئے ہماری بڑی منّی بیمار پڑ گئی، تھرما میٹر لگایا تو معلوم ہوا ایک سو چھے ڈگری بخار ہے۔ وہ چھے گھنٹے بے ہوش پڑی رہی لیکن میں ذرا بھی نہیں گھبرائی۔ ڈاکٹر تک کو فون نہیں کیا۔ سوچا، بخار ہی تو ہے۔ خود بخود اُتر جائے گا۔"

ایک دن تمھاری بیوی اور میری بیوی اس موضوع پر بحث کر رہی تھیں کہ سوتے وقت تم زیادہ زور سے خراٹے لیتے ہو یا میں۔ تمھاری بیوی کہہ رہی تھی، "وہ جب خراٹے لیتے ہیں تو اُن کے خراٹوں کی آواز ایک فرلانگ سے سنی جاسکتی ہے۔" میری بیوی اسے بتا رہی تھی "ہمارے صاحب جب خراٹے لیتے ہیں تو اُن کے خراٹوں کی آواز سوِل ہسپتال میں سنائی دیتی ہے۔ کئی بار ڈاکٹر ہمارے گھر یہ پوچھنے کے لیے آتے ہیں کہ خیریت تو ہے؟"

ہماری بیویوں کی دیکھا دیکھی ہمارے بچے بھی لاف زنی کی عادت کا شکار ہوگئے ہیں۔ اگر تمھارا بچہ کہتا ہے، "مجھے ہر روز دو روپے جیب خرچ کے لیے ملتے ہیں، تو میرا بچہ اس کا مذاق اُڑاتے ہوئے جواب دیتا ہے، "اونہہ، صرف دو روپے! ہمیں تو ہر روز پانچ روپے ملتے ہیں۔" اگر تمھارا بڑا لڑکا کہتا ہے، "میرے باپ نے ایک دفعہ مٹّی کا تیل بلیک مارکیٹ میں فروخت کر کے سات ہزار روپے کمائے تھے،" تو میرا لڑکا اس سے بازی لے جانے کی نیت سے اُسے بتاتا ہے: "میرے ڈیڈی نے ایک مرتبہ اسکول کے فنڈ سے دس ہزار روپے اُڑا لیے تھے۔"

صورتِ حال اتنی نازک ہوگئی ہے کہ ڈر لگتا ہے کہ کسی دن ہم دونوں اپنے بچوں یا بیویوں کے بیانات کی بنا پر گرفتار نہ کر لیے جائیں اِس لیے آؤ، آج سے سمجھوتا کر لیں کہ آئندہ نہ ہم اور نہ ہماری بیویاں اور نہ بچے، ایک دوسرے پر رعب ڈالنے کی کوشش کریں گے بلکہ بڑی شرافت کے ساتھ تسلیم کر لیں گے کہ ہم دونوں معمولی حیثیت کے آدمی ہیں اور اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم رئیس ہیں تو ایک دوسرے کو نہیں صرف اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔

معانی و اشارات

رئیس ابنِ رئیس	-	مالدار باپ کا مالدار بیٹا، خاندانی امیر
مجسٹریٹ	-	جج
یک لخت	-	اچانک
سر ہو جانا	-	ضد کرنا
دیوالہ پٹ جانا	-	بڑا نقصان ہونا
کھلے بندوں	-	سب کے سامنے، ظاہر میں
ایک ہی ناؤ میں سوار ہونا	}	ایک جیسے مسئلے کا شکار ہونا
قافیہ تنگ کرنا	-	پریشان کرنا
سینے پر سانپ لوٹنا	-	حسد کے مارے بے چین ہونا
نیچا دِکھانا	-	بے عزّت کرنا
رنگ لانا	-	ظاہر ہونا، نتیجہ سامنے آنا
لاف زنی کرنا	-	ڈینگیں مارنا

مشقی سرگرمیاں

✻ **سبق کا بغور مطالعہ کیجیے اور ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔**

۱۔ مصنف اور ہمسایے کی ایک دوسرے کو مرعوب کرنے والی حرکتیں مختصراً بیان کیجیے۔

۲۔ نینی تال اور اوٹاکمنڈ کی سیر کو نہ جانے سے متعلق مصنف اور ہمسایے کی غلط بیانی کو تحریر کیجیے۔

۳۔ مصنف کے ہمسایے کے فریج خریدنے کی وجہ لکھیے۔

۴۔ اپنا دیوالہ پٹ جانے کے اندیشے سے متعلق مصنف نے ہمسایے سے جو درخواست کی، اسے لکھیے۔

۵۔ مصنف اور ان کے ہمسایے کی گرفتاری سے ڈرنے کی وجہ بیان کیجیے۔

۶۔ جن سماجی برائیوں کے خلاف سبق لکھا گیا ہے، انھیں لکھیے۔

۷۔ ذیل کے شعر کو نثر میں لکھیے۔

تم مسکرا رہے ہو مگر جانتا ہوں میں
بہتر تمھارا حال نہیں میرے حال سے

۸۔ سبق کے مطابق ذیل کے نکات کو مصنف اور ہمسایے کے کالم میں تحریر کیجیے:

پانچ سو کی ساڑی ، کھانا ہضم نہ ہونا ، نیند نہ آنا ، پچاس عورتوں کی دعوت ، ایک سو چھے ڈگری بخار ، خراٹے ایک فرلانگ تک سنائی دینا۔

۹۔ سبق کے کسی ایک واقعے کے تعلق سے اپنی رائے دیجیے۔

✻ **ہدایت کے مطابق عمل کیجیے۔**

۱۔ سبق کے چار محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

۲۔ ذیل کے الفاظ کی ضد سبق سے تلاش کر کے لکھیے:

سنجیدہ ، انکار ، غریب ، اختلاف ، دن ، باہوش ، صحت مند ، خرید

✻ **مصنف کے بچوں اور ہمسایے کی لاف زنی کو جدولی تقسیم میں درج کیجیے۔**

لاف زنی

مصنف کے بچوں کی	ہمسایے کے بچوں کی

* ذیل کا شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

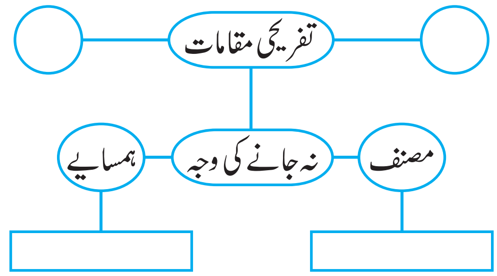

تحریری سرگرمیاں/منصوبے :

* 'ایک انار سَو بیمار' اس مَثَل کو عنوان بنا کر کوئی دلچسپ واقعہ تحریر کیجیے۔
* "میرے ہمسایے" کے موضوع پر دس یا پندرہ سطروں کا مضمون لکھیے۔
* 'ہائے میرا دیوالہ پِٹ گیا!' اِس عنوان پر دلچسپ مضمون تحریر کیجیے۔
* سبق میں لفظ 'کم و بیش' استعمال ہوا ہے۔ اس طرح واؤ عطف کی چار ترکیبیں لکھیے۔

میری ڈائری (ایک طالب علم کے قلم سے)

۵/ جولائی بروز اِتوار : آج اسکول کی تعطیل ہے اس لیے سوتا رہا مگر اچانک اپنے دوست کی امریکہ روانگی کا خیال آیا تو جھٹ پٹ اُٹھ بیٹھا۔ نہا دھو کر کپڑے تبدیل کیے اور اپنی سائیکل سے احمد کے گھر چلا گیا۔ امریکہ کے سفر کے لیے اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا اور اسے رخصت کر کے وہاں سے لوٹ آیا۔

۶/ جولائی : آج اسکول میں صدر مدرّس صاحب نے غالبؔ کی غزل پڑھائی۔ بڑا مزہ آیا۔

۷/ جولائی : آج صبح ہی سے سماں خوش گوار ہے۔

۸/ جولائی : دوپہر کے وقت معمولی بونداباندی کی وجہ سے کچھ اُمس محسوس ہو رہی ہے۔

۹/ جولائی : ڈاکیے نے کتابوں کا پارسل لا کر دیا۔ اس میں میری پسندیدہ کتاب 'پرواز' بھی تھی۔

۱۰/ جولائی : بڑے بھیا بنگلور سے آ رہے ہیں۔

۱۱/ جولائی : امتحان کی فیس اسکول میں داخل کرنے کی آج آخری تاریخ ہے۔

اضافی معلومات

پڑوسی

اسلام نے قرابت داری اور رشتے داری کے بعد سب سے زیادہ ہمسایے اور پڑوسی کے ساتھ صلہ رحمی پر زور دیا ہے۔ اسلامی احکامات کی رو سے پڑوسی ہمارے حد درجہ رفاقت، ہمدردی اور نیک سلوک کے مستحق ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے ہمسایے کے حقوق کی اتنی تاکید کی گئی ہے کہ میں خیال کرنے لگا کہ شاید اب اسے وراثت میں حصے دار بنا دیا جائے گا۔

اللہ کے رسولؐ نے متعدد احادیث میں ہمسایوں کے ساتھ نیک برتاؤ اور حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ ایک حدیث میں پڑوسیوں سے حسنِ سلوک کے سلسلے میں آپؐ نے فرمایا، "وہ شخص مومن نہیں جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے امن میں نہ ہو۔" دوسرے مقام پر آپؐ نے پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا، "وہ شخص ایمان نہیں رکھتا جو خود پیٹ بھر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہ جائے۔" آپؐ اپنے صحابہؓ کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ اپنے بچوں کے لیے اگر پھل لاؤ تو ہمسایے کے گھر بھی بھیجو ورنہ چھلکے باہر نہ پھینکو تاکہ غریب ہمسایے کا دل نہ دُکھے۔

حضرت محمد ﷺ کی ایک مشہور حدیث کا مفہوم ہے کہ وہ شخص جنتی نہیں ہوسکتا جس کی بدزبانی سے اس کے پڑوسی پریشان رہیں۔ ساتھ ہی آپؐ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ جس شخص کے اخلاق و اطوار اور اس کے طرزِ سلوک سے اس کے ہمسایے خوش ہوں اور اسے اچھا کہتے ہوں تو وہ بے شک اچھا شخص ہے اور کسی شخص کے بارے میں اس کے پڑوسی اچھی رائے نہ رکھتے ہوں تو وہ اچھا نہیں ہوسکتا۔

اسلام نے بڑی تفصیل کے ساتھ پڑوسیوں کے ساتھ ہمدردی، حسنِ سلوک اور خیرخواہی کے جذبات کو پروان چڑھانے اور اس کے ذریعے اچھے سماج کی تعمیر کی تاکید کی ہے۔

۳۔ بھولا

راجندر سنگھ بیدی

EKSSLS

پہلی بات : اُردو کی بیانیہ اصناف میں سب سے زیادہ مقبولیت افسانے کو حاصل ہے۔ اس میں واقعات کا بیان، کرداروں کی گفتگو اور منظر و ماحول کی پیش کش بہت نپی تلی اور تاثر سے بھرپور ہوتی ہے۔ پلاٹ، کردار، زمان و مکاں، مرکزی خیال اور اسلوب کی، افسانے کے فن میں خاص اہمیت ہے۔ زیادہ تر افسانے کسی پلاٹ ہی کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔ افسانے میں کردار کی شخصیت کے کچھ ہی پہلو دِکھائے جاسکتے ہیں اس لیے افسانے کی کامیابی کے لیے لازمی ہے کہ اس کی ابتدا ہی میں کردار کا واضح نقش اُبھر آئے۔ ہر واقعہ اور انسانی تجربہ وقت کے کسی نہ کسی مخصوص دائرے اور مکان یا مقام کے کسی نہ کسی معینہ پس منظر میں جنم لیتا ہے۔ اچھے افسانے میں ماحول کی جزئیات اور کرداروں کے زمانی پس منظر کا وجود ضروری ہے۔

جان پہچان : راجندر سنگھ بیدی یکم ستمبر ۱۹۱۵ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ وہ اُردو کے صفِ اوّل کے افسانہ نگار ہیں۔ وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے۔ اپنے افسانوں کے ماحول کی مصوری میں وہ حقیقت نگاری سے کام لیتے ہیں۔ ان کی کہانیوں میں کرداروں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اُن کے ہر کردار اور واقعے کے پس منظر میں کوئی نفسیاتی یا جذباتی عنصر کارفرما ہوتا ہے۔ 'دانہ و دام، گرہن، اپنے دکھ مجھے دے دو' اور 'ہاتھ ہمارے قلم ہوئے' ان کے افسانوں کے مشہور مجموعے ہیں۔ افسانہ 'بھولا' ان کے مجموعے 'دانہ و دام' سے لیا گیا ہے جس کے کردار سادہ دل، بھولے بھالے اور سیدھے سادے ہیں۔ غالباً اسی کی مناسبت سے مصنف نے افسانے کا نام ہی 'بھولا' رکھا ہے۔ راجندر سنگھ بیدی کا ۱۱ر نومبر ۱۹۸۴ء کو ممبئی میں انتقال ہوا۔

میں نے مایا کو پتھر کے ایک کوزے میں مکھن رکھتے دیکھا۔ چھاچھ کی کھٹاس کو دور کرنے کے لیے مایا نے کوزے میں پڑے ہوئے مکھن کو کنویں کے صاف پانی سے کئی بار دھویا۔ اس طرح مکھن کے جمع کرنے کی کوئی خاص وجہ تھی۔ ایسی بات عموماً مایا کے کسی عزیز کی آمد کا پتا دیتی تھی۔ ہاں، اب مجھے یاد آیا، دو دن کے بعد مایا کا بھائی اپنی بیوہ بہن سے راکھی بندھوانے کے لیے آنے والا تھا۔ یوں تو اکثر بہنیں بھائیوں کے ہاں جا کر انھیں راکھی باندھتی ہیں مگر مایا کا بھائی اپنی بہن اور بھانجے سے ملنے کے لیے خود ہی آ جایا کرتا تھا اور راکھی بندھوا لیا کرتا تھا۔ راکھی بندھوا کر وہ اپنی بیوہ بہن کو یقین دلاتا کہ جب تک اس کا بھائی زندہ ہے اس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لیتا ہے۔

ننھے بھولے نے میرے اس خیال کی تصدیق کر دی۔ گنا چوستے ہوئے اس نے کہا، "بابا! پرسوں ماموں جی آئیں گے نا...؟"

میں نے اپنے پوتے کو پیار سے گود میں اُٹھا لیا اور مسکراتے ہوئے کہا، "بھولے! تیرے ماموں جی تیری ماتا جی کے کیا ہوتے ہیں؟"

بھولے نے کچھ تامّل کے بعد جواب دیا، "ماموں جی۔"

مایا کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ میں اپنی بہو کے اس طرح کُھل کر ہنسنے پر دل ہی دل میں بہت خوش ہوا۔ مایا بیوہ تھی اور سماج اسے اچھے کپڑے پہننے اور خوشی کی بات میں حصہ لینے سے بھی روکتا تھا۔ میں نے بارہا مایا کو اچھے کپڑے پہننے، ہنسنے کھیلنے کی تلقین کرتے ہوئے سماج کی پروا نہ کرنے کے لیے کہا تھا مگر مایا نے ازخود اپنے آپ کو سماج کے روح فرسا احکام کے تابع کر لیا تھا۔ اس نے اپنے تمام اچھے کپڑے اور زیورات کی پٹاری ایک صندوق میں مقفل کر کے چابی ایک جوہڑ میں پھینک دی تھی۔

مایا نے اپنے لعل کو پیار سے پاس بلاتے ہوئے کہا،"بھولے !تم ننھی کے کیا ہوتے ہو؟"

"بھائی" بھولے نے جواب دیا۔

"اسی طرح تیرے ماموں جی میرے بھائی ہیں۔"

بھولا یہ بات نہ سمجھ سکا کہ ایک ہی شخص کس طرح ایک ہی وقت میں کسی کا بھائی اور کسی کا ماموں ہوسکتا ہے۔ وہ تو اب تک یہی سمجھتا آیا تھا کہ اس کے ماموں جان اس کے باباجی کے بھی ماموں جی ہیں۔

مجھے دوپہر کو اپنے گھر سے چھے میل دور اپنے کھیتوں میں ہل پہنچانے تھے۔ بوڑھا جسم، اس پر مصیبتوں کا مارا ہوا۔ بیٹے کی موت نے اُمید کو یاس میں تبدیل کر کے کمر توڑ دی تھی۔ اب میں بھولے کے سہارے ہی جیتا تھا۔

رات کو میں تکان کی وجہ سے بستر پر لیٹتے ہی اونگھنے لگا۔ ذرا توقّف کے بعد مایا نے مجھے دودھ پینے کے لیے آواز دی۔ میں نے اسے سیکڑوں دعائیں دیتے ہوئے کہا،"مجھ بوڑھے کی اتنی پروا نہ کیا کرو، بیٹا۔"

بھولا ابھی تک نہ سویا تھا۔ اس نے ایک چھلانگ لگائی اور میرے پیٹ پر چڑھ گیا۔ بولا،"بابا جی ! آپ آج کہانی نہیں سنائیں گے کیا؟" "نہیں بیٹا۔" میں نے کہا،"میں آج بہت تھک گیا ہوں۔کل دوپہر کو تمھیں سناؤں گا۔"

بھولے نے روٹھتے ہوئے جواب دیا،"میں تمھارا بھولا نہیں بابا۔ میں ماتاجی کا بھولا ہوں۔"

بھولا بھی جانتا تھا کہ میں نے اس کی ایسی بات کبھی برداشت نہیں کی۔ میں ہمیشہ اس سے یہی سننے کا عادی تھا کہ" بھولا باباجی کا ہے اور ماتاجی کا نہیں۔" مگر اس دن ہلوں کو کندھے پر اُٹھا کر چھے میل تک لے جانے اور پیدل ہی واپس آنے کی وجہ سے میں بہت تھک گیا تھا۔اس غیر معمولی تھکن کے باعث میں نے بھولے کی وہ بات بھی برداشت کی اور اونگھتے اونگھتے سو گیا۔

صبح کے وقت اس نے پھر میری گود میں آنے سے انکار کر دیا اور بولا،"میں نہیں آؤں گا تمھارے پاس، بابا۔"

"کیوں بھولے؟"

"بھولا باباجی کا نہیں ...بھولا ماتاجی کا ہے۔"

میں نے بھولے کو مٹھائی کے لالچ سے منایا اور چند ہی لمحات میں وہ باباجی کا بھولا بن گیا اور میری گود میں آ گیا اور اپنی ننھی ٹانگوں کے گرد میرے جسم سے لپٹے ہوئے کمبل کو لپیٹنے لگا۔ مایا نے پاؤ بھر مکھن نکالا اور اسے کوزے میں ڈال کر کنویں کے صاف پانی سے اس کی کھٹاس کو دھو ڈالا۔ اب مایا نے اپنے بھائی کے لیے سیر کے قریب مکھن تیار کر لیا تھا۔ میں بہن بھائی کے اس پیار کے جذبے پر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ میں نے دل میں کہا،عورت کا دل محبت کا ایک سمندر ہوتا ہے۔ ماں باپ، بھائی بہن، خاوند بچے، سب سے بہت ہی پیار کرتی ہے اور اتنا کرنے پر بھی اس کا پیار ختم نہیں ہوتا۔ایک دل کے ہوتے ہوئے بھی وہ سب کو اپنا دل دے دیتی ہے۔ بھولے نے دونوں ہاتھ میرے گالوں کی جھریوں پر رکھے اور کہا،"بابا، تمھیں اپنا وعدہ یاد ہے نا؟"

"کس بات کا... بیٹا؟"

"تمھیں آج دوپہر کو مجھے کہانی سنانی ہے۔"

"ہاں بیٹا!" میں نے اس کا منہ چومتے ہوئے کہا۔

یہ تو بھولا ہی جانتا ہوگا کہ اس نے دوپہر کے آنے کا کتنا انتظار کیا۔ بھولے کو اس بات کا علم تھا کہ بابا جی کے کہانی سنانے کا وقت وہی ہوتا ہے جب وہ کھانا کھا کر اس پلنگ پر جا لیٹتے ہیں جس پر وہ بابا جی یا ماتا جی کی مدد کے بغیر نہیں چڑھ سکتا۔ چنانچہ وقت سے آدھا گھنٹا پیشتر ہی اس نے کھانا نکلوانے پر اصرار شروع کر دیا، میرے کھانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے کہانی سننے کے چاؤ سے۔

میں نے معمول سے آدھا گھنٹا پہلے کھانا کھایا۔ ابھی میں نے آخری نوالہ توڑا ہی تھا کہ پٹواری نے دروازے پر دستک دی۔ اس نے کہا کہ خانقاہ والے کنویں پر آپ کی زمین کو ناپنے کے لیے مجھے آج ہی فرصت مل سکتی ہے، پھر نہیں۔

دالان کی طرف نظر دوڑائی تو میں نے دیکھا، بھولا چار پائی کے چاروں طرف گھوم کر بستر بچھا رہا تھا۔ بستر بچھانے کے بعد اس نے ایک بڑا تکیہ بھی ایک طرف رکھ دیا اور خود پائینتی میں پاؤں اڑا کر چار پائی پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔

میں نے پٹواری سے کہا کہ تم خانقاہ والے کنویں کو چلو اور میں تمھارے پیچھے پیچھے آ جاؤں گا۔ جب بھولے نے دیکھا کہ میں باہر جانے کے لیے تیار ہوں تو اس کا چہرہ مدھم پڑ گیا۔ مایا نے کہا، ''بابا جی، اتنی بھی کیا جلدی ہے؟ خانقاہ والا کنواں کہیں بھاگا تو نہیں جاتا۔ آپ کم سے کم آرام تو کر لیں۔''

''اوں ہوں'' میں نے زیرِ لب کہا۔ ''پٹواری چلا گیا تو پھر یہ کام ایک ماہ سے ادھر نہ ہو سکے گا۔''

مایا خاموش ہو گئی۔ بھولا منہ بسورنے لگا۔ اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ اس نے کہا، ''بابا! میری کہانی...میری کہانی...''

''بھولے...میرے بچے!'' میں نے ٹالتے ہوئے کہا۔ ''دن کو کہانی سنانے سے مسافر راستہ بھول جاتے ہیں۔''

''راستہ بھول جاتے ہیں؟'' بھولے نے سوچتے ہوئے کہا، ''بابا! تم جھوٹ بولتے ہو...ہمیں بابا جی کا بھولا نہیں بننا۔''

اب جبکہ میں تھکا ہوا بھی نہیں تھا اور پندرہ بیس منٹ آرام کے لیے نکال سکتا تھا، بھولے کی اس بات کو آسانی سے کس طرح برداشت کر لیتا۔ میں نے اپنے شانے سے چادر اُتار کر چار پائی کی پائینتی پر رکھی اور پلنگ پر لیٹتے ہوئے بھولا سے کہا، ''اب کوئی مسافر راستہ کھو بیٹھے تو اس کے تم ذمے دار ہو گے۔'' اور میں نے بھولے کو دوپہر کے وقت سات شہزادوں اور سات شہزادیوں کی ایک کہانی سنائی۔ بھولا ہمیشہ اس کہانی کو پسند کرتا تھا جس کے آخر میں شہزادے اور شہزادی کی شادی ہو جائے۔ مگر میں نے اس روز بھولے کے منہ پر خوشی کی کوئی علامت نہ دیکھی بلکہ وہ افسردہ منہ بنائے ہلکے ہلکے کانپتا رہا۔

اس خیال سے کہ پٹواری خانقاہ والے کنویں پر انتظار کرتے کرتے تھک کر کہیں اپنے گاؤں کا رُخ نہ کر لے، میں جلدی جلدی اپنے نئے جوتے میں دبتی ہوئی ایڑی کی وجہ سے لنگڑاتا ہوا بھاگا۔

شام کو جب میں واپس آیا اور جوں ہی میں نے دہلیز میں قدم رکھا، بھولے نے کہا، ''بابا...آج ماموں جی آئیں گے نا؟''

''ہاں۔'' میں نے کہا۔

''ماموں جی اگن بوٹ لائیں گے۔ ماموں جی کے سر پر مکئی کے بُھٹوں کا ڈھیر ہوگا نا، بابا...ہمارے تو مکئی ہوتی ہی نہیں بابا۔ اور تو اور وہ ایسی مٹھائی لائیں گے جو آپ نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہو گی۔''

میں حیران تھا اور سوچ رہا تھا کہ کس خوبی سے 'خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی'' کے الفاظ سات شہزادوں والی کہانی کے بیان میں سے اس نے یاد رکھے تھے۔

"جیتا رہ" میں نے دعا دیتے ہوئے کہا، "بہت ذہین لڑکا ہوگا اور ہمارا نام روشن کرے گا۔"

شام ہوتے ہی بھولا دروازے میں جا بیٹھا تاکہ ماموں جی کی شکل دیکھتے ہی اندر کی طرف دوڑے اور پہلے اپنی ماتا جی کو اور پھر مجھے، اپنے ماموں جی کے آنے کی خبر سنائے۔

دِیوں کو دِیا سلائی دِکھائی گئی۔ جوں جوں رات کا اندھیرا گہرا ہوتا جاتا دِیوں کی روشنی زیادہ ہوتی جاتی۔ تب متفکرانہ لہجے میں مایا نے کہا، "بابا جی ... بھیا ابھی تک نہیں آئے۔"

"ممکن ہے کوئی ضروری کام آ پڑا ہو۔ راکھی کے روپے ڈاک میں بھیج دیں گے۔"

"مگر راکھی؟"

"ہاں راکھی کی کہو۔ انھیں اب تک تو آ جانا چاہیے تھا۔"

میں نے بھولے کو زبردستی دروازے کی دہلیز پر سے اُٹھایا۔ بھولے نے اپنی ماتا سے بھی زیادہ متفکرانہ لہجے میں کہا، "ماتا جی ... ماموں جی کیوں نہیں آئے؟"

مایا نے بھولے کو گود میں اُٹھاتے ہوئے اور پیار کرتے ہوئے کہا، "شاید صبح کو آ جائیں تیرے ماموں جی ... میرے بھولے۔"

پھر بھولا کچھ دیر بعد سو گیا۔

مایا کا بھائی ابھی تک نہیں آیا تھا۔ میں ستاروں کی طرف دیکھتے دیکھتے اونگھنے لگا۔ یکایک مایا کی آواز سے میری نیند کھلی۔ وہ دودھ کا کٹورا لیے کھڑی تھی۔

"بٹی ... تمھیں اس سیوا کا پھل ملے بغیر نہ رہے گا۔"

تبھی میرے پہلو میں بچھی ہوئی چارپائی پر سے بھولا آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھا۔ اُٹھتے ہی اس نے پوچھا، "بابا ... ماموں جی ابھی تک کیوں نہیں آئے؟"

"آ جائیں گے بیٹا! سو جاؤ۔ وہ صبح سویرے آ جائیں گے۔"

اپنے بیٹے کو اپنے ماموں کے لیے اس قدر بیتاب دیکھ کر مایا بھی کچھ بیتاب سی ہوگئی۔ عین اسی طرح جس طرح ایک شمع سے دوسری شمع روشن ہو جاتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ بھولے کو لِٹا کر تھپکنے لگی۔ مایا کی آنکھوں میں بھی نیند آنے لگی۔ دن بھر کے کام کاج کی تھکن سے مایا گہری نیند سوتی تھی۔ میں نے مایا کو سو جانے کے لیے کہا اور بھولے کو اپنے پاس لِٹا لیا۔

"بتّی جلتی رہنے دو، صرف دھیمی کر دو۔ میلے کی وجہ سے بہت سے چور چکار ادھر ادھر گھوم رہے ہیں۔" میں نے مایا سے کہا۔

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس دفعہ میلے پر جو لوگ آئے تھے، ان میں ایسے آدمی بھی تھے جو کہ بچوں کو اغوا کر کے لے جاتے تھے۔ پڑوس کے ایک گاؤں میں دو ایک ایسی وارداتیں ہوئی تھیں اسی لیے میں نے بھولے کو اپنا پاس لٹا لیا تھا۔ میں نے دیکھا، بھولا جاگ رہا ہے۔ اس کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد جب میری آنکھ کُھلی تو میں نے بتّی کو دیوار پر نہ دیکھا۔ گھبرا کر ہاتھ پسارا تو بھولا بھی بستر پر نہ تھا۔ میں نے اندھوں کی طرح دیوار سے ٹکراتے اور ٹھوکریں کھاتے ہوئے تمام چارپائیوں پر دیکھ ڈالا۔ مایا کو بھی جگایا۔ گھر کا کونا کونا چھان مارا، بھولا

کہیں نہ تھا۔

"مایا... ہم لُٹ گئے۔" میں نے اپنا سر پیٹتے ہوئے کہا۔

مایا ماں تھی۔ اس کا کلیجا جس طرح شق ہوا، یہ کوئی اسی سے پوچھے۔ اپنا سہاگ لٹنے پر اس نے اتنے بال نہ نوچے تھے جتنے کہ اس وقت نوچے۔ وہ دیوانوں کی طرح چیخیں مار رہی تھی۔ پاس پڑوس کی عورتیں شور سن کر جمع ہوگئیں اور بھولے کی گمشدگی کی خبر سن کر رونے پیٹنے لگیں۔

آج میں نے میلے کے ایک بازی گر کو اپنے گھر کے اندر گھورتے ہوئے دیکھا تھا مگر میں نے پروا نہیں کی تھی۔ میں نے دعائیں کیں، مَنّتیں مانیں کہ بھولا مل جائے۔ وہی ہمارے اندھیرے گھر کا اُجالا تھا۔ اسی کے دم سے میں اور مایا جیتے تھے۔ اسی کی آس سے ہم اُڑے پھرتے تھے۔ وہی ہماری آنکھوں کی بینائی، وہی ہمارے جسم کی توانائی تھا۔ اس کے بغیر ہم کچھ نہ تھے۔

میں نے گھوم کر دیکھا، مایا بے ہوش ہوگئی تھی۔ اس کے ہاتھ اندر کی طرف مُڑ گئے تھے، آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور عورتیں اس کی ناک بند کر کے ایک چمچے سے اس کے دانت کھولنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

ایک لمحے کے لیے میں بھولے کو بھی بھول گیا۔ میرے پاؤں تلے کی زمین کھسک گئی۔ ایک ساتھ گھر کے دو لوگ جب دیکھتے دیکھتے ہاتھ سے چلے جائیں تو اس وقت دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ میں نے سوچا کہ اِن دُکھوں کے دیکھنے سے پہلے ایشور نے میری ہی جان کیوں نہ لے لی۔

قریب تھا کہ میں بھی گر پڑوں، مایا ہوش میں آگئی۔ مجھے پہلے سے کچھ سہارا ملا۔ میں نے دل میں کہا،"میں ہی مایا کو سہارا دے سکتا ہوں۔ اور اگر میں خود اس طرح حوصلہ چھوڑ دوں تو مایا کسی طرح نہیں بچ سکتی۔" میں نے حواس جمع کرتے ہوئے کہا،"مایا بیٹی... دیکھو! مجھے یوں خانہ خراب مت کرو۔ حوصلہ کرو۔ بچے اغوا ہوتے ہیں مگر مل بھی جاتے ہیں۔ بھولا مل جائے گا۔"

ماں کے لیے یہ الفاظ بے معنی تھے۔ اس وقت آدھی رات اِدھر تھی اور آدھی رات اُدھر جب ہمارا پڑوسی اس حادثے کی خبر گاؤں سے دس کوس دور تھانے میں پہنچانے کے لیے روانہ ہوا۔

ہم سب ہاتھ ملتے ہوئے صبح کا انتظار کرنے لگے تاکہ دن نکلنے پر کچھ سجھائی دے۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور ہم نے بھولے کے ماموں کو اندر آتے دیکھا۔ بھولا اس کی گود میں تھا۔ اس کے سر پر مٹھائی کی ٹوکریاں اور ایک ہاتھ میں بتّی تھی۔ ہمیں تو گویا ساری دنیا کی دولت مل گئی۔ مایا نے بھائی کو پانی پوچھا نہ خیریت اور اس کی گود سے بھولے کو چھین کر اسے چُومنے لگی۔ تمام اڑوس پڑوس نے مبارکباد دی۔ بھولے کے ماموں نے کہا،"مجھے ایک کام کی وجہ سے دیر ہوگئی تھی۔ دیر سے روانہ ہونے پر رات کے اندھیرے میں مَیں اپنا راستہ گم کر بیٹھا تھا۔ یکایک مجھے ایک جانب سے روشنی آتی دِکھائی دی۔ میں اس کی طرف بڑھا۔ اس خوفناک اندھیرے میں پرس پور سے آنے والی سڑک پر بھولے کو بتی پکڑے ہوئے اور کانٹوں میں اُلجھے ہوئے دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ میں نے اس سے اس وقت وہاں ہونے کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ باباجی نے آج دوپہر کے وقت مجھے کہانی سنائی تھی اور کہا تھا کہ دن کے وقت کہانی سنانے سے مسافر راستہ بھول جاتے ہیں۔ تم دیر تک نہ آئے تو میں نے یہی جانا کہ تم راستہ بھول گئے ہوگے اور بابا نے کہا تھا کہ اگر کوئی مسافر راستہ بھول گیا تو تم ذمے دار ہوگے...!!"

معانی و اشارات

تصدیق کرنا	-	سچائی تسلیم کرنا، ثابت کرنا
تامّل	-	ہچکچاہٹ
تلقین کرنا	-	سمجھانا، جتانا
ازخود	-	خود سے
روح فرسا	-	روح کو تکلیف دینے والا
جوہڑ	-	پانی سے بھرا ہوا گڑھا
توقف	-	تاخیر، وقفہ
پٹواری	-	گاؤں کی زمین کی پیمائش کرنے والا
اگن بوٹ	-	آگ سے چلنے والی ناؤ
دیا سلائی دِکھانا	-	آگ جلانا، مراد چراغ روشن کرنا
متفکرانہ	-	سوچتے ہوئے
کلیجا شق ہونا	-	صدمہ پہنچنا، بہت دُکھ ہونا
سہاگ لٹنا	-	شوہر کا انتقال ہو جانا
کوس	-	دو میل کا فاصلہ
دفعتہً	-	اچانک

مشقی سرگرمیاں

سبق کا بغور مطالعہ کیجیے اور دی ہوئی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ بابا کو گھر پر کسی کی آمد کا پتا چل جانے کی وجہ لکھیے۔

۲۔ مایا کے مکھن جمع کرنے کا طریقہ بیان کیجیے۔

۳۔ سبق میں مذکور رشتوں اور رشتے داروں کے نام لکھیے۔

۴۔ مایا کے بھائی کے گھر آنے کی وجہ بیان کیجیے۔

۵۔ 'راکھی بندھن' پر بھائی کے ذریعے بہن سے کیے جانے والے وعدے کو قلمبند کیجیے۔

۶۔ سماج مایا کو اچھے کپڑے پہننے اور ہنسنے مسکرانے سے روکتا تھا۔ سبب تحریر کیجیے۔

۷۔ بھولا کی سمجھ میں نہ آنے والی بات بیان کیجیے۔

۸۔ ''بھولا کبھی بابا کا بھولا ہوتا کبھی مایا کا۔'' اس جملے کی وضاحت کیجیے۔

۹۔ بابا کے بھولا کو رات میں کہانی نہ سنانے کا سبب لکھیے۔

۱۰۔ سبق کے پیغام کو مختصراً اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

*** ذیل کا شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔**

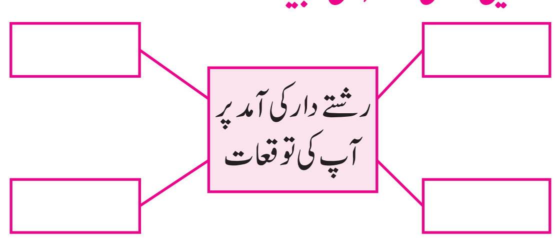

*** ماموں کی آمد پر بھولا جو توقعات لگائے ہوئے تھا انھیں لکھیے۔**

*** ''بھولا واقعی بھولا تھا۔'' اس جملے کی وضاحت کیجیے۔**

*** اپنے اسکول سے اپنے علاقے کے پولس اسٹیشن کا فاصلہ لکھیے۔**

*** سبق سے کم از کم آٹھ محاورے تلاش کرکے لکھیے اور انھیں اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔**

*** جملے کی درج ذیل اقسام سبق سے تلاش کرکے لکھیے۔**

بیانیہ، استفہامیہ، فجائیہ

*** سبق سے مفرد، مرکب اور مخلوط جملوں کی دو دو مثالیں لکھیے۔**

*** سبق سے اسم جمع تلاش کرکے لکھیے۔**

*** درج ذیل بیانات کی استحسانی وضاحت کیجیے۔**

۱۔ میں نے دعائیں کیں، منّتیں مانیں کہ بھولا مِل جائے۔ .... اس کے بغیر ہم کچھ نہ تھے۔

۲۔ ''باباجی نے آج دوپہر کے وقت مجھے کہانی سنائی تھی اور کہا تھا کہ دِن کے وقت ....تو تم ذمے دار ہوگے۔''

۴۔ سیاہ روشنی

EL2NNF

پروین شیر

پہلی بات : سفر کو وسیلۂ ظفر بھی کہا گیا ہے یعنی اس سے فتح و کامرانی حاصل ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص اپنے ماحول کو چھوڑ کر دیگر مقامات کا سفر اختیار کرتا ہے تو اسے مختلف علاقوں، لوگوں اور زبانوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ آب و ہوا، رہن سہن اور زندگی گزارنے کے مختلف طریقے اور تہذیب و تمدن کے فرق کو دیکھ کر اس کی فکر و نظر میں کشادگی پیدا ہوتی ہے۔

سفرنامہ نثری ادب کی ایک صنف ہے۔ اچھے سفرنامے پڑھ کر ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم مصنف کے ساتھ سفر کر رہے ہیں اور اس کے تجربات و مشاہدات سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

جان پہچان : پروین شیر پٹنہ کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ اعلیٰ تعلیم انھوں نے کینڈا میں حاصل کی۔ انھوں نے اسی ملک کی شہریت حاصل کر لی اور فی الحال وہیں مقیم ہیں۔ شاعری کے علاوہ پروین شیر نے مصوری میں بھی خوب نام کمایا ہے۔ انھیں اس فن میں بین الاقوامی سطح کے کئی انعامات مل چکے ہیں۔ انھیں موسیقی اور سیاحت سے بھی خاصا لگاؤ رہا ہے۔ ان کا سفرنامہ 'چند سیپیاں سمندروں سے' اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہوا ہے۔ 'کرچیاں، نہالِ دل پر سحاب جیسے' اور 'چہرۂ گل دھواں دھواں سا' ان کے شعری مجموعے ہیں۔

طیارہ اپنے آہنی پروں کو پھیلائے زمین کے سپاٹ سینے پر آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی رفتار تیز ہو رہی تھی۔ پھر دور تک پھیلے ہوئے رَن وے سے ایک لمبی جست لگا کر وہ فضاؤں میں پرواز کرنے لگا۔ اوپر ....اور اوپر۔ زمین دور ہوتی جا رہی تھی اور چھوٹی .... پروین اپنی سیٹ پر سر ٹکائے ہوئے اتنی بڑی زمین کو اتنی چھوٹی ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ زمین جس پر انسانی وجود ایک ذرّہ ہے، وہی اب خود ذرّہ بنتی جا رہی تھی۔ طیارہ بادلوں کا نرم سینہ چیرتا ہوا بلند ہوتا جا رہا تھا۔ بادلوں کے سمندر میں ڈوب کر زمین لاپتا ہو گئی تھی جس سے دور یہ ایک نیا جہان تھا۔ یہ خلاؤں کا جہان تھا... پراسرار ...خاموش آوازوں کی گونج جسے پروین سن رہی تھی۔ زمین سے دور اس نئے جہان میں آ کر دل کی عجیب کیفیت تھی جس کا کوئی نام نہ تھا۔ ایک انوکھا احساس تھا، ایک طفلانہ خواہش تھی... کھڑکی سے بادلوں کی آغوش میں کود جانے کی۔

آج وہ طیارے میں اُڑ رہی تھی اور زمین کے اس حصے پر قدم رکھنے جا رہی تھی جسے اس نے صرف تصویروں میں دیکھا تھا؛ جہاں کی سچی کہانیاں کتابوں میں پڑھی تھیں۔ جہاں کا ماضی عبرت ناک تھا، جہاں انسانوں نے انسانوں پر ظلم ڈھائے تھے، جہاں انسانیت منہ چھپائے سسک رہی تھی اور بربریت مسکرا رہی تھی۔ پروین خیالات کے سمندر میں غوطے لگا رہی تھی۔ ڈوب رہی تھی، اُبھر رہی تھی۔ جوہانس برگ پہنچنے میں دس گھنٹے باقی تھے۔ پروین کے شریکِ حیات وارث اور بیٹے فراز کی آنکھیں نیند میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ پروین کی پلکیں بھی بوجھل ہو رہی تھیں۔ جب اس کی آنکھیں کھلیں تو منزل قریب تھی۔ طیارہ نیچے اُتر رہا تھا۔ زمین قریب آ رہی تھی۔ لکیروں پر رینگتی چیونٹیاں بڑی بڑی گاڑیاں بن رہی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی ڈبیاں عالی شان عمارتوں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ زمین

کا سینہ پھیلتا جا رہا تھا اور پروین کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ اُس سرزمین پر قدم رکھنے والی تھی جہاں کی مٹی کے ذرّے ذرّے میں ماضی کی دکھ بھری کہانیاں ہیں۔ وہ سرزمین جسے کہا جاتا ہے کہ ایک ملک میں ایک دنیا آباد ہے۔

طیارے نے زمین کو چھو لیا تھا۔ صبح کا سورج اپنی نرم سنہری کرنوں کی چادر جوہانس برگ پر پھیلائے ہوئے تھا۔ آج پروین کے قدم اس سرزمین پر تھے جہاں کتنی ہی یادوں کی بازگشت تھی۔ وہ خیالوں میں گم، تجسّس اور حیرانی میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اچانک ایک منحنی سا آدمی ایک جھنڈی جس پر 'شیر فیملی' درج تھا، لہراتا نظر آیا۔ فراز اس کی طرف بڑھا اور اس شخص نے خوش آمدید کہہ کر اپنا تعارف کرایا۔ وہ نرم گفتار، خوش مزاج شخص کینن تھا؛ پروین گروپ کے سیاحوں کا رہبر۔ سیدھا سادہ، نیک اور نرم دل۔ نیویارک یا شکاگو میں کالے لوگوں کا خوف دل و دماغ پر مسلط رہتا ہے۔ لوگ اس علاقے میں بھی نہیں جاتے جہاں ان کی اکثریت ہوتی ہے لیکن اب اسے اس خوف پر ہنسی آ رہی تھی۔ کینن کی شخصیت اور اردگرد کالوں کا جمِ غفیر... ان کے چہرے بتا رہے تھے کہ تمام انسان بنیادی طور پر یکساں ہیں۔ کوئی پیدائشی مجرم نہیں ہوتا، قاتل نہیں ہوتا بلکہ حالات کا شکار ہوتا ہے۔ کینن کے ساتھ اس کے گروپ کے گیارہ سیاح وین میں بیٹھ گئے تھے۔

وین جوہانس برگ کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی ..... ہوٹل وانڈررز کی طرف۔ کینن ہاتھ میں مائک پکڑ کر اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آواز وین میں گونج رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا، "جوہانس برگ میں ساؤتھ افریقہ کا سب سے پرانا اسکول ہے جو ۱۸۹۵ء میں تعمیر ہوا تھا۔ نیلسن منڈیلا کے دونوں مکانات یہیں ہیں۔" وین میں بیٹھے ہوئے سیاح کینن سے سوالات کر رہے تھے اور وہ جوابات دے رہا تھا۔ "جوہانس برگ میں سونے کی کان کا پتا جارج واکر اور جارج بریسن نے لگایا تھا۔ ساؤتھ افریقہ قدرتی وسائل کی وجہ سے دولت مند ہو گیا کیوں کہ یہاں سونے اور ہیرے کے ذخائر ہیں۔ یہاں گوروں کی آبادی دس فیصد ہے۔ یہاں موسمِ سرما جولائی سے شروع ہو جاتا ہے۔" کینن بولتا جا رہا تھا۔

پروین وین کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ مکئی کے کھیت کے رنگوں سے سرور حاصل کر رہی تھی اور کینن کی آواز سے علم کے موتی چن رہی تھی۔ سویٹو کی سڑکوں پر صبح کی نرم دھوپ اپنے سنہرے پروں کو پھیلائے بیٹھی تھی۔ سڑک کے کنارے رنگ ہی رنگ تھے۔ چھوٹے چھوٹے اسٹالوں میں فنکاروں کے فن چمک رہے تھے۔ مجسّمے اور کرافٹ، مصوری اور رنگین پوشاک۔ فٹ پاتھ پر بھی چادروں پر طرح طرح کی اشیا برائے فروخت موجود تھیں۔ لوگ مول تول کر رہے تھے۔ پروین اس دکاندار عورت کی بے بسی کو دیکھ رہی تھی جسے اپنی بقا کے لیے قیمت کم کرنی ہی تھی۔ وین کا ڈرائیور یوپا تھا۔ اس نے وین سویٹو کے ایک مفلوک الحال علاقے میں روک دی تھی۔ سب سیاح باہر نکل کر کینن کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ گرد و غبار میں ڈوبی ہوئی کچی سڑکیں، تنگ گلیاں، بدرنگ چھوٹے چھوٹے گھر، کہیں کہیں گڑھوں میں جمع ہوا پانی۔ ننگے پاؤں بوسیدہ کپڑوں میں کھیلتے ہوئے بچے، گھر کے دروازوں پر بیٹھے چائے پیتے ہوئے گپ شپ میں مصروف لوگ جنھیں زندگی کی دوڑ سے کوئی مطلب نہ تھا۔ مکانوں کے سامنے تاروں کی زنگ آلود باڑھ اور ہر گھر پر ٹین کی چھت۔ یہ علاقہ جوہانس برگ سے بیس میل دور ہے۔ اسے سویٹو کہتے ہیں۔ اپارتھائڈ کے دوران کالوں کو اسی جگہ بھیج دیا گیا تھا۔ سویٹو کا ماحول اور کچے راستے اور گلیوں سے اُڑتی ہوئی گرد کے ذرّے کہہ رہے تھے کہ کس طرح وہ ملک درد کا گہوارہ بنا تھا۔ گلی کی دھول پروین کے قدموں سے لپٹ رہی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ سیاحت صرف جمالیاتی ذوق کی تسکین نہیں... کھردری بدصورتی کی آگہی کا

نام بھی ہے۔

سیاحوں نے سویٹو میں ایک غریب خاندان کے خستہ حال دو کمروں کے مکان کو بھی دیکھا جس کے در و دیوار بدحال تھے جن کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔ کمزور ستونوں پر ٹین کی چھت ٹکی ہوئی تھی۔ ایک باتھ روم صحن میں تھا جسے ہمسایے بھی استعمال کرتے تھے۔ دو کمروں کے اس گھر میں نو افراد رہ رہے تھے۔ ایک چھوٹے کمرے میں بستر اور میز کے درمیان چلنے کی جگہ بھی نہیں تھی۔ چھوٹی سی کھڑکی سے روشنی بھی سہمی ہوئی سی اندر آ رہی تھی۔ ایک کمرہ ضعیف باپ کا تھا: نیم روشن، چھوٹا سا پرانا بستر اور چھوٹی سی رنگ اُڑی ہوئی میز تھی۔ اس کمرے کے ایک کونے میں بوسیدہ کرسی پر ایک نوعمر لڑکی بیٹھی ہوئی کوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ اس لڑکی کے چہرے پر پروین نے بیزاری کے آثار دیکھ لیے تھے۔ اس کی آنکھوں میں اس نے خودداری کی پرچھائیاں بھی دیکھ لی تھیں۔ لڑکی کے نوعمر خون میں غم و غصّے کی لہریں نظر آ رہی تھیں۔ پروین کا دل اس بیزار لڑکی سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ لڑکی کے قریب چلی گئی۔ سوال کیا، "کیا تم یہیں رہتی ہو؟" اس نے بہت روکھا سا جواب دیا، "یقیناً!" شاید اس نوجوان لڑکی کو جو صرف سولہ سال کی تھی، اپنے وجود، اپنے خاندان اور اپنے گھر کو نمائش کا سامان بنائے جانے کا شدت سے احساس تھا۔ سیاحوں کے لیے ان کی خستہ حالی، ان کی بے بسی ایک تفریح بن گئی تھی۔ دستور یہ تھا کہ سیاح ہمیشہ اس گھر کی غربت کا نظارہ کر کے انھیں کچھ اُجرت دے دیتے جس سے گھر کے افراد کو کھانا نصیب ہوتا تھا۔

تمام سیاح بے نیازی سے اس گھر کے رہنے والوں کی کٹھن زندگی کو تفریحی نظروں سے دیکھ کر باہر نکل گئے تھے، کچھ پیسے دے کر جو ایک رسم تھی۔ مگر زندگی کے یہ تضادات پروین کے لیے معما تھے۔ سب سیاح اس گھر سے یوں باہر نکل آئے جیسے کوئی دلچسپ فلم دیکھ کر سنیما ہال سے باہر نکلے ہوں۔ ننگے پاؤں اور پھٹے پرانے کپڑوں میں معصوم بچے بھی سیاحوں کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ شاید ان کے لیے یہ لوگ عجوبہ تھے۔ ایک بچہ، تقریباً سات سال کا، فراز کے قریب آ گیا اور اس نے بلا جھجک فراز سے باتیں شروع کر دیں۔ وہ فراز کے پیشے کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ کچے ذہن کے پختہ سوال نے پروین کو حیران کر دیا تھا۔ پھر اس لڑکے نے کہا کہ میں وکیل بننا چاہتا ہوں۔ پروین اس معصوم کے خواب کے متعلق سن کر حیرت زدہ تھی، کچھ اُداس بھی۔ اب تقریباً بیس بچوں کا جھنڈ سیاحوں کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ کینن سے اجازت لے کر پروین نے ان بچوں کے لیے چاکلیٹ اور کھلونے خریدے۔ وہ باری باری ان میں یہ سوغات بانٹ رہی تھی۔ فراز نے ان بچوں سے باتیں شروع کیں تو ایک جھنڈ چلا آیا اس کے اردگرد۔ جیسے وہ ان کا پرانا دوست ہو۔ پروین کی آنکھیں فراز کی نرمی، رحم دلی اور انسانیت دیکھ کر نم ہوگئیں۔ فراز بھی بچوں کو کھلونے اور بسکٹ خرید کر دے رہا تھا۔ وہ ان کا ہیرو بن گیا تھا۔ وارث اپنے بیٹے کو فخر کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ پروین کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور اس کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔

درج ذیل ویب سائٹس کا مشاہدہ کیجیے۔

www.jahan-e-urdu.com

www.ur.m.wikipedia.org

www.urduclassic.com

www.urdudost.com

معانی واشارات

طیارہ	-	ہوائی جہاز
رَن وے	-	ہوائی پٹّی
طفلانہ	-	بچکانہ، بچوں جیسا
عبرت ناک	-	سبق آموز
بربریت	-	ظلم
شریکِ حیات	-	شوہر/ بیوی
مسلّط رہنا	-	غالب رہنا، سوار رہنا
ذخائر	-	ذخیرہ کی جمع، ڈھیر
جمِ غفیر	-	ہجوم
سویٹو	-	افریقہ کے کالے غریبوں کی نئی بستی (Sweto : South Western Township)
اپارتھائڈ	-	نسلی بھید بھاؤ
مفلوک الحال	-	نہایت غریب
خستہ	-	ٹوٹا پھوٹا
تضادات	-	تضاد کی جمع، اُلٹ، ضد

مشقی سرگرمیاں

سبق کا بغور مطالعہ کیجیے اور ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

٭ سبق 'سیاہ روشنی' کا مطالعہ کرکے ذیل کا شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

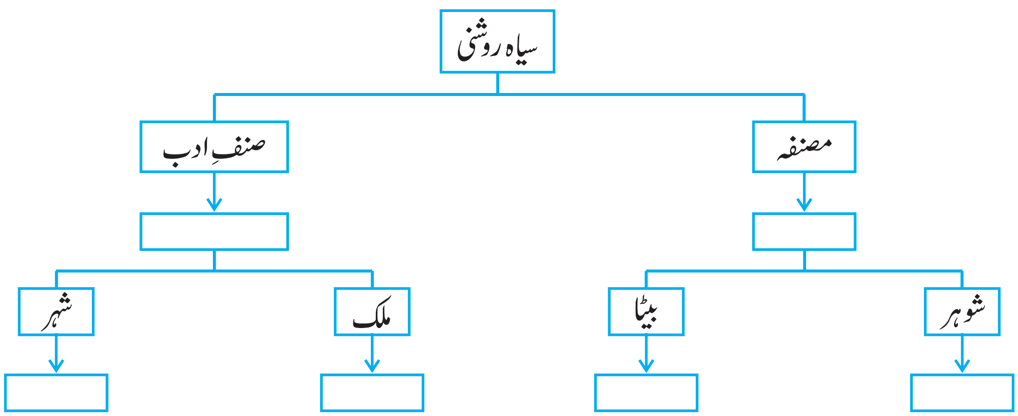

٭ نیچے دیے ہوئے واقعات کو صحیح ترتیب میں لکھیے :

۱۔ طیارہ اپنے آہنی پروں کو پھیلائے زمین کے سپاٹ سینے پر آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

۲۔ ننگے پاؤں اور پھٹے پرانے کپڑوں میں معصوم بچے بھی سیاحوں کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

۳۔ تمام سیاح بے نیازی سے اس گھر کے رہنے والوں کی کٹھن زندگی کو تفریحی نظروں سے دیکھ کر باہر نکل گئے۔

۴۔ تقریباً بیس بچوں کا جھنڈ سیاحوں کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

۵۔ وین کا ڈرائیور یوپا تھا۔ اس نے وین سویٹو کے ایک مفلوک الحال علاقے میں روک دی تھی۔

۶۔ وین جوہانس برگ کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی ... ہوٹل وانڈررز کی طرف۔

٭ خط کشیدہ الفاظ کی جگہ سبق میں آئے ہوئے لفظ استعمال کرکے جملے دوبارہ لکھیے۔

۱۔ دل کی عجیب <u>حالت</u> تھی جس کا کوئی نام نہ تھا۔

۲۔ پروین خیالات کے سمندر میں <u>ڈبکیاں</u> لگا رہی تھی۔

۳۔ ایک <u>دُبلا پتلا</u> سا آدمی ایک جھنڈی لہراتا نظر آیا۔

۴۔ نیویارک یا شکاگو میں کالے لوگوں کا خوف دل و دماغ پر <u>چھایا</u> ہوا رہتا ہے۔

۵۔ ایک باتھ روم <u>آنگن</u> میں تھا۔

* جنوبی افریقہ سے متعلق مصنفہ کے خیالات کا رواں خاکہ چوکونوں میں مناسب الفاظ لکھ کر مکمل کیجیے۔

آج زمین کے اس حصے پر قدم رکھنے جا رہی تھی جسے

↓

________ دیکھا تھا۔

↓

________ پڑھی تھی۔

↓

________ ماضی تھا۔

↓

________ سسک رہی تھی۔

↓

________ مسکرا رہی تھی۔

* دیے ہوئے الفاظ کی جمع یا واحد لکھیے۔

کیفیت ، خیالات ، شخصیت ، جوابات ، مکانات ، حساب

* طیارے کے اُڑان بھرنے اور فضا سے زمین کے منظر کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

* طیارے کے نیچے اُترتے وقت زمینی منظر میں جو تبدیلیاں محسوس ہوتی ہیں، انھیں تحریر کیجیے۔

* 'لوگ مول تول کر رہے تھے۔' اِس جملے میں خط کشیدہ لفظ بھاؤ تاؤ کے لیے عوامی زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح کے کم از کم تین الفاظ لکھیے۔

مثال : بات چیت

* سویٹو کے غریب خاندان کے کمروں کے بارے میں لکھیے۔

* لڑکی کی بیزاری کی وجہ لکھیے۔

* سویٹو سے نکلتے وقت پروین کی کیفیت بیان کیجیے۔

تحریری سرگرمی

* اپنے کسی سفر کی روداد ڈائری کی شکل میں تحریر کیجیے۔

* عصبیت، رنگ و نسل کی تفریق جیسے مسائل کی روشنی میں درج ذیل جملے کا استحسان کیجیے۔

"تمام انسان بنیادی طور پر یکساں ہیں۔ کوئی پیدائشی مجرم نہیں ہوتا، قاتل نہیں ہوتا بلکہ حالات کا شکار ہوتا ہے۔"

اضافی معلومات

نیلسن منڈیلا

جس طرح ہمارے ملک پر انگریزوں کی حکومت تھی، اسی طرح جنوبی افریقہ بھی انگریزوں کا غلام تھا۔ جنوبی افریقہ کی نوّے فیصد آبادی سیاہ فام قبائلی نسلوں پر مشتمل ہے لیکن اس کثیر آبادی پر دس فیصد گورے انگریز حکومت کرتے تھے۔ وہ سیاہ فام آبادی پر ظلم و ستم کرتے اور ان کے ساتھ نسلی امتیاز برتتے تھے۔ سیاہ فاموں کو برابری کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ اس نسلی امتیاز جسے انگریزی میں اپارتھائڈ apartheid کہا جاتا ہے، کے خلاف نیلسن منڈیلا نے آواز اُٹھائی اور ساری عمر جنوبی افریقہ کی آزادی کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔

نیلسن منڈیلا کا پورا نام نیلسن رولی لاہلا منڈیلا تھا۔ وہ ۱۸/ جولائی ۱۹۱۸ء کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے قانون کی پڑھائی کی اور جوہانس برگ میں وکالت کرنے لگے۔ یہیں سے وہ جنوبی افریقہ کی آزادی کی تحریک میں شامل ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں وہ افریکن نیشنل کانگریس (ANC) میں شامل ہوگئے اور ANC کی یوتھ لیگ کی بنیاد ڈالی۔ انگریز حکومت نے انھیں ۲۷/ برسوں کے طویل عرصے تک جیل میں قید رکھا۔ آخرکار ملک میں پھیل رہی بے چینی اور بین الاقوامی دباؤ کے تحت ۱۹۹۰ء میں انھیں آزاد کر دیا گیا۔ ۱۹۹۴ء میں جب جنوبی افریقہ میں عام انتخابات ہوئے تو نیلسن منڈیلا کی قیادت میں افریکن نیشنل کانگریس کو اکثریت حاصل ہوئی اور نیلسن منڈیلا ملک کے پہلے سیاہ فام صدر منتخب ہوئے۔ نیلسن منڈیلا کی جدوجہد اور قربانیوں کو عالمی سطح پر بے حد سراہا گیا۔ بھارت نے انھیں ۱۹۹۰ء میں بھارت رتن اور پاکستان نے ۱۹۹۲ء میں 'نشانِ پاکستان' جیسے اعلیٰ ترین شہری اعزازات سے نوازا۔ ۱۹۹۳ء میں انھیں 'نوبیل انعام برائے امن' بھی دیا گیا۔ ان انعامات کے علاوہ بھی انھیں سیکڑوں اعزازات تفویض کیے گئے۔ وہ جنوبی افریقہ کے بابائے قوم کہے جاتے ہیں۔ افریقہ کی آزادی کا یہ مردِ مجاہد ۵/ دسمبر ۲۰۱۳ء کو ۹۵/ برس کی عمر میں ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔

ELBJQ3

۵۔ مولانا حسرتؔ موہانی

نورالحسن نقوی

پہلی بات: ہمارا ملک ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کو آزاد ہوا۔ انگریز ہندوستان میں تاجر بن کر آئے اور دھیرے دھیرے وہ ہمارے ملک پر قابض ہوگئے۔ ان کے ظلم وستم سے ملک کی عوام تنگ آگئی تو انگریزوں کے خلاف انھوں نے بغاوت کے طریقوں کو اپنایا۔ ہندوستان کے رہنما عوام کے ساتھ تھے۔ انگریزوں نے انھیں بھی قید و بند کی سزائیں دیں۔ مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد جیسے آزادی کے رہنماؤں نے انگریزوں کے خلاف مورچہ کھولا۔ دو بدو لڑنے کی بجائے ان لوگوں نے امن اور شانتی کی راہ اپنائی تو لوک مانیہ تلک، لالہ لاجپت رائے، بپن چندر پال وغیرہ نے انتہا پسندی کو اپنایا۔ آزادی کے ان متوالوں میں مولانا فضل الحسن حسرتؔ موہانی بھی تھے۔ انھوں نے غیر ملکی مال کی مخالفت کی۔ انگریزوں نے انھیں بامشقت قید کی سزا سنائی اور وہ قید میں مہینوں چکّی پیستے رہے۔ ذیل کے سبق میں مولانا کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے۔

جان پہچان: نورالحسن نقوی ۱۹۳۳ء میں امروہہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اعلیٰ تعلیم علی گڑھ اور دلّی یونیورسٹی میں حاصل کی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو میں لکچرر ہوگئے۔ انھوں نے سرسیّد اور مصحفیؔ پر تحقیقی کام کیا اور ان دونوں شخصیتوں پر کتابیں لکھیں۔ تلسی داس کی 'رام چرت مانس' کا انھوں نے اُردو میں ترجمہ کیا۔ خاکہ نگاری میں ان کا نام اہمیت رکھتا ہے۔ 'تصویریں اُجالوں کی' ان کے خاکوں کا مجموعہ ہے۔ انھوں نے 'اُردو ادب کی تاریخ' اور 'فن تنقید اور اُردو تنقید نگاری' نامی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ نورالحسن نقوی نے دہلی کے گنگا رام اسپتال میں ۲۵؍جنوری ۲۰۰۶ء کو وفات پائی۔

مولانا حسرتؔ موہانی کی شخصیت میں کوئی ایسی دلفریبی نہیں تھی کہ جو پہلی بار ملے، گرویدہ ہوجائے لیکن جن خوش نصیبوں کو انھیں نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا، وہ ان کی عظمت کے قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مولانا ان لوگوں میں سے تھے جو آنے والی نسلوں کی رہنمائی کے لیے وقت کے ریگزار پر اپنے قدموں کے نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ ان کی زندگی فقر و استغنا اور ایثار وخلوص کا بے نظیر مجموعہ تھی۔

حسرتؔ علی گڑھ میں زیرِ تعلیم تھے کہ تحریکِ آزادی سے وابستہ ہوگئے۔ اس جرم میں تین بار کالج سے نکالے گئے، کئی بار قیدِ بامشقت کی سزا بھگتی اور ایک ایک دن میں من من بھر آٹا پیسا۔ تحریک کی حمایت میں انھوں نے ایک رسالہ 'اُردوئے معلّٰی' جاری کیا تھا جسے بے باکی اور صاف گوئی کی پاداش میں بند کرنا پڑا۔ پریس اور کتب خانہ ضبط ہوا۔ مضامین کے مسودات ان کی آنکھوں کے سامنے نذرِ آتش کیے گئے۔ کالج کی حدود میں داخلہ ممنوع ہوگیا تو شہر میں کرایے کا مکان اور سودیشی تحریک کو فروغ دینے کے لیے 'سودیشی اسٹور' کھول لیا جس کا کالج کے اسٹاف اور طلبہ کی طرف سے بائیکاٹ کیا گیا۔ جیل گئے تو گزر اوقات کے لیے ان کی بیوی نے دکان پر بیٹھ کر کپڑا بیچا اور کسی ہمدرد نے مالی مدد کرنا چاہی تو یہ کہہ کر انکار کردیا کہ حسرتؔ صاحب نے کسی کا سہارا لینا گوارا نہیں کیا تو میں یہ مدد کیسے قبول کرلوں؟ جیل ہی میں تھے کہ بیٹا بیمار پڑا، حالت بگڑی اور دنیا سے رخصت بھی ہوگیا مگر حکام نے باپ کو مطلع کرنا بھی ضروری نہ سمجھا۔ بہت دن بعد جب اس جاں کاہ حادثے کی اطلاع ملی تو حسرتؔ صرف آہ بھر کر رہ گئے۔

تحریکِ آزادی کا درخت برگ و بار لایا تو اس کی فصل کا لوگوں میں بٹوارا ہوا؛ کسی کے حصے میں دھن دولت آئی، کسی نے

شہرت پائی، کسی کو صرف عزّت ملی مگر حسرتؔ کو کچھ بھی نہ ملا۔ وہ کسی صلہ و ستائش کے طلبگار بھی نہ تھے۔ انھیں انعام ملا تو یہ کہ ان کے اپنوں نے کہا، "بڑے میاں سٹھیا گئے ہیں، فہم و فراست سے محروم ہیں، سیاسی شعور سے بے بہرہ ہیں۔" انھوں نے کچھ بھی تو نہ پایا، نہ یگانوں سے نہ بیگانوں سے، مگر یہ حسرتؔ ہی تھے جو ہمیں سرافرازی کی ایک لا زوال دولت عطا کر گئے۔ ہم ہمیشہ سر اُٹھا کے کہہ سکیں گے کہ جب ملک کے بڑے بڑے سورما آزادیِ کامل کا نام لیتے گھبراتے تھے تو ایک مردِ مسلماں، اُردو کے ایک شاعر و ادیب نے ہزار مخالفت کے باوجود ہزاروں کے مجمعے میں فوری اور مکمل آزادی کی تجویز پیش کی۔ یہ اور بات کہ کوئی جواں مرد اس کی آواز میں آواز نہ ملا سکا۔

اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے مولانا سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ احمد آباد میں کانگریس کا ایک تاریخی جلسہ تھا۔ محمد علی، شوکت علی، ابوالکلام نظر بند تھے۔ باقی حضرات شریک تھے۔ ڈاکٹر انصاری اور سیّد محمود کے ساتھ اجلاس میں مَیں بھی تھا۔ اجلاس کے پنڈال سے باہر ایک شامیانے میں مغرب کے بعد مسلمانوں کا جلسہ تھا۔ گاندھی جی خاص طور سے مسلمانوں سے کچھ کہنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اتنے میں دیکھا کہ کانگریس کی سبجیکٹ کمیٹی سے گھبرائے ہوئے، بھاگتے ہوئے دو والینٹیر آئے اور گاندھی جی سے نہایت اضطراب کے ساتھ کہا کہ جلدی چلیے، کمیٹی میں حسرتؔ موہانی صاحب نے ہندوستان کی مکمل آزادی کی قرارداد پیش کر دی ہے اور کسی طرح واپس نہیں لے رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فضا میں کوئی غیبی گولہ آ کر پڑا ہے۔ گاندھی جی گھبرائے ہوئے جلسے سے اُٹھ کر سبجیکٹ کمیٹی کی طرف روانہ ہو گئے مگر حسرتؔ بدستور اپنی بات پر جمے رہے اور نوٹس دیا کہ وہ اسے کھلے اجلاس میں پیش کریں گے۔ چنانچہ وہ وقت آیا جب کھلے اجلاس میں حسرتؔ نے ہندوستان کی مکمل آزادی کی تجویز پیش کی اور آنکھوں نے دیکھا کہ ہزاروں کے مجمعے میں ایک آواز بھی ان کی تائید میں نہ اُٹھی۔

حسرتؔ کی شخصیت کے جس پہلو پر سب سے پہلے نظر جاتی اور جم کے رہ جاتی ہے، وہ ان کا فقر و استغنا ہے۔ ساری زندگی ان کا ہاتھ تنگ رہا۔ ایسوں کے دل میں دولت کی حرص کچھ زیادہ گھر کر لیتی ہے مگر حسرتؔ کا معاملہ برعکس تھا۔ کبھی دولت ان پر مہربان ہوئی بھی تو مولانا فوراً گھبرا کے ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ مہاتما گاندھی نے ایک بار پنڈت نہرو سے سوال کیا تھا،

"جواہر لال! یہ بتاؤ کہ دیش آزاد ہوا اور تم پردھان منتری بنائے گئے تو کیا تنخواہ لو گے؟"

"سو روپے ماہوار" انھوں نے از رہِ انکسار جواب دیا۔

اس پر مہاتما چیخ پڑے: "جواہر لال! تم اس ننگے بھوکے دیش سے سو روپے تنخواہ لو گے، سو روپے!"

جب دیش آزاد ہوا تو حسرتؔ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ پارلیمنٹ کے ممبر خود اپنی سرکار سے اتنی بڑی بڑی رقمیں سفر خرچ کے طور پر کیوں وصول کرتے ہیں۔ انھوں نے ایک مشاعرے کے منتظمین سے یہ کہہ کر سفر خرچ لینے سے انکار کر دیا تھا کہ میں گرفتاری کے ڈر سے بلا ٹکٹ انجن میں بیٹھ کر آیا ہوں۔ کرایہ کیسے لے لوں؟ ایک بار پی ایچ۔ ڈی کا زبانی امتحان لینے وہ علی گڑھ آئے۔ دستخط کے لیے ٹی اے بل پیش کیا گیا۔ میزان پر نظر پڑی تو دیر تک کہتے رہے کہ اتنے بہت سے روپیوں کا ہم کریں گے کیا؟ پھر تفصیل پر نظر پڑی تو چونکے۔ بولے، ہم تو تھرڈ کلاس میں آئے ہیں، فرسٹ کلاس کا کرایہ کیسے لے لیں۔ پھر ارشاد ہوا، ہم تو آپ کے گھر ٹھہرے ہیں، یہ قیام و طعام کا خرچ کیا معنی؟ پھر کچھ اور خیال آیا، بولے ہم تو دہلی جا رہے تھے، راستے میں ذرا دیر کو یہاں اُتر گئے۔ ہم تو کچھ

لے ہی نہیں سکتے۔

جو شخص درویشانہ زندگی بسر کرتا ہو، اسے روپے پیسے کی ضرورت بھی کیا۔ ایک دوست کو کھانے پر مدعو کیا۔ دعوت کا وقت آیا تو مہمان عزیز کے لیے ڈیوڑھی میں چٹائی بچھا دی۔ پھر اندر سے ایک رکابی میں چنے کی دال کا سالن اور طباق میں روٹیاں لے آئے۔ اسے محبت سے بٹھایا اور میزبانی کا حق ادا کر دیا۔ لباس کی طرف سے وہ ہمیشہ بے پروا رہے۔ بیگم نے جو کپڑے دے دیے، انھوں نے بلا تامّل پہن لیے۔ وہ ان کے کپڑے خود ہی سیتی تھیں، خود ہی دھوتی تھیں۔ مولانا کو افسوس تھا کہ شیروانی درزی سے سلوانی پڑتی ہے۔ بیگم سے ذکر کیا تو انھوں نے کسی درزی سے شیروانی کی تراش سیکھ لی اور درزی کا قصہ ہی پاک ہو گیا۔ جب کالج کے اساتذہ اور طلبہ نے حسرتؔ کے سودیشی اسٹور کا بائیکاٹ کیا تو وہ ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے۔ بولے ہمارا خرچ ہی کتنا ہے جو فکرمند ہوں۔ ملازم رکھنے کی تو حالات نے کبھی اجازت ہی نہ دی۔ کرایے کے جس مکان میں رہتے تھے، اس میں نل نہیں تھا۔ مکان کے سامنے سڑک کے اس پار پانی کا نلکا تھا۔ حسرتؔ پائینچے چڑھا کر بالٹیاں بھر بھر کے لاتے اور دن بھر کی ضرورت کے لیے گھڑوں میں پانی بھر لیتے۔ کوئی اس کام میں مدد کرنا چاہتا تو سختی سے انکار کر دیتے۔ آزادی کے بعد پارلیمنٹ کے ممبر ہوئے تو اجلاس میں شرکت کے لیے دہلی کے اسٹیشن پر تھرڈ کلاس کمپارٹمنٹ سے اس شان سے اُترتے کہ ایک تکیہ پھٹی ہوئی دری میں لپٹا، رسّی سے بندھا داہنی بغل میں ہے اور بائیں ہاتھ میں لوٹا۔ اسٹیشن سے نکل کے پا پیادہ نئی دہلی کی مسجد میں جا پہنچتے کہ یہی ان کی قیام گاہ تھی۔ جس غریب ممبر پارلیمنٹ کو بھتے کے نام پر ایک پیسا وصول نہ کرنا ہو، وہ یہ نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔

حسرتؔ شاعر تھے، حسن پرست تھے اور اخلاص کے پیکر۔ جس سے ایک بار ملاقات ہو گئی، اسے ہمیشہ محبت سے یاد کیا۔ وہ ایک زندہ دل عاشق مزاج انسان تھے مگر یہ سب عہدِ شباب کی باتیں ہیں۔ انھوں نے جسے ٹوٹ کر چاہا، وہ تھیں ان کی بیگم نشاط النساء۔ کہا کرتے تھے کہ زلیخا، کملا اور نشاط نہ ہوتیں تو ابوالکلام، جواہر لال اور حسرتؔ بھی نہ ہوتے۔

حسرتؔ کو اپنے وطن سے جو عشق تھا اور اس کی آزادی کے لیے ان کے دل میں جو بے پناہ تڑپ تھی، اس کی طرف کچھ اشارے اوپر کیے جا چکے ہیں۔ ملک کی خاطر جیل تو ہزاروں لوگ گئے لیکن وہاں لوگوں نے جس طرح کی زندگی گزاری، اس سے ہم ناواقف نہیں مثلاً جیل میں مولانا آزاد اور ان کے رفقا کے شب و روز کیا تھے، 'غبارِ خاطر' کے خطوط سے اس کا ہمیں علم ہو چکا ہے۔ اب سنیے حسرتؔ کا حال خود ان کی زبانی: جیل پہنچتے ہی ایک لنگوٹ، جانگیا، کرتا، ایک ٹوپی پہننے کے لیے، ٹاٹ کا ٹکڑا بچھانے کے لیے، ایک کمبل اوڑھنے کے لیے ملا۔ ایک قدح آہنی بڑا، ایک چھوٹا ضروریات کو رفع کرنے کے واسطے مرحمت ہوا۔ پھر مجھے الہ آباد جیل منتقل کیا گیا، جہاں قید کی ساری مدت روزانہ ایک من آٹا پیسنا پڑا۔ یہ شعر اسی زمانے کی یادگار ہے ؎

ہے مشقِ سخن جاری چکّی کی مشقت بھی
اک طُرفہ تماشا ہے حسرتؔ کی طبیعت بھی

حسرتؔ کا تعلق گرم دَل سے تھا۔ احباب کے لاکھ سمجھانے کے باوجود وہ حکومت سے شدید عداوت کا رویہ ترک نہ کر سکے اور ساری زندگی اس کا خمیازہ بھگتا۔ سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی اور جیل جانے کا وقت آیا تو گاندھی جی اور دوسرے رہنما چپ چاپ پولس کے ساتھ ہو لیے۔ حسرتؔ نے سنا تو حیران ہوئے کہ یہ کیا نافرمانی ہوئی۔ جب پولس انھیں گرفتار کرنے پہنچی تو دل میں

جیل جانے کی خواہش تھی مگر اظہارِ نافرمانی کے لیے زمین پر اوندھے لیٹ گئے کہ میں تو نہیں جاتا۔ مار پڑ رہی ہے مگر نہیں اُٹھتے۔ سپاہیوں نے گھسیٹا تو گھاس پکڑ لی۔ آخر بہ ہزار دِقت زبردستی لاری پر لاد کر لے جائے گئے۔ گاندھی جی اور ان کے فلسفۂ عدم تشدد کے وہ قائل نہ تھے۔ جب انھوں نے فوری اور مکمل آزادی کی تجویز پیش کی تو گاندھی جی اور دوسرے رہنماؤں نے سمجھایا کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا مگر وہ نہ مانے۔ حسرتؔ کی تجویز کے خلاف تقریر کرتے ہوئے گاندھی جی نے کہا تھا، "حسرتؔ صاحب ہمیں اس پانی میں لے جانا چاہتے ہیں جس کی گہرائی کا ہمیں اندازہ نہیں۔"

حسرتؔ بڑے بے باک اور بلا کے صاف گو تھے۔ دل کی بات زبان پر لانے میں انھیں کبھی تاَمّل نہ ہوتا تھا۔ اس میں کبھی کبھی ناگفتنی بات بھی زبان سے نکل جاتی تھی جس کا تاوان بہرحال انھیں بھگتنا پڑتا تھا لیکن یہ کہنا غلط ہوگا کہ حسرتؔ غور و فکر کے عادی نہ تھے یا ان میں تدبر کی کمی تھی۔ ان کے مزاج میں ایک طرح کی جلد بازی ضرور تھی۔ وہ ہر کام جلدی کرتے تھے۔ ان کا دماغ بھی اسی طرح تیز رفتاری سے سوچتا تھا اور جب وہ کسی نتیجے پر پہنچ جاتے تھے تو چونکہ مصلحت کا ان کے مزاج میں گزر نہ تھا، موقع محل دیکھے بغیر دل کی بات زبان پر لے آتے تھے ورنہ ان کی دور اندیشی اور فہم و فراست کے ثبوت میں بہت سی دلیلیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

مولانا حسرتؔ موہانی کو پہلی بارنئی دہلی کی ایک مسجد کے پاس اُلجھی ہوئی بے ہنگم ڈاڑھی، پچکی ہوئی ترکی ٹوپی، ٹوٹی ہوئی کمانی کی عینک، مَلگَجی دَلی شیروانی کے ساتھ ایک ہاتھ میں لوٹا اُٹھائے، دوسرے میں رسّی سے بندھا دری تکیہ سنبھالے پھٹی پھٹی باریک آواز میں بولتے دیکھا تو ایک عظیم الشان دیوار ڈھیتی ہوئی نظر آئی مگر جب ان کے حالاتِ زندگی اور کارناموں سے شناسائی حاصل ہوئی تو اسی شکستہ دیوار کے ملبے سے ایک مینارۂ نور بلند ہوتا دِکھائی دیا۔ ایسا بلند کہ آج تک تو اس کا ہمسر کوئی دوسرا مینار نظر آیا نہیں۔

معانی واشارات

فقر	–	تنگ دستی، مفلسی
استغنا	–	بے فکری، بے نیازی
پاداش	–	بدلہ، سزا، نتیجہ
مسوّدات	–	مسوّدہ کی جمع، قلمی تحریریں
سودیشی	–	اپنے ملک کی
جاں کاہ	–	جان کو تکلیف دینے والا
برگ و بار لانا	–	نتیجہ سامنے آنا
فہم و فراست	–	سمجھ داری، عقل مندی
بے بہرہ	–	محروم
سرافرازی	–	عزّت
آزادیِ کامل	–	مکمل آزادی
سبجیکٹ کمیٹی	–	موضوع طے کرنے والی کمیٹی
والنٹیئر	–	رضا کار
قرارداد	–	ریزولوشن، تجویز
غیبی گولہ	–	مراد اچانک نازل ہونے والی مصیبت
ہاتھ تنگ ہونا	–	مفلس ہونا
از رہِ انکسار	–	عاجزی کے ساتھ
منتظمین	–	منتظم کی جمع، انتظام کرنے والے
ٹی اے بل	–	سفر خرچ کا بل
میزان	–	کل جمع
بلا تامّل	–	ہچکچاہٹ کے بغیر
قصہ پاک ہونا	–	مسئلہ/ معاملہ ختم ہونا
بائیکاٹ کرنا	–	مخالفت کرنا
ہراساں ہونا	–	پریشان ہونا، خوف زدہ ہونا

اخلاص کے پیکر - سراپا خلوص

قدحِ آہنی - لوہے کا پیالہ

مرحمت - عنایت

طُرفہ تماشا - عجب تماشا

گرم دَل - انتہا پسند گروہ

فلسفۂ عدم تشدد - امن و آشتی کا نظریہ، اہنسا واد

ناگفتنی بات - وہ بات جو کہنے کے لائق نہ ہو

تاوان - جرمانہ، سزا

مَلی دَلی - بوسیدہ، شکن آلود

بہ ہزار دِقت - بڑی مشکل سے

مینارۂ نور - روشنی کا مینار

مشقی سرگرمیاں

٭ سبق کا بغور مطالعہ کیجیے اور دی گئی سرگرمیوں کو ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ تحریک آزادی سے وابستہ ہونے کے بعد مولانا کی زندگی کے دو اہم واقعات لکھیے۔

۲۔ رسالے 'اُردوئے معلیٰ' کے بند ہونے کی وجہ لکھیے۔

۳۔ 'سودیشی تحریک' کو اپنے لفظوں میں مختصراً بیان کیجیے۔

۴۔ بیگم حسرتؔ موہانی کے کسی کی مدد نہ لینے کی وجہ بیان کیجیے۔

۵۔ حسرتؔ موہانی کی وہ تجویز تحریر کیجیے جس کی حمایت میں بڑے بڑے لیڈروں نے آواز نہ ملائی۔

۶۔ حسرتؔ موہانی کے مشاعرہ کمیٹی سے سفر خرچ نہ لینے کی وجہ بیان کیجیے۔

۷۔ شیروانی سلوانے کے لیے درزی سے چھٹکارے کا واقعہ لکھیے۔

۸۔ سبق سے ان لوگوں کے ناموں کی فہرست بنائیے جنھیں تحریکِ آزادی کے دوران قید کیا گیا تھا۔

۹۔ حسرتؔ موہانی کا وہ قول نقل کیجیے جس سے عورتوں کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۰۔ حسرتؔ موہانی کی چار اہم خوبیاں تحریر کیجیے۔

۱۱۔ جیل میں تحریکِ آزادی کے قیدیوں کو ملنے والے سامان کی تفصیل لکھیے۔

۱۲۔ حسرتؔ موہانی کی شخصیت کا سب سے اہم پہلو بیان کیجیے۔

٭ سبق کی مدد سے مولانا حسرتؔ موہانی کا خاکہ لکھیے۔

٭ تحریکِ سول نافرمانی میں مولانا کی گرفتاری کے منظر کو بیان کیجیے۔

٭ ذیل کے جملے کے حوالے سے رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

"حسرتؔ صاحب ہمیں اُس پانی میں لے جانا چاہتے ہیں جس کی گہرائی کا ہمیں اندازہ نہیں۔"

کہنے والا :

جن سے کہا گیا :

مقام :

وجہ :

٭ جان پہچان کی مدد سے شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

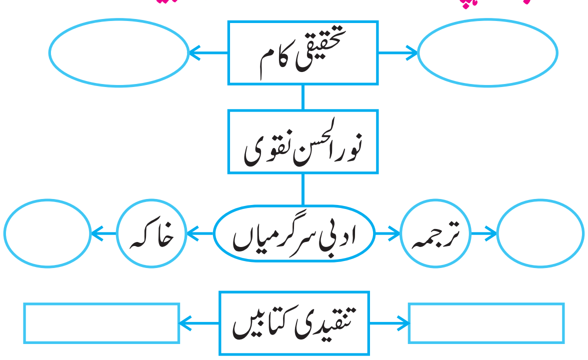

٭ "تحریکِ آزادی کا درخت" برگ و بار لایا تو اس کی فصل کا لوگوں میں بٹوارا ہوا۔ اس جملے کی تشریح کیجیے۔

٭ پہلی بار پارلیمنٹ کے اجلاس میں جاتے وقت مولانا کا حلیہ اپنے لفظوں میں لکھیے۔

* سبق میں ہندی اور انگریزی کے کچھ الفاظ آئے ہیں۔ انھیں تلاش کرکے جدولی تقسیم میں لکھیے۔

ہندی الفاظ			
انگریزی الفاظ			

* 'لا زوال' مرکب لفظ ہے۔ سابقہ 'لا' کی مدد سے چار نئے الفاظ بنائیے۔
* ذیل کے الفاظ پر مناسب اعراب لگا کر دو مختلف معنی والے الفاظ بنائیے۔

(i) دھن (ii) ملک

(iii) دل (iv) صرف

* جملے کی قسم پہچانیے۔

ا۔ اس جرم میں تین بار کالج سے نکالے گئے۔

۲۔ دیش آزاد ہوا اور تم پردھان منتری بنائے گئے تو کیا تنخواہ لوگے؟

۳۔ جواہر لال ! تم اس ننگے بھوکے دیش سے سو روپے تنخواہ لوگے۔ سو روپے!

* "شکستہ دیوار کے ملبے سے ایک مینارۂ نور بلند ہوتا دِکھائی دیا۔" اس جملے کی استحسانی وضاحت کیجیے۔
* ہدایت کے مطابق عمل کیجیے۔

ا۔ سبق سے واوِ عطف والی ترکیبیں تلاش کرکے لکھیے۔

۲۔ سبق سے زیرِ اضافت والی ترکیبیں تلاش کرکے لکھیے۔

* "جو شخص درویشانہ زندگی بسر کرتا ہو، اسے روپے پیسے کی ضرورت بھی کیا۔" مولانا حسرت موہانی کی شخصیت کی روشنی میں اس جملے کا استحسان اس طرح کیجیے کہ جملے کا مطلب واضح ہوجائے۔
* جملے کو خط کشیدہ کرکے اضافی ترکیب کے اجزا مضاف، مضاف الیہ اور حروفِ اضافت لکھیے۔

ا۔ کانگریس کا تاریخی جلسہ تھا۔

۲۔ غبارِ خاطر کے خطوط سے ہمیں علم ہو چکا ہے۔

۳۔ بیوی کی سمجھ میں بات آ گئی۔

* دیے گئے حرفی نمبروں کے مطابق ذیل کے نمبروں کی ترتیب میں سے اس ترتیب کو نقل کر کے ترتیب پانے والا لفظ لکھیے۔ (دائیں سے بائیں)

ا۔ بے فکری / بے نیازی کے مفہوم والا لفظ ترتیب پاتا ہے۔

حروف کے نمبر : ا ا ت س غ ن

5 4 3 2 11

نمبروں کی ترتیب : (i) 154231

(ii) 123451 (iii) 114352

۲۔ سبق کی ایک اہم شخصیت کے نام کا حصہ ترتیب پاتا ہے۔

حروف کے نمبر : ا م ن و ہ ی

6 54 3 2 1

نمبروں کی ترتیب : (i) 123456

(ii) 631542 (iii) 231654

اضافی معلومات

نرم دَل - گرم دَل

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو جب انگریزوں نے نہایت بے دردی کے ساتھ کچل دیا اور ہزاروں محبانِ آزادی کو پھانسی پر چڑھا دیا تو یہاں عوام الناس کے دلوں میں خوف کی لہر دوڑ گئی اور انگریزی حکومت کے خلاف نفرت کا جذبہ پروان چڑھنے لگا۔ انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے دو محاذ قائم ہوگئے۔ ایک گروہ میں بال گنگا دھر تلک، بپن چندر پال اور لالہ لاجپت رائے شامل تھے۔ ان لوگوں نے آزادی کی خاطر پولس کی لاٹھیاں کھائیں۔ آزادی کے ان متوالوں کے گروہ کو 'گرم دَل' کہا جاتا ہے۔ حسرتؔ موہانی اس دَل کے سب سے زیادہ فعال رکن تھے۔ انھوں نے سول نافرمانی میں عملاً حصہ لیا اور جیل گئے۔ جیل میں انھیں چکّی پینے کی سزا دی گئی۔ جیل میں وہ روزانہ ایک من آٹا پیسا کرتے تھے۔ آزادی چاہنے والوں کا دوسرا محاذ عدم تشدد کا قائل تھا۔ وہ امن و آشتی کے ذریعے انگریزوں سے آزادی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مہاتما گاندھی اور ان کے رفقا اس تحریک سے جڑے ہوئے تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد اور سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان ان میں اہم نام ہیں۔ اس گروہ کو 'نرم دَل' کہا جاتا ہے۔

۶۔ اُردو مراٹھی کے ثقافتی رشتے

ELKFRQ

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط

پہلی بات : انسان زبان کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ زبانیں وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی ہیں۔ کسی علاقے میں بولی جانے والی زبان جب اپنے آس پاس موجود دوسری زبانوں کے تعلق میں آتی ہے تو فطری طور پر ان کا اثر بھی قبول کرتی ہے۔ ایک زبان کے الفاظ جب دوسری زبان میں شامل ہوتے ہیں تو وہ مزید ترقی یافتہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اُردو زبان نے بھی کئی زبانوں کے اثرات قبول کیے ہیں۔
ادب سماج کا آئینہ ہے۔ سماج میں جو بھی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، ان کے اثرات ادب پر پڑتے ہیں۔ سماجی اقدار، رسومات، رواج اور تہذیبی و تمدنی روایات سے ادب موضوعات اخذ کرتا ہے اور انھیں سماج میں پیش کرتا ہے۔ سماج میں نشوونما پانے کے دوران بعض مرتبہ کسی زبان کا ادب دوسری زبان کے ادب کو متاثر کرتا اور دوسری زبان کی ادبی روایتوں کو بھی قبول کرتا ہے۔ اُردو کے اثرات کی وجہ سے مراٹھی میں جس طرح غزل کو فروغ حاصل ہوا اسی طرح مراٹھی کے اثرات کی وجہ سے اُردو میں کئی مراٹھی اصناف کو قبول کیا گیا۔ درج ذیل سبق میں اُردو مراٹھی کے باہمی ثقافتی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

جان پہچان : موجودہ عہد کے ممتاز محقق، شاعر، ادیب اور ماہرِ تعلیم ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط یکم جنوری ۱۹۵۰ء کو کل گاؤں، ضلع ایوت محل میں پیدا ہوئے۔ اکتالیس سال درس و تدریس کے پیشے سے وابستگی کے بعد ۲۰۰۷ء میں وہ بحیثیت ہیڈ ماسٹر ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ آپ کو تحقیق و تنقید سے بھی گہری دلچسپی ہے۔ تقدیسی ادب اور حمد یہ و مناجاتی شاعری کے اوّلین، باضابطہ محقق و ناقد کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ 'اُردو میں حمد و مناجات، اسطوری فکر و فلسفہ، اُردو مراٹھی کے تہذیبی رشتے' آپ کی قابلِ ذکر تصانیف ہیں۔ ادبی خدمات کے اعتراف میں آپ کو سیتو مادھوراؤ پگڑی ایوارڈ، مولانا قاضی سجاد حسین ایوارڈ اور حفیظ میرٹھی ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔

مہاراشٹر میں مسلمانوں کی بود و باش اور تہذیب و تمدن کے آثار آٹھویں صدی عیسوی سے پائے جاتے ہیں۔ عرب تاجر مسعودی اور یاقوت کی کتابوں میں چول اور تھانہ میں مسلم بستیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ وَلبھ رائے گووندسوم (۸۱۴-۹۳ء۷ء) اور اموگھ ورش (۷۸۷ء-۸۱۴ء) کے دورِ حکومت میں تو مسلمانوں میں شرعی اُمور کی پاسداری کے لیے مسلمان ناظم مقرر کیا جاتا تھا جسے مقامی زبان میں 'ہُنرمن' کہتے تھے۔ یہ غیر مسلم بادشاہ مسلمان مجرموں کو شریعت کے مطابق سزا دیا کرتے تھے اور ہنرمن کے انصاف پر تکیہ کیا جاتا تھا۔

اتحاد و اتفاق کی بدولت یہاں کی ہندو مسلم ثقافت ایک دوسرے سے متاثر ہوتی رہی اور ایک دوسرے کو متاثر کرتی رہی، اس پر مستزاد یہاں کی روحانی تعلیم جس کے سوتے صوفی سنتوں کی خانقاہوں سے پھوٹے۔ انھوں نے ظاہری رنگ ڈھنگ کو اُجالنے کی بجائے باطن کو مجلّٰی کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ظاہری اعتبار سے تو آدمی کا مذہب الگ الگ ہوسکتا ہے، باطن میں البتہ اس کی روح ایک ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں خانقاہوں میں ہندوؤں کے گرو اور مٹھوں میں مسلمانوں کے مرشد آپس میں ہم رشتہ دکھائی دینے لگے تھے۔ غرض کہ مہاراشٹر میں خسروانہ جاہ و جلال اور درویشانہ فقر و حال کے مابین یگانگت اور بھائی چارے کی نشوونما ہوتی رہی اور اس سازگار ماحول میں ہندو مسلمان ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے کے عقیدوں کا احترام کرنے لگے تھے۔ سماجی دوریاں ختم ہونے

لگی تھیں اور ثقافتی رشتے مضبوط ہونے لگے تھے۔ ایسے حالات میں زبانوں کے اشتراک اور بلاتفریق استعمال نے ان کے ادب پر بھی اثر ڈالا۔ چنانچہ مراٹھی کے صوفی شاعر شیخ محمد کا یہ شعر زبانوں کی ثقافتی یکجہتی کی عمدہ مثال پیش کرتا ہے۔

دونوں انکھیاں کا ایکچی دیکھنا

دُئی بھاشی ورنیلا ایکچی جانا

दोनों अंखियाँ का एकची देखना

दुई भाषी वरनेला एकची जाना

یعنی جس طرح دونوں آنکھوں سے ہم ایک ہی چیز دیکھ سکتے ہیں، اسی طرح دو زبانوں میں ایک ہی مضمون بیان ہوسکتا ہے۔ شیخ محمد نے اپنی بعض مراٹھی نظموں میں ایک مصرع مراٹھی کا تو دوسرا اُردو کا لکھا ہے۔ اس طرح کی شعری صنعت کو تلمیع کہتے ہیں۔ اس دور میں اُردو اور مراٹھی زبان و ادب کو قریب لانے کی یہ کوشش قابلِ تعریف کہی جاسکتی ہے۔ یہی روایت ہمیں مراٹھی سنت شاعر ایکناتھ مہاراج کی مراٹھی نظم 'ہندو-ترک سنواد' میں بھی دِکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے رسولِ اکرمؐ کی ایک نعت بھی لکھی ہے جو غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام کا اوّلین نمونہ ہے۔ اس طرح نفرت کی بیخ کنی کرنے اور تمام نوعِ انسانی میں بھائی چارہ اور محبت پیدا کرنے کے لیے مراٹھی کے ان سنت شاعروں نے دھرم، ذات پات اور زبان کے امتیاز وتفوق سے ہٹ کر انسانی فلاح کا رشتہ ہموار کیا۔

باہمی رفاقتوں کا یہ سلسلہ اُردو میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ سترہویں صدی کے معروف بزرگ سیّد امین نے 'مجذوب السالکین' لکھی تھی۔ اس کتاب کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا، ''میں چاہتا ہوں کہ مذکور کروں صوفیائے ہر دو قوم کا بیچ دکھنی زبان کے۔ میرے جیو میں آیا کہ مسلمانی ہور ہندوی مذہبی لفظاں جمع کر کر واسطے صوفیان ہر دو قوم کے ایک رسالہ بناؤں۔'' سیّد امین نے اس کتاب میں مراٹھی محاوروں اور کہاوتوں کا بڑی خوب صورتی سے استعمال کیا ہے۔ شیوا جی مہاراج کے دور کے مشہور سنت رام داس سوامی کے شاگردوں میں شاہ تراب چشتی کا بھی نام لیا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنے استاد کی مشہور مراٹھی کتاب 'مناچے شلوک' سے متاثر ہوکر دکھنی زبان میں 'من سمجھاون' لکھی تھی۔ ان دونوں کتابوں کی خوبی یہ ہے کہ ان کی بحر ایک ہی ہے اور بعض مضامین میں بھی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یہ کتابیں آدمی کی اندرونی اصلاح اور سماجی فلاح کے لیے لکھی گئی تھیں۔ اس طرح ہندو اور مسلمان شعرا کی یہ ساری کوششیں اُردو اور مراٹھی کے ادبی روابط کو مضبوط کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل رہی ہیں۔

عربی، فارسی اور اُردو میں مرثیے کو وقار حاصل ہے۔ یہ ایک ادبی شعری صنف ہے جسے مراٹھی میں 'روایتی' کہا جانے لگا۔ فرق اتنا تھا کہ 'روایتی' نوحہ اور بین کے قبیل کی صنف بن کر مراٹھی میں گائی جانے لگی۔ اس کے برعکس 'بھارُوڑ' خالص مراٹھی صنف رہی ہے۔ اس میں رمز یہ حقیقت کو آشکار کیا جاتا ہے۔ اُردو میں خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ نے اپنا رسالہ 'شکارنامہ' اسی اسلوب میں لکھا ہے۔ مراٹھی میں ایکناتھ کے بھاروڑ بہت مشہور ہیں۔

اُردو مراٹھی کے یہ ادبی دھارے آگے بڑھ کر مہاراشٹر کی ثقافت کو بھی اپنے میں سمو لیتے ہیں۔ یہاں کی ثقافت میں 'پھگڑی' کے کھیل کو مذہبی تقدس حاصل ہے۔ ناگ پنچمی کے تہوار پر عورتیں پُھگڑی کھیلتی ہیں۔ اس کھیل میں دو عورتیں ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر گول گھومتی ہیں۔ گھومتے وقت زمین پر پاؤں کا جماؤ اور پشت کی جانب جسم کا پورا جھکاؤ ہوتا ہے اس لیے ایک دوسرے کے ہاتھوں

کو مضبوطی سے پکڑا جاتا ہے۔ پوری قوت سے گھومنے کی وجہ سے سانس پھولنے لگتی ہے اور ہوٗ ہوٗ کی آواز منہ سے نکلتی ہے۔ پھگڑی کے کھیل کے ان نکات کو ذہن میں رکھ کر اُردو میں بعض 'پھگڑی نامے' لکھے گئے ہیں۔ ایک قدیم دکنی شاعر فرؔید کے 'پھگڑی نامے' میں 'ذکر دَم' کی تعلیم دی گئی ہے۔ چشتی سلسلے کے صوفیوں میں 'ذکر دم' کی بڑی اہمیت ہے۔ سانس اندر لیتے وقت 'اللہ' اور خارج کرتے وقت 'ہوٗ' کا ورد اس میں کیا جاتا ہے۔ بعض صوفیا دونوں جگہ 'اللہ، اللہ' کے ورد کو روا رکھتے ہیں تو بعض صرف 'ہو، ہوٗ' پر اکتفا کرتے ہیں۔ فرؔید نے اپنے پھگڑی نامے میں اسی ذکر کا ریاض کرایا ہے۔

فقیر اللہ شاہ نے البتہ اپنے پھگڑی نامے میں کہا ہے کہ جس طرح پھگڑی کے کھیل میں ہاتھوں کے چھوٹ جانے اور پیروں کے ڈگمگا جانے سے دور پھینکے جانے کا خدشہ رہتا ہے، اسی طرح صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے نفس اور شیطان کے وسوسوں سے پاؤں ڈگمگا جائیں اور اللہ کی رسّی ہاتھ سے چھوٹ جائے تو دوزخ کے عمیق گڑھے میں گر جاؤ گے۔

مراٹھی لوک ادب میں 'زاتے گیت' یعنی چکی پر گائے جانے والے گیتوں کی روایت رہی ہے۔ عورتیں بالعموم صبح کے وقت پتھر کی چکی پر اناج پیسا کرتی تھیں۔ چکی پیستے وقت تکان دور کرنے کے لیے عورتیں گیت بھی گاتیں۔ یہ لوک گیت مراٹھی شاعری کا ایک حصہ بن گئے ہیں۔ اُردو میں تعلیمِ نسواں کے لیے ہمارے صوفیائے کرام نے اسی قبیل کے گیت 'چکی نامے' کے عنوان سے لکھے ہیں۔ ان میں ایک 'چکی نامہ' خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ سے منسوب ہے۔ اس گیت میں کہا گیا ہے کہ "تن کی چکی کو شریعت کی کیل پر ایمان کے دستے کے سہارے اتنا گھماؤ کہ سوتن (شیطان) تھک جائے۔"

اس سے پتا چلتا ہے کہ عورتوں کے مزاج اور ان کی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر ہی اس طرح کے چکی نامے لکھے گئے ہیں۔ میراں جی اور فاروقی دکنی کے چکی نامے بھی اُردو کے لوک ادب میں شمار ہو سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ تربیتِ نسواں کے لیے جس طرح مراٹھی میں 'پالنے گیت'، 'بھوپالی' وغیرہ لکھے گئے، اُردو میں 'لوری نامے'، 'جھولنا نامے'، 'سہاگن نامے' جیسی نظمیں عورتوں کی اصلاح کے لیے لکھی گئی ہیں۔ اُردو میں اس ادبی ثقافت کو مراٹھی کی تقلید کہا جا سکتا ہے۔ ان منظومات میں اگرچہ ادبیت کی کمی ہے لیکن عوامی ادب میں ان کا مقام مسلّم ہے۔

معانی و اشارات

پاسداری	-	بجا آوری، لحاظ
تکیہ کرنا	-	بھروسا کرنا
مستزاد	-	زائد
خانقاہ	-	صوفیوں کی تعلیم گاہ
باطن	-	اندرون
مجلّیٰ کرنا	-	روشن کرنا
خسروانہ	-	شاہانہ
جاہ و جلال	-	شان و شوکت
فقر و حال	-	غربت، افلاس
اشتراک	-	میل جول، شراکت داری
اِیکچی	-	ایک ہی
تُرک	-	مراد مسلمان
دُئی	-	دو
بھاشی	-	زبان
ورنیلا	-	بیان کیا گیا
جانا	-	جانیے

بیخ کنی کرنا – ختم کرنا، جڑ سے اُکھاڑنا
تفوق – برتری
جیو – جی
لفظاں – دکھنی میں 'لفظ' کی جمع
رسالہ – چھوٹی کتاب، کتابچہ
خدشہ – ڈر، خوف

عمیق – نہایت گہرا
پالنے گیت – لوری نامہ
بھوپالی – بچوں کو صبح نیند سے جگانے کے لیے گایا جانے والا گیت
مسلّم – تسلیم کیا ہوا

مشقی سرگرمیاں

سبق کا بغور مطالعہ کیجیے اور سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

٭ ذیل کے بیانات میں سے صحیح بیانات کو نقل کیجیے۔

۱۔ یہ غیر مسلم بادشاہ تمام مجرموں کو شریعت کے مطابق سزا دیتے تھے۔
۲۔ صوفی سنتوں نے ظاہری رنگ ڈھنگ کو روشن کرنے کی سعی کی۔
۳۔ سازگار ماحول میں ہندو، مسلمان ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے کے عقیدوں کا احترام کرنے لگے تھے۔
۴۔ شعر کا ایک مصرع مراٹھی اور دوسرا مصرع اُردو کا ہو تو اسے صنعتِ تلمیع کا شعر کہا جاتا ہے۔
۵۔ سنت تکارام مہاراج نے آپؐ کی عقیدت میں ایک نعت لکھی تھی۔

٭ ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ مہاراشٹر میں مسلمانوں کی بود و باش کے زمانے کا تعین کیجیے۔
۲۔ صوفیوں اور سنتوں کی روحانی درس گاہوں کے نام لکھیے۔
۳۔ جس صنف میں 'ذکر دم' کا تذکرہ ہے اُس کا نام لکھیے۔
۴۔ سبق میں مذکور چار صوفیوں کے نام لکھیے۔
۵۔ ولبھ رائے گووند کے دورِ حکومت کے پس منظر میں 'ہنر من' کی حقیقت بیان کیجیے۔
۶۔ صوفی سنتوں کے لیے استعمال کیے جانے والے دوسرے الفاظ لکھیے۔
۷۔ صوفی شاعر شیخ محمد کے شعر کا مطلب بیان کیجیے۔
۸۔ مصنف کے مطابق صنعتِ تلمیع کے استعمال کا سبب لکھیے۔
۹۔ سنت رام داس سوامی اور شاہ تراب چشتی کی کتابوں میں یکسانیت کو اُجاگر کیجیے۔
۱۰۔ مراٹھی شاعری کی دو اصناف کے نام لکھیے۔
۱۱۔ مراٹھی زبان کے اوّلین نعت گو شاعر کا نام لکھیے۔
۱۲۔ 'چکّی نامے' کے لیے مراٹھی اصطلاح لکھیے۔
۱۳۔ اس مذہبی خیال کو بیان کیجیے جس کی عملی تعبیر پھگڑی کا کھیل ہے۔

٭ گروہ 'الف' میں مصنّفین کے نام دیے ہوئے ہیں اور گروہ 'ب' میں کتابوں کے نام ہیں۔ مناسب جوڑیاں لگائیے۔

مصنّفین	کتابیں
سیّد امین	اسطوری فکر و فلسفہ
سنت رام داس سوامی	مناچے شلوک
شاہ تراب چشتی	شکار نامہ
خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ	مجذوب السالکین
	من سمجھاون

٭ جدولی خاکہ مکمل کیجیے۔

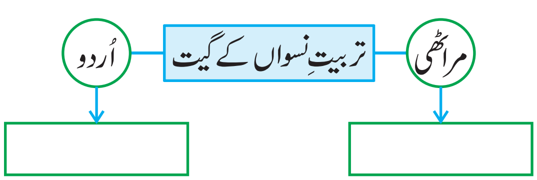

٭ سبق سے محاورے تلاش کر کے لکھیے۔

٭ ذیل کے لفظوں کے ہم معنی لفظ سبق سے تلاش کر کے لکھیے۔

رہائش ، مذہبی عبادات وتعزیرات ، زائد ، کمی ہونا یا نہ ہونا ، حقی لگانا ، پیر

٭ خالی چوکون مکمل کیجیے۔

۱۔ مسلمان ناظم	
۲۔ مراٹھی صوفی شاعر	
۳۔ مراٹھی سنت شاعر	
۴۔ مرثیہ مراٹھی ادب میں	
۵۔ رمزیہ نظمیں	
۶۔ ناگ پنچمی کا کھیل	
۷۔ پھگڑی نامے کی تعلیم	
۸۔ چکّی پر گائے جانے والے گیت	

٭ ہندوستانی تہذیب وثقافت اور صوفی سنتوں کی تعلیم کی روشنی میں درج ذیل بیانات کا استحسان کیجیے۔

۱۔ اتحاد و اتفاق کی بدولت یہاں کی ہندو مسلم ثقافت ایک دوسرے سے متاثر ہوتی رہی۔ اس پر مستزاد یہاں کی روحانی تعلیم جس کے سوتے صوفی سنتوں کی خانقاہوں سے پھوٹے۔ انھوں نے ظاہری رنگ ڈھنگ کو اُجالنے کی بجائے باطن کو مجلّی کیا۔

۲۔ جس طرح پھگڑی کے کھیل میں ہاتھوں کے چھوٹ جانے اور پیروں کے ڈگمگا جانے سے دور پھینکے جانے کا خدشہ رہتا ہے، اسی طرح صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے نفس اور شیطان کے وسوسوں سے پاؤں ڈگمگا جائیں اور اللہ کی رسّی ہاتھ سے چھوٹ جائے تو دوزخ کے عمیق گڑھے میں گر جاؤ گے۔

٭ ذیل میں کہانی / واقعے کے آغاز کی ابتدائی سطریں دی ہوئی ہیں۔اس کی مدد سے کہانی / واقعے کو مکمل کیجیے۔

قومی شاہراہ پر حسبِ معمول چھوٹی بڑی گاڑیوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ اچانک پانچ سات لڑکوں کا قافلہ تیز رفتار بائیک پر شور کرتا ہوا آ پہنچا۔ اسی وقت فضا میں چیخ اُبھری ....

اضافی معلومات — **اُردو کا عوامی ادب**

عام طور پر عوامی ادب تحریری شکل میں نہیں ہوتا بلکہ سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے۔ عوامی ادب، لوک گیت، لوک ناچ اور لوک ناٹک کسی نہ کسی صورت میں دنیا بھر کی انسانی تہذیبوں میں ضرور پائے جاتے ہیں۔ عوامی ادب کا معیار عوامی سطح کا ہوتا ہے۔ اسے معیاری ادب کے اُصولوں پر پرکھا نہیں جاتا۔ عوامی ادب میں مصنوعیت بالکل نہیں ہوتی بلکہ ذہن میں اُٹھنے والے خیالات اور دِلی جذبات فطری طور پر بیان کردیے جاتے ہیں۔ یہ ادب اصلاحی اور تفریحی قسم کا ہوتا ہے۔

مہاراشٹر کی صوبائی زبان مراٹھی میں عوامی ادب کی روایت نہایت مستحکم ہے۔ یہاں کے سنتوں نے لوک گیتوں کا سہارا لے کر عوام الناس کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے عورتوں کی اصلاح کے لیے زاتے گیت، پالنے گیت، بھوپالی، پھگڑی گیت وغیرہ نسوانی نفسیات کو سامنے رکھ کر لکھے ہیں۔ صوفیائے کرام نے بھی اُردو میں ایسے عوامی گیت لکھے ہیں۔ ان میں چکی پر گائے جانے والے گیت 'چکی نامے'، بچوں کو جھولے میں سُلانے کے لیے گائے جانے والے گیت 'لوری نامے'، چرخہ کاتتے وقت گائے جانے والے گیت 'چرخی نامے' کہلاتے ہیں۔ صوفیوں نے ان گیتوں میں عوامی بولی اور عوامی رہن سہن کو شامل کرنے کے جتن کیے ہیں۔ اُردو میں ڈھول کے گیت اور شادی کے موقع پر گائے جانے والے گیت اسی قبیل کے ہیں۔

درج ذیل ویب سائٹس کا مشاہدہ کیجیے۔

www.urdughar.com
www.urdurisala.com
www.urduacademyonline.com
www.urduseek.com

عملی قواعد

مرکب جملہ

☆ تحریکِ آزادی کا درخت برگ و بار لایا / تو / اس کی فصل کا لوگوں میں بٹوارا ہوا۔

☆ سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں / کہ / الٰہ آباد میں کانگریس کا ایک جلسہ تھا۔

☆ انھوں نے کسی درزی سے شیروانی کی تراش سیکھ لی / اور / درزی کا قصہ ہی پاک ہوگیا۔

اوپر کی مثالوں کے جملے دو دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ان میں الفاظ 'تو، کہ، اور' ترچھے خطوط کے درمیان لکھے گئے ہیں، اپنے سے پہلے اور بعد آنے والے حصوں کو جوڑتے ہیں۔ ایسے جملوں کا ہر حصہ 'آزاد فقرہ' کہلاتا ہے (اگر چہ یہ اپنی جگہ پورا جملہ بھی ہے) جب یہ آزاد فقرے حروفِ عطف (تو، مگر، کہ، اور وغیرہ) سے جوڑے جاتے ہیں تو ان سے مرکب جملہ بنتا ہے۔ آزاد فقروں کو جوڑ کر مرکب جملہ بنانے کے لیے 'پھر، ورنہ، لیکن' وغیرہ کا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

٭ نیچے دیے ہوئے جملوں کو قوسین میں دیے ہوئے لفظوں سے جوڑ کر مرکب جملے بنائیے۔

۱۔ دعوت کا وقت آیا .... مہمان کے لیے ڈیوڑھی میں چٹائی بچھا دی۔
(تو ، اور ، پھر)

۲۔ تکیہ داہنی بغل میں ہے .... بائیں ہاتھ میں لوٹا ہے۔
(لیکن ، اور ، کہ)

۳۔ وہ ایک زندہ دل انسان تھے .... یہ سب عہد شباب کی باتیں ہیں۔
(پھر ، مگر ، تو)

۴۔ جیل تو ہزاروں لوگ گئے .... ان کی زندگی سے ہم ناواقف ہیں۔
(اور ، لیکن ، کہ)

۵۔ وہ غور و فکر کے عادی نہ تھے .... ان میں تدبر کی کمی تھی۔
(مگر ، یا ، اور)

محوِ حیرت ہوں...

آپ نے کبھی سوچا ہے کہ آپ اپنے کسی فرانسیسی دوست سے موبائل فون پر اُردو میں بات کریں اور وہ اسے فرانسیسی میں سنے یا کوئی عرب عربی میں بات کرے اور اسے آپ اُردو میں سنیں۔

اب یہ ممکن ہے! اس کے لیے آپ کو ایک خاص قسم کے ہیڈ فون کا استعمال کرنا ہوگا جسے انٹرنیٹ کے سب سے بڑے سرچ انجن گوگل نے متعارف کرایا ہے۔ یہ چالیس زبانوں میں ترجمہ کرنے والا ہیڈ فون ہے۔ یہ پکسل بٹ (pixel bit) اور مصنوعی ذہانت (artificial intelligence) کے استعمال کی بدولت ایک زبان کو دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کی خصوصیت رکھتا ہے۔ ایسا ہیڈ فون استعمال کر کے ہم کسی بھی غیر زبان کو موبائل پر آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ یہ صرف ترجمے کی حد تک محدود نہیں، اگر ہم کسی کو فون کرنا چاہیں تو موبائل ہاتھ میں پکڑنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی؛ ہیڈ فون کے مائک میں ہدایت دیں اور وہ فون پر رابطہ قائم کر دے گا۔ ہے نا دلچسپ بات!

اضافی معلومات

شجر کاری

درختوں اور جنگلات کی اندھا دھند کٹائی نے ماحول کا توازن بری طرح بگاڑ دیا ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف انسان بلکہ نباتات اور حیوانات کے لیے بھی کئی مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ اس وقت دنیا کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ گلوبل وارمنگ کا ہے۔ اس شدید بحران نے دنیا کے ہر ملک کو پریشان کر رکھا ہے اور آئے دن اس کے سدباب کے لیے جلسے منعقد ہو رہے ہیں۔ اس خطرے سے نمٹنے کے لیے ہم ہر سال شجر کاری کرتے ہیں۔ گھروں، اسکولوں اور کھیتوں میں پودے لگاتے ہیں۔ ہماری مذہبی کتابوں میں بھی شجر کاری کی ترغیب ملتی ہے۔ ہمارے نبی حضرت محمدؐ نے شجر کاری کو سراہتے ہوئے اپنی اُمّت کو درخت لگانے کی ترغیب دی ہے۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا "کوئی بھی مسلمان جو ایک درخت کا پودا لگائے یا کھیت میں بیج بوئے پھر اس میں سے پرندہ یا جانور جو بھی کھاتے ہیں وہ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔" ایک روایت کا مفہوم ہے کہ جب کوئی کسان کھیتی کرتا ہے تو پودوں کا پتّا پتّا جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا ثواب کھیتی کرنے والے کو ملتا ہے۔

۷۔ مظفر حنفی سے ایک ملاقات

ادارہ

پہلی بات : عام طور پر ملازمت حاصل کرنے سے پہلے انٹرویو دینا ہوتا ہے۔ اس لفظ کے عام معنی آپسی گفتگو ہے۔ اس قسم کے انٹرویو کے ذریعے ادارے اور کمپنیاں قابل اشخاص کا انتخاب کرتی ہیں۔ ایسے انٹرویو میں ملازمت کے امیدوار شخص کی عام معلومات، اہلیت، ذہنی استعداد اور شخصیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

انٹرویو کی ایک اور قسم ہے جس کے ذریعے کسی اہم شخصیت کے کارناموں کا تعارف حاصل کرنے کے علاوہ اس کی شخصیت اور اندازِ فکر سے واقفیت حاصل کی جاتی ہے۔ اس کا تعلق ملازمت سے نہیں ہوتا۔ اس قسم کے انٹرویو سے ہمیں کسی شخص کے خیالات، ذہنی رجحانات اور شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انٹرنیٹ کی سہولت کے سبب انٹرویو کی کئی قسمیں وجود میں آئی ہیں۔ انٹرویو میں سماجی، سیاسی، ادبی، علمی اور دینی موضوعات پر گفتگو کی جاتی ہے۔ رسالے، ویڈیو کانفرنسنگ اور ٹیلی فون انٹرویو کے اہم ذرائع ہیں۔ بالمشافہ گفتگو کے علاوہ سوالنامے کے ذریعے بھی انٹرویو کیے جاتے ہیں۔

جان پہچان : محمد ابوالمظفر (مظفر حنفی) یکم اپریل ۱۹۳۶ء کو کھنڈوہ (مدھیہ پردیش) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اُردو میں ایم اے اور پی ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ایل ایل بی بھی کیا۔ مظفر حنفی شاؔد عارفی کے آخری شاگرد ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں ان کا تقرر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ اُردو میں ہوا۔ پھر ۱۹۸۹ء میں وہ کلکتہ یونیورسٹی میں 'اقبال چیئر' پروفیسر اور صدر شعبۂ اُردو مقرر ہوئے۔ وہ ۲۰۰۱ء میں وہاں سے سبکدوش ہو کر ادب کی تخلیق میں مصروف ہیں۔

اسّی سے زیادہ کتابوں کے مصنف، مرتب اور مترجم مظفر حنفی نے اُردو کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔ انھیں کئی اکیڈمیوں اور اداروں سے انعامات مل چکے ہیں۔ 'پانی کی زبان، تیکھی غزلیں، کھل جا سم سم، طلسمِ شخصیات، نقد ریزے، تنقیدی ابعاد، شاؔد عارفی: شخصیت اور فن' ان کی چند اہم کتابیں ہیں۔ ان کا انتقال ۱۰؍ اکتوبر ۲۰۲۰ء کو دہلی میں ہوا۔

ملاقاتی : اپنی زندگی کے ابتدائی حالات سے متعلق کچھ بتائیں۔

مظفر حنفی : میرا بچپن، لڑکپن اور جوانی سبھی غربت و اِفلاس اور سماجی بے انصافیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے گزرے ہیں۔ مختصراً عرض ہے کہ میرا پرائمری اور مڈل اسکول کا زمانہ انتہائی عُسرت میں بسر ہوا۔ والد صاحب کھنڈوہ میں پرائمری اسکول کے ٹیچر تھے۔ والدہ تین بیٹیوں اور ایک بیٹے کے ساتھ آبائی وطن ہسوہ (فتح پور) میں رہنے پر مُصر تھیں۔ کھنڈوہ سے دس روپے کا منی آرڈر ہر مہینے آتا تھا جس میں ہم پانچ نفر مہینے بھر تنگی ترشی میں بسر کرتے تھے۔ اس افلاس کے زمانے میں مڈل اسکول کے امتحان میں بورڈ کے پچیس ممتاز طلبہ کی فہرست میں میرا نام بھی تیسرے مقام پر تھا۔ اس دوران والد صاحب ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ میں ۱۹۵۲ء میں کانپور چلا گیا جہاں بہت تکلیفیں جھیل کر دو برس تک ملازمت کی تلاش میں بھٹکنے اور ناکام رہنے کے بعد بھوپال میں مڈل اسکول ٹیچر کی ملازمت ملی۔ تقرر دور دراز کے جنگلی اور دلدلی علاقے میں ہوا۔ متعصب اور تنگ نظر افسروں کی زیادتیوں کے خلاف احتجاجاً تین برس بعد میں نے استعفیٰ دے دیا۔ والدین کی خواہش کے مطابق میں نے دوبارہ ملازمت کی۔ پھر میری شادی ہوگئی۔ چودہ برس تک محکمۂ جنگلات

میں کلرک رہ کر ایم اے، ایل ایل بی اور پی ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔قلیل تنخواہ میں والدین اور بہنوں کی کفالت کے ساتھ اپنے بیوی بچوں کی پرورش کے لیے خاصے پاپڑ بیلنے پڑے۔

ملاقاتی : آپ نے رسائل کے لیے کب لکھنا شروع کیا؟ آپ کی ابتدائی تخلیقات کہاں شائع ہوئیں؟

مظفرحنفی : کہانیاں اور داستانیں پڑھنے کا میرا شوق لڑکپن ہی میں جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ تیرہ برس کی عمر میں عین امتحان کے زمانے میں والد مرحوم نے 'طلسمِ ہوش ربا' پڑھتے ہوئے مجھے پکڑ لیا۔ خاصی سرزنش کی اور یہ بھی کہا کہ ایسا ہی شوق ہے تو پڑھ لکھ کر اس لائق بنو کہ تمھاری تحریریں دوسرے پڑھیں۔ چنانچہ اسی وقت سے چل میرے خامے بسم اللہ ... دہلی سے بچوں کا رسالہ 'کھلونا' نیا نیا جاری ہوا تھا۔ بچوں کے لیے میرے تحریر کردہ لطیفے، کہانیاں، نظمیں اسی پرچے میں چھپیں۔ پھر 'پھلواری' (دہلی)، 'ٹافی، کلیاں' (لکھنؤ)، 'دوست' (کراچی) اور ہند و پاک کے دوسرے بچوں کے رسالوں کے لیے میں نے خوب خوب لکھا۔ مقامِ شکر ہے کہ حکومتِ ہند کی مطبوعہ درسی کتابوں سے لے کر دیگر کئی ریاستوں کی درسی کتابوں میں میری تخلیقات شامل ہیں۔ میں اب بھی بچوں کے لیے نظمیں وغیرہ لکھتا رہتا ہوں۔

ملاقاتی : بچوں کے ادب میں کون سی خصوصیات ضروری ہیں؟

مظفرحنفی : ہم اپنے بچوں کو جادوگروں، پریوں اور آسیبوں کی کہانیاں بہت سنا چکے، آج کے بچوں میں بھی کچھ یقیناً ایسے ہوں گے جنھیں جادوئی کہانیاں پسند ہوں گی۔ ہندوستان کی تقریباً ہر زبان میں ایسی تخلیقات پہلے ہی سے موجود ہیں۔ آج بچوں کا ادب تخلیق کرنے والوں کو اپنے موضوعات اپنے آس پاس کی زندگی کے مختلف گوشوں سے منتخب کرنے ہوں گے جن میں میرے بیان کردہ مسائل یا ان سے ملتے جلتے ہزاروں دوسرے مسائل شامل ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ موجودہ ہندوستان کا بچہ جو پچھلی صدی کے بچوں سے کہیں زیادہ ذہین اور باشعور ہے، محض کوہِ قاف اور طلسماتی کہانیوں ہی سے دلچسپی رکھتا ہو۔

ملاقاتی : اگر ایسا ہے تو آپ کے خیال میں آج کل کے بچوں کے لیے کس قسم کے موضوعات پر بچوں کا ادب لکھا جانا چاہیے؟

مظفرحنفی : گزشتہ برسوں میں راکیش شرما کی خلائی مہم میں بچوں نے جس گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا، وہی میرے خیال کا منہ بولتا جواب ہے کہ آج بچے مصنوعی سیّاروں، روبوٹ، کمپیوٹر اور پَن ڈُبّیوں کو وہی درجہ دیتے ہیں جو کل ماضی میں دیوؤں اور پریوں کو حاصل تھا۔ آج کے بچے کا کوہِ قاف خلا ہے اور پرستان انٹارکٹکا ہے۔ کوئی بھی موضوع، خواہ وہ سماجی برائیوں سے تعلق رکھتا ہو یا کوہ پیمائی سے، وہ سائنسی مہم ہو یا جنگ جوئی، بذاتِ خود دلچسپ نہیں ہوا کرتا۔ اسے دلچسپ بناتا ہے ہمارا برتاؤ اور سلیقہ۔ البتہ مقصدی کہانیاں لکھتے ہوئے ہمیں اس نکتے کو ضرور ملحوظ رکھنا ہوگا کہ بچہ براہِ راست اخلاقیات اور پند و نصیحت کا درس سننا پسند نہیں کرتا۔ یہ کڑوی گولیاں اسے اسکول اور گھر میں کافی کھلائی جا چکی ہیں۔ کہانیوں کی کتابوں اور رسالوں کا سہارا وہ تفریح کی غرض سے لیتا ہے۔ چنانچہ ہمارے فنکاروں کو اپنے مقاصد شہد و شکر میں لپیٹ کر پیش کرنے ہوں گے۔ مجھے سو فی صد یقین ہے کہ ایسی مقصدی کہانیاں اور ادب جن میں بچوں کی دلچسپی کا وافر سامان بھی موجود ہوگا، واضح نصیحتوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ کارگر ثابت ہوں گے اور ان ہی کے بطن سے ایک

صاف سُتھرا، پرسکون، ترقی یافتہ روشن ہندوستان برآمد ہوگا۔

ملاقاتی : دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں بچوں کے ادب کی فنی وتدریسی صورتِ حال کیا ہے؟

مظفرحنفی : دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں بہت سی زبانیں رائج ہیں۔ میں ان سے واقف نہیں ہوں البتہ انگریزی سے یاد اللہ ہے اور اس میں ادبِ اطفال کا انتہائی عمدہ اور معیاری ذخیرہ موجود ہے جو پیش کش کے لحاظ سے بھی بہت دلکش ہے۔

ملاقاتی : ہمارے نامور ادیبوں اور شاعروں نے بچوں کا ادب تخلیق کیا تھا، آج ہمارے مشہور قلم کار اس طرف توجہ کیوں نہیں دیتے؟

مظفرحنفی : کوئی ایسا شاعر نہیں جس نے بچوں کے لیے ادب تخلیق نہ کیا ہو۔ میرؔ، سوداؔ وغیرہ کے علاوہ غالبؔ نے تو بچوں کے لیے 'قادرِنامہ' بھی لکھا ہے۔ ان کے بعد اقبالؔ کو لیجیے۔ اقبالؔ نے بچوں کے لیے کتنی اچھی نظمیں لکھی ہیں۔ آگے چلیں تو فیضؔ، کرشن چندر اور عصمت چغتائی ہیں۔ پھر حفیظؔ جالندھری، احمد ندیم قاسمی، مرزا ادیب، قرۃ العین حیدر کے نام مجھے یاد آرہے ہیں۔ ان کے جو دوسرے کارنامے ہیں، ان کی جانب لوگوں نے خوب توجہ کی لیکن ادبِ اطفال کو اپنی بنیاد بنانے والے ادبا وشعرا کو اس لائق نہیں سمجھا گیا کہ ان پر کچھ لکھا جائے۔ ادبِ اطفال کی جانب نئے لکھنے والے اس لیے بھی کم مائل ہوتے ہیں کہ وہاں سے حاصل کچھ نہیں ہوتا۔

ملاقاتی : بچوں کے غیرلسانی ادب مثلاً کارٹون، ویڈیوز، اینی میشن فلمیں وغیرہ کی تعلیمی اہمیت کیا ہے؟ یہ بچوں کی کردار سازی میں کس حد تک مفید ہیں؟

مظفرحنفی : بے شک تدریسی کام میں یہ سب بہت معاون ہیں البتہ کردار سازی کے ساتھ یہ چیزیں بعض منفی اثرات بھی پیدا کرتی ہیں۔ بچے اکثر کامکس کے بہت عادی ہوجاتے ہیں۔ اس طرح پڑھنے لکھنے کا انھیں وقت نہیں ملتا اور صحت پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے اس لیے ان کے دیکھنے یا پڑھنے میں توازن ضروری ہے۔

ملاقاتی : ٹیلی وِژن اور موبائل فون کو ادب کے لیے ایک چیلنج تصوّر کیا جارہا ہے۔ لوگ اور خاص طور پر طلبہ کتابوں سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

مظفرحنفی : ٹیلی وِژن اور موبائل فون وغیرہ صرف ادب کے لیے ہی نہیں، پورے پرنٹ میڈیا کے لیے چیلنج بنے ہوئے ہیں۔ آپ کی تشویش درست ہے۔ پچھلے لوگ کہتے تھے چور کو نگہبان بنا دینے سے چوریاں رُک جاتی ہیں۔ ایسا کچھ کیا جائے کہ تدریس وتعلیم کے لیے الکٹرانک میڈیا ہی میں زیادہ سے زیادہ گنجائش پیدا کی جائے۔

ملاقاتی : اُردو ادبِ اطفال میں آپ کا حصہ کیا اور کتنا ہے؟

مظفرحنفی : نثر میں کہانیوں کے میرے تین مجموعے 'نیلا ہیرا، بندروں کا مشاعرہ، حلوہ چور'، بچوں کی نظموں کے چھے مجموعے 'کھیل کھیل میں، نرسری کے گیت، چٹخارے، مزے دار نظمیں، بچوں کے لیے، بول میری مینا' شائع ہوچکے ہیں۔

ملاقاتی : بچوں کے ادب کی ترقی کے لیے کون سے اقدامات ضروری ہیں؟

مظفرحنفی : بچوں کے لیے لکھتے وقت مصنف کو خود بچہ بن جانا چاہیے یعنی بچوں کی نفسیات سے اس کا بخوبی واقف ہونا ضروری

ہے۔ مصنّف کا مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ بھی وسیع اور متنوّع ہو۔ وہ تحریر میں بچوں کی دلچسپی کا وافر مواد مہیا کرے۔ ظرافت سے بھرپور کام لے۔ قدیم لوک کہانیوں اور داستانوں کو دورِ حاضر کی سائنسی ایجادات سے آمیز کر کے ادب تخلیق کیا جائے تو کارآمد نتائج برآمد ہوں گے۔ اُردو میں نرسری رائمز کی سخت کمی ہے، لکھنے والوں کو اس طرف مائل کرنا چاہیے۔ دیکھا جارہا ہے کہ زیادہ تر اساتذہ ہی بچوں کے لیے نصیحتوں کی پوٹ جیسی کہانیاں اور نظمیں لکھتے ہیں۔ بڑے اور مستند شاعروں اور ادیبوں کی ادبِ اطفال کی تخلیق میں شرکت لازمی ہے۔ بچوں کے لیے شاعری کرنے والوں کے مشاعرے ہونے چاہئیں۔ بچوں کے لیے لکھنے والوں کو ٹیلی وژن اور ریڈیو پر زیادہ مواقع فراہم کرنا چاہئیں۔

ملاقاتی : اُردو زبان کے طلبہ و طالبات کو آپ کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

مظفر حنفی : کامیابی کے لیے محنت، خوب محنت کی ضرورت ہے، اور کوئی شارٹ کٹ تلاش کرنا بے کار ہے۔ ہر ناکامی عارضی ہوتی ہے اور زیادہ کوشش کرنے کی نصیحت کرتی ہے۔ اللہ بڑا منصف ہے۔

ملاقاتی : بچوں کے لیے لکھی گئی اپنی کوئی نمائندہ نظم عنایت فرمائیں۔

مظفر حنفی : لیجیے سنیے ۔

دس روپے فی بوتل پانی — ہکّا بکّا رہ گئی نانی
اپنا بچپن یاد کیا تو — ارزانی سی تھی ارزانی
بارہ آنے سیر اصلی گھی — گیارہ آنے تولہ چاندی
کیلے تھے دو پیسے درجن — چاول پانچ آنے پنسیری
بائیسکوپ ٹکٹ ایک آنہ — ایک اُٹھنّی کا پاجامہ
اسکولوں میں فیس نہیں تھی — کالج دو روپے ماہانہ
نانا کی تنخواہ جو پوچھی — کل پینتالیس روپیا نکلی
پینتالیس ہزار کے لگ بھگ — پاتے ہیں ابّو اور امّی

معانی و اشارات

عسرت	غربت، افلاس	جانفشانی	سخت محنت
نفر	شخص	مستحکم	مضبوط
پاپڑ بیلنا	مشکلات کا سامنا کرنا	کفالت	پرورش کی ذمے داری
یاد اللہ ہونا	تعلق ہونا	چولا بدلنا	بھیس بدلنا
سرزنش کرنا	برا بھلا کہنا، سختی سے ڈانٹنا	وافر	بہت زیادہ مقدار میں
خامہ	قلم	نرسری رائمز	کم عمر بچوں کے لیے گیت

* ’جان پہچان‘ کا مطالعہ کر کے ذیل کا شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

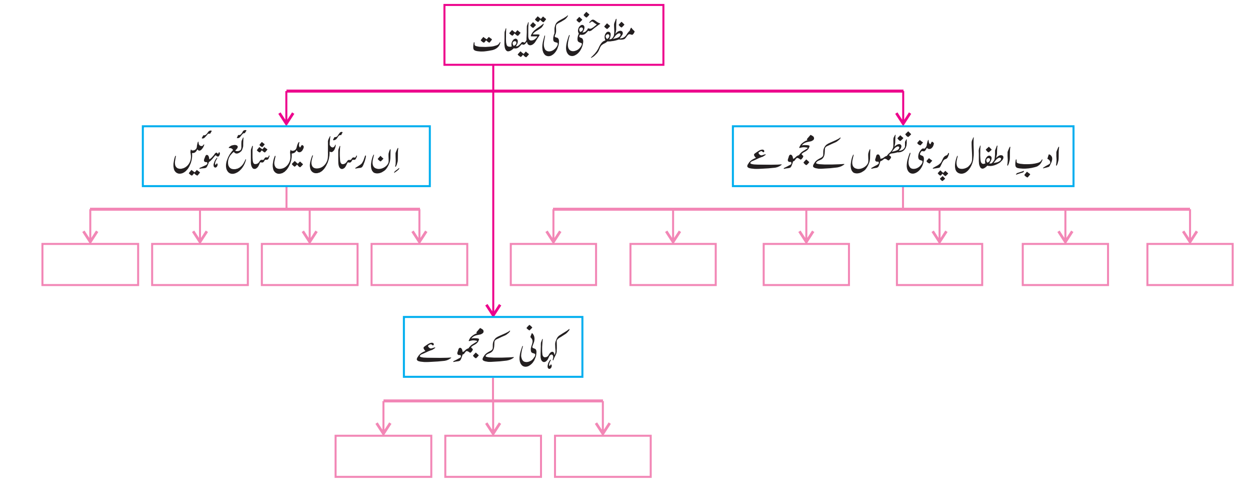

* سبق پڑھ کر ذیل کے رواں خاکے مکمل کیجیے۔

۱۔

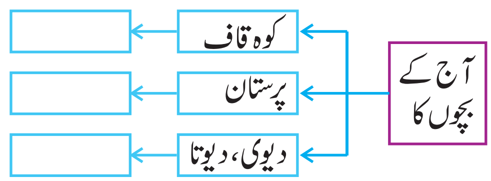

۲۔

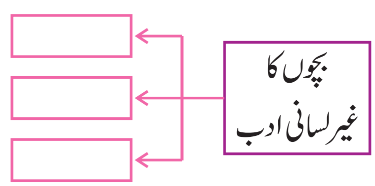

* ذیل کی سرگرمیاں ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ اُس امتحان کا نام لکھیے جس میں مظفر حنفی نے ممتاز طلبہ میں تیسرا مقام حاصل کیا۔

۲۔ اس مقام کا نام لکھیے جہاں مظفر حنفی نے پرائمری اور مڈل اسکول کی تعلیم مکمل کی۔

۳۔ اس مقام کا نام لکھیے جہاں سے مظفر حنفی نے تدریسی خدمات کا آغاز کیا۔

ذیل کے بیانات سے صحیح متبادل کو الگ کر کے لکھیے۔

۱۔ مظفر حنفی کے ملازمت سے استعفیٰ دینے کی وجہ ...

(i) تقرر جنگلی اور دلدلی علاقے میں ہوا تھا۔

(ii) تنخواہ بہت کم تھی۔

(iii) افسروں کے سلوک کے خلاف احتجاج تھا۔

۲۔ مظفر حنفی کے مطابق آج کل کے بچے صرف ...

(i) روبوٹ اور کمپیوٹر کی کہانیوں میں دلچسپی نہیں رکھتے۔

(ii) کامک اور کارٹونی کہانیوں میں دلچسپی نہیں رکھتے۔

(iii) کوہِ قاف اور طلسماتی کہانیوں میں دلچسپی نہیں رکھتے۔

* ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ ادبِ اطفال کے ادیبوں کو مظفر حنفی نے جو نصیحتیں کی ہیں، ان میں سے کسی دو کو بیان کیجیے۔

۲۔ اس سبق میں آئے ہوئے بچوں کے ادیبوں میں سے کسی ایک کا نام اور ان کی کسی تصنیف کا نام لکھیے۔

۳۔ بچوں کا ادب شائع کرنے والے دو رسالوں اور ان کے مدیروں کے نام لکھیے۔

۴۔ ’ٹیلی وِژن اور موبائل ادب کے لیے چیلنج ہیں‘ اس بیان پر اپنی رائے دیجیے۔

۵۔ مظفر حنفی کی نظم کے مرکزی خیال کو واضح کیجیے۔

* سبق میں استعمال کیے ہوئے دو محاوروں کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

* مظفر حنفی کی زندگی کے ابتدائی حالات اپنے لفظوں میں لکھیے۔

* بچوں کے ادب کی خصوصیات سبق کی روشنی میں لکھیے۔

* ٹیلی وِژن اور موبائل تعلیم کے لیے مفید ہیں یا مضر؟ اپنی رائے تحریر کیجیے۔

* غیرلسانی ادب کے منفی اثرات لکھیے۔
* سبق میں آئے ہوئے انگریزی الفاظ کی فہرست بنائیے۔
* "والد مرحوم نے 'طلسم ہوش ربا' پڑھتے ہوئے مجھے پکڑ لیا۔ خاصی سرزنش کی۔" وجہ لکھیے۔
* "بچوں کے لیے لکھتے وقت مصنف کو خود بچہ بن جانا چاہیے۔" اس جملے کی وضاحت کیجیے۔
* صحیح متبادل کا انتخاب کرکے جملہ مکمل کیجیے۔

۱۔ میرا بچپن، لڑکپن اور جوانی سبھی غربت و افلاس اور .... بے انصافیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے گزرے ہیں۔ (خاندانی ، سماجی ، معاشرتی)

۲۔ میرا پرائمری اور مڈل اسکول کا زمانہ انتہائی .... میں بسر ہوا۔ (عسرت ، عجلت ، حسرت)

۳۔ اُس .... کے زمانے میں مڈل اسکول کے امتحان میں بورڈ کے پچیس ممتاز طلبہ کی فہرست میں میرا نام بھی تیسرے مقام پر تھا۔ (افلاک ، افلاس ، اخلاص)

۴۔ قلیل تنخواہ میں والدین اور بہنوں کی .... کے ساتھ اپنے بیوی بچوں کی .... کے لیے خاصے پاپڑ بیلنے پڑے۔ (کفالت ، سہولت ، پرورش ، ورزش)

* فقرے کے لیے ایک لفظ لکھیے، مثلاً

ادب لکھنے والا ← ادیب

۱۔ ترتیب دینے والا ← ___

۲۔ تصنیف کرنے والا ← ___

۳۔ تحریر کرنے والا ← ___

۴۔ ترجمہ کرنے والا ← ___

* لاحقہ 'ساز' اور سابقہ 'نا' لگا کر چار چار مرکب الفاظ بنائیے۔
* مثال کے مطابق واحد کی جمع اور جمع کی واحد لکھیے۔

مثال: صنف : اصناف

۱۔ سلف : ___

۲۔ ___ : اطفال

۳۔ ___ : افکار

انٹرویو/ مکالمہ

* آپ کے شہر میں منعقدہ 'اُردو کتاب میلہ' میں بچوں کی کتابوں کے اسٹال پر دکاندار اور طالب علم کے درمیان ہونے والے مکالمے کو تحریر کیجیے۔
* 'یومِ مطالعہ' کے موقع پر اسکولی تقریب کے مہمانِ خصوصی ادیب الاطفال سے اُردو زبان، کتابوں اور مطالعے سے متعلق انٹرویو لیجیے۔

تحریری سرگرمی

* نکات کی مدد سے 'میری پسندیدہ کتاب' پر مضمون لکھیے۔

کتاب کا نام - مصنف کا نام - موضوع - پسندیدگی کی وجہ

سرگرمی / منصوبہ

۱۔ غالبؔ کی مشہور نظم 'قادر نامہ' حاصل کرکے پڑھیے۔

۲۔ بچوں کے چند رسالوں کے بارے میں لکھیے۔

۳۔ علامہ اقبالؔ کی بچوں کے لیے لکھی گئی نظموں کو تلاش کر کے پڑھیے اور اپنی پسندیدہ نظم لکھ کر تبصرہ کیجیے۔

اخبارات کے تراشے

عملی قواعد

فقرہ

اس سبق میں آپ نے ایک نظم بھی پڑھی ہے۔اس نظم میں آنے والے چند الفاظ یہ ہیں :

- دس ، پانی ،بچپن ،تو ،ارزانی ،آنے
- اصلی ،سی ،تولہ ،کیلے ،چاول
- ٹکٹ ،پاجامہ ،کا ،فیس ،نانا ،جو ،کل
- نکلی ،ہزار ،ہیں ،کے ،اور ،امی

اگر ان لفظوں کو ہم پڑھیں تو چند لفظوں کے معنی ہم اچھی طرح جانتے ہیں (دس ،پانی ،بچپن ،نانا ،امی وغیرہ) اور چند الفاظ (تو ،سی ،کا ،جو ،کے وغیرہ) بے معنی معلوم ہوتے ہیں۔ پہلے قوسین میں دیے گئے 'الفاظ' ہیں اور دوسرے قوسین میں دیے گئے 'حروف' ہیں۔ زبان الفاظ کا مجموعہ ہوتی ہے۔اگر دی گئی مثال کی طرح الفاظ بے ترتیب رہیں تو لفظوں کے معنی تو ہم جان لیں گے لیکن اس مجموعے سے کوئی معنی ہماری سمجھ میں نہیں آئیں گے۔البتہ ان میں سے چند الفاظ اگر ایک خاص ترتیب میں آئیں تو ان کے کچھ معنی سمجھ میں آسکتے ہیں جیسے

- دس روپے کے چاول
- اصلی ٹکٹ
- امّی کے نانا وغیرہ

لفظوں کے ان مجموعوں میں پورے معنی واضح نہیں ہوتے۔لفظوں کے ایسے مجموعے جن میں الفاظ ایک خاص ترتیب میں آئیں لیکن ان سے پوری بات سمجھ میں نہ آئے تو انھیں 'فقرہ' کہتے ہیں۔

اوپر کی مثالوں میں آنے والے فقروں سے چونکہ پوری بات سمجھ میں نہیں آتی اس لیے انھیں 'فقرۂ ناقص' کہا جاتا ہے۔

ذیل میں دیے گئے فقروں کو غور سے پڑھیے۔

- آپ کی دعا سے/ خدا حافظ/ زمانہ خراب ہے/ بس زبان چلتی ہے
- چلیے ،بات ختم/ خدا نہ کرے/ ہائے اللہ وغیرہ

ان میں کچھ فقرے نامکمل اور کچھ فقرے مکمل جملے ہیں۔فقروں کی دوسری قسم کا استعمال ہم اپنی زبان میں ہمیشہ کرتے رہتے ہیں اس لیے انھیں **روزمرہ** کہا جاتا ہے۔

* **پڑھے گئے اسباق سے روزمرہ کی دس مثالیں تلاش کیجیے۔**

***

گزشتہ جماعتوں میں آپ محاورے کے تعلق سے پڑھ چکے ہیں جو فقرے کی تیسری قسم ہے۔ذیل میں محاوروں کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔ان پر غور کیجیے :

چار چاند لگانا ، ٹس سے مس نہ ہونا ، ہوا سے باتیں کرنا ،
ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینا ، قسم کھانا ، باتیں بنانا ، رونا رونا وغیرہ۔

آپ جانتے ہیں کہ محاورہ کیا ہوتا ہے۔آپ محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال بھی کرتے ہیں۔اوپر کی مثالوں میں دیکھیے کہ تمام محاورے افعال کی صورت میں یعنی لگانا ،ہونا ،کرنا ،دینا ،کھانا ،بنانا ،رونا جیسے لفظوں پر ختم ہوتے ہیں۔ یہ محاورے کی پہچان ہے کہ ہمیشہ کسی فعل کی مصدری

حالت میں ختم ہوتا ہے۔ ان کے معنی لفظوں کے عام معنی سے الگ ہوتے ہیں جیسے اوپر کی مثال میں پہلا محاورہ دیکھیے۔ اس میں تین الفاظ 'چار، چاند، لگانا' شامل ہیں۔ چار ایک عدد ہے، چاند بھی آپ نے دیکھا ہے اور لگانا (فعل) کے معنی سے آپ واقف ہیں لیکن یہ الفاظ جب محاورہ بناتے ہیں تو اب ان کے مجموعی معنی ہوتے ہیں: عزّت بڑھانا۔ **محاورہ** فقرے کی تیسری قسم ہے۔

٭ مثال میں دیے گئے محاوروں کے معنی لغت سے معلوم کر کے انھیں اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کے معنی واضح ہو جائیں۔

٭٭٭

کہاوت یا ضرب المثل کے بارے میں بھی آپ گزشتہ جماعتوں میں پڑھ چکے ہیں۔ یہ فقرے کی چوتھی قسم ہے۔ چند مثالیں:

جہاں چاہ، وہاں راہ/ کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھولا/ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے/ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا/ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا

کہاوت کا استعمال بات میں زور پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے لیکن اس کے استعمال میں اس سے پہلے ایک ایسا خیال بیان کرنا ضروری ہے جس کی مثال میں کہاوت کہی جا سکے۔

٭ ذیل کے بیانات کو پڑھ کر ان کی مثال میں بولی جانے والی کہاوت اوپر کی مثالوں سے چن کر لکھیے۔

ا۔ ایک بچہ پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بننا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی تعلیم پوری کرنے کے لیے ہر مشکل کا سامنا کیا اور ایک دن وہ ایک کامیاب ڈاکٹر بن ہی گیا۔

۲۔ میں یہ کام تو کر سکتا ہوں مگر اس کام کو پورا کرنے کے لیے آپ جو اوزار مجھے دے رہے ہیں، وہ پرانے اور ٹوٹے ہوئے ہیں۔ نئے اوزار ہمارے گاؤں میں نہیں ملتے اس کے لیے تو ممبئی جانا پڑے گا۔ آپ اوزار لے آئیے ورنہ مشکل ہے۔

٭ اپنے استاد کی مدد سے کسی لغت سے کہاوتیں تلاش کیجیے جن سے ذیل کے معنی نکلتے ہیں:

- ایک مصیبت سے نکل کر دوسری مصیبت میں پڑ جانا۔
- ہر آدمی کی اپنی صلاحیت دوسرے سے الگ ہوتی ہے۔
- ایک مقصد حاصل کرنا ہے مگر اس کے لیے ابھی بہت وقت درکار ہے۔

اضافی معلومات

طلسمِ ہوشربا

آپ نے الٰہ دین اور اس کے جن کی کہانیاں پڑھی ہوں گی۔ سند باد جہازی کے سفر کی کہانیاں بھی آپ نے پڑھ رکھی ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ کہانیاں عربی کی مشہور داستان 'الف لیلہٰ' سے لی گئی ہیں۔ دنیا کی تقریباً ہر اہم زبان میں اس داستان کے ترجمے ہوئے ہیں۔ اس کی کہانیوں پر فلمیں اور ٹی وی سیریل بھی بنے ہیں۔ ایسی ہی ایک داستان 'طلسم ہوشربا' ہے۔ یہ داستان بہت طویل یعنی ہزاروں صفحات پر پھیلی ہے۔ اس کی تالیف منشی محمد حسین جاہؔ نامی داستان گو نے ۱۸۸۰ء میں کی اور اگلے گیارہ برسوں یعنی ۱۸۹۱ء تک اس کی چار جلدیں لکھیں۔ ان کے بعد ۱۸۹۷ء میں ایک اور داستان گو احمد حسین قمرؔ نے اس میں مزید دو جلدوں کا اضافہ کیا۔ یہ داستان اُردو ادب کی مشہور ترین داستان اور قصہ گوئی کا ایک نادر نمونہ ہے۔ 'طلسم ہوشربا' جادوئی قصوں اور کرداروں کے حیرت انگیز کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے اہم کرداروں میں امیر حمزہ، عَمرو عیّار، افراسیاب، ملکہ حیرت جادو وغیرہ شامل ہیں جن کے جادوئی کرشمے پڑھنے والوں کو دنگ کر دیتے ہیں۔ اس داستان میں زبان کی چاشنی، معلومات کی رنگارنگی، ادب کی تقریباً تمام اہم اصناف کی مثالیں اور واقعات کی حیرت آفرینی کے جلوے دکھائی دیتے ہیں۔

۸۔ جلتے پروں سے اُڑان

ساجد رشید

پہلی بات : ہمارے اطراف پائے جانے والے طبعی اور حیاتیاتی حالات کو ماحول کہتے ہیں۔ تمام جاندار اور بے جان اشیا ماحول کا حصہ ہیں۔ ماحول میں توازن کے قائم رہنے کے لیے ہر جز کا مخصوص تناسب میں پایا جانا ضروری ہے۔ ماحول کے توازن میں معمولی بگاڑ بھی تمام مخلوقات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ انسان کے مختلف اعمال و افعال ماحول میں خرابی کا باعث بنتے ہیں۔ بڑھتی آبادی، جنگلات کی کٹائی، عمارتوں کی تعمیر، صنعتوں کی ترقی، ایٹمی بھٹّیوں اور ٹی وی اور موبائل ٹاور سے خارج ہونے والی لہروں وغیرہ سے نباتات، حیوانات و جمادات پر مضر اثرات پڑتے ہیں۔

جان پہچان : ساجد رشید ۱۱؍ مارچ ۱۹۵۵ء کو بلرام پور (یوپی) کے ایک گاؤں سگڈ یہوا میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار ۱۹۷۰ء کے بعد اُبھرنے والے معروف افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ افسانے میں مقصدیت اور نظریے دونوں کے قائل تھے۔ ان کے افسانے سیاسی اور سماجی شعور سے بھرے نظر آتے ہیں۔ 'ریت گھڑی، نخلستان میں کھلنے والی کھڑکی، ایک چھوٹا سا جہنم' اور 'ایک مردہ سر کی حکایت' ان کے افسانوی مجموعے ہیں۔ انھیں ساہتیہ اکیڈمی کے انعام برائے ترجمہ اور 'کتھا ایوارڈ' سے نوازا گیا تھا۔ ساجد رشید ایک بے باک اور اصول پسند صحافی تھے۔ ان کے مضامین 'زندگی نامہ' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ انھوں نے 'نیا ورق' نام کا ایک ادبی رسالہ بھی جاری کیا۔ ۱۱؍ جولائی ۲۰۱۱ء کو ممبئی میں اُن کا انتقال ہوا۔

ریشم جیسے ملائم اور دھنک جیسے رنگین پروں سے سر نکال کر پرندے نے جب اپنے بازوؤں کو پھڑپھڑایا تو ان پر ٹھہرے اوس کے ننھے قطرے مشرق کی بھوری پہاڑیوں سے جھانکتے سورج کی کرنوں سے دمک اُٹھے، جیسے پگھلے سونے کا فوارہ پھوٹ پڑا ہو۔ اس نے اپنی سرخ چونچ کھول کر فرحت بخش ہوا سینے میں بھری اور بڑی تازگی محسوس کی۔ پھر سر جھٹک کر آس پاس دیکھا۔ سب کچھ وہی تھا اور کتنا دلکش!

سورج کی نارنجی کرنوں سے تمتماتی بھوری پہاڑیاں، پہاڑیوں کے پیروں کو دھوتی گہرے نیلے پانیوں والی ندی، دوسری جانب ندی میں گرتا دودھ جیسا جھرنا، کنارے پر بکھرا مخمل سا سبزہ اور ان پر جھلملاتی اوس کی بوندیں، خود رو پودوں پر منڈلاتی خوش رنگ تتلیاں، چھوٹے چھوٹے پتنگے، دائیں طرف تازہ سبز پتوں سے ڈھکا گھنا جنگل، پیڑوں کی لچکدار مضبوط شاخوں پر پھدکتی چڑیاں اور ان کی چہکار، سرمئی نم مٹی پر رینگتی چیونٹیاں، معصوم آنکھوں والے ہرنوں کا جھنڈ..... سب کچھ وہی تھا اور کتنا دلکش!

چڑیوں کی چہکار، جھرنے کی جھر جھر، ہوا کے بہاؤ پر بہتی ندی کی کلکلاہٹ، سوکھے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ، ندی کے کنارے صبح کی پہلی دھوپ سینکتے مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ، پیڑوں کے تنوں پر چڑھتی اُترتی گلہریوں کی چِکچِکاہٹ، سفید جھینگروں کی سیٹیاں اور ہم آغوش ہوتی لچکیلی شاخوں کی سرسراہٹ۔ ان آوازوں کی نغمگی سے سارا عالم گونج رہا تھا..... سب کچھ وہی تھا اور کتنا دلکش!

پرندے نے سینہ پھلا کر آسمان کو دیکھا: بے داغ آسمان آج بھی اتنا ہی نیلا اور چمکدار تھا جتنا کل تھا۔ اس نے تنکوں سے بنے اپنے خوب صورت گھونسلے پر الوداعی نظر ڈالی اور دانے دُنکے کی تلاش میں پر پھڑپھڑاتا اُڑ گیا۔ اُڑا اور اُڑتا گیا: اوپر..... اوپر..... بہت

اوپر.....۔

ٹھیک پرندے کے سر پر آ کر سورج نے اسے معمول کے مطابق ایک سبزہ زار میں اُترنے پر مجبور کر دیا۔ دور تک سبزہ تھا اور اس قدر دانے بکھرے پڑے تھے کہ پرندے کو ہمیشہ کی طرح آج بھی سوچنا پڑا....."کہاں سے شروع کیا جائے؟"

دانا چگتے چگتے وہ سیر ہو گیا۔ اب اس نے دیکھا کہ اس کا سایہ قدموں تلے نہیں ہے بلکہ کچھ لمبا ہو گیا ہے۔ اس نے مٹی میں چونچ رگڑ کر قریب کی ندی سے ٹھنڈا پانی پیا اور پھر ایک بار ہوا کو چیرتا فضا میں اُڑتا چلا گیا۔ دانوں سے بھاری پیٹ کو ہلکا کرنے کے لیے یہ اس کا معمول تھا۔ اسے ہر اُڑان پر یوں محسوس ہوتا جیسے وہ بس ابھی چمکتے نیلے آسمان کو چوم لے گا۔ آسمان کو چومنے کی یہ خواہش اسے اوپر ہی اوپر لیے چلی جاتی۔ آسمان ابھی بہت دور تھا اور پروں میں تھکن رینگنے لگی تھی۔ اس نے آسمان کو چھونے کا فیصلہ ہمیشہ کی طرح کل پر ٹالا اور نیچے اُترنے لگا۔

پرندے نے جب سر کو خم کر کے نیچے پھیلی ہوئی دنیا کو دیکھنا چاہا تو اچانک اس کی پرواز تھم گئی۔ اس کا ننھا سا دل دھک سے رہ گیا۔ نیچے سارے میں سیاہی مائل دھند پھیلی ہوئی تھی۔ ایسی دھند کہ پیڑ پودے، ندی نالے، پہاڑ، جھرنے اور میدان جانے کہاں کھو گئے تھے! کیا یہ سویرے کی دھند ہے؟ لیکن سویرا ابھی کیسے چلا آیا؟ اور پھر سویرے کی دھند تو بڑی خوش گوار ہوتی ہے۔ وہ ایسی کثیف اور مٹ میلی تو نہیں ہوتی اور پھر اس میں خنکی بھی تو ہوتی ہے .....تو پھر یہ کیا ہے؟ ..... دھواں اس کی آنکھوں میں جلن پیدا کرنے لگا تھا۔ پروں پر اپنے چھوٹے سے جسم کا توازن برقرار رکھتے ہوئے جب وہ دھویں کے کثیف بادل میں اُترا تو اس کے سینے میں چنگاریاں اُتر گئیں۔ پھیپھڑوں میں دھواں پتھر ہو گیا اور حلق میں چیونٹیاں کاٹنے لگیں۔ سینے میں اُمنڈتے دھویں کی اذیت اور اُکھڑتی سانس سے گھبرا کر اس نے بے اختیار چونچ کھول دی۔ مگر تکلیف سے نجات تو کیا ملتی، سینے کی جلن اور بڑھ گئی۔ بالآخر وہ دھویں کی کثیف چادر کو چیر کر نیچے کھلے میں چلا آیا، یہاں گھٹن کچھ کم تھی۔

پرندہ تھک کر چور ہو چکا تھا۔ سینے میں درد ریت کے ذرّے کی طرح چبھ رہا تھا۔ بازو ایسے شل ہو رہے تھے جیسے انھیں جاڑا مار گیا ہو۔ وہ اب کسی پیڑ کی شاخ پر بیٹھ کر ستانا چاہتا تھا۔ اس نے تھکن سے بوجھل آنکھوں سے نیچے دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ اس کے وجود میں ننھا سا دل جیسے اپنی دھڑکن بھول گیا۔ اسے ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا۔ اس نے بازوؤں کو جلدی جلدی حرکت دی اور کچھ اور نیچے اُتر آیا۔ مگر منظر نہیں بدلا، کچھ اور واضح ہو گیا۔ "یہ سب کیا ہے؟" اس نے سوچا اور سوچ کر تڑپ اُٹھا۔ آنکھوں نے جو کچھ بھی دیکھا، وہ پرندے کے لیے حیرت انگیز تھا۔ سورج کے ڈھیر ہونے تک سارا عالم کیسے بدل گیا؟ کہاں ہیں وہ پیڑ، پودے، سبزہ زار؟ کہاں ہیں وہ ندیاں، نالے، جھرنے؟ کہاں ہیں وہ غار، ٹیلے، پہاڑ؟ کہاں ہیں وہ ہرن، وہ چیونٹیاں، وہ مینڈک؟ آخر یہ سب کہاں گئے؟

جنگلوں، پہاڑوں اور ندیوں کی جگہ اب آسمان سے سر ٹکراتی، سیسہ پلائی عمارتیں کھڑی تھیں۔ سیکڑوں ایکڑ میں پھیلی اسلحہ ساز فیکٹریاں تھیں۔ بڑے بڑے راڈار تھے۔ دیو پیکر ایٹمی تجربہ گاہیں تھیں۔ سینہ تانے ٹی وی ٹاور کھڑے تھے۔ بڑی بڑی دوربینیں تھیں۔ برقی تاروں کا ایک جال تھا اور ایک کنارے پر ترتیب سے بنی ایٹمی بھٹیاں تھیں جن کی کشادہ چمنیاں دھواں اور زہر اُگل رہی تھیں۔

اسلحہ ساز فیکٹریوں اور ایٹمی بھٹیوں سے گاڑھا کالا دھواں ہاتھیوں کی طرح جھومتا ہوا نکلتا اور فضا میں چادر کی طرح تن جاتا۔کل کا نیلا شفاف آسمان اب یوں دِکھائی دے رہا تھا جیسے اس پر کالی کالی گرد جم گئی ہو۔آسمان پر رینگتی اس سیاہی سے خوفزدہ ہوکر پرندہ اپنے گھونسلے میں اُترنے کے لیے بے چین ہوگیا۔ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ سورج بجھنے کے بعد اپنے گھونسلے کو لوٹا ہو۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اندھیرے میں گِھر کر رہ گیا تھا۔

تھکن سے ٹوٹتے ہوئے پنکھوں سے پرندہ کچھ اور نیچے آیا تو فضا میں دوڑتے مواصلاتی پیغامات اس کے پروں سے اُلجھ اُلجھ کر پرواز میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگے۔تھکن اس کے بازوؤں میں سوئیوں کی طرح چبھ رہی تھی اور اس کو اپنا وجود نا قابلِ برداشت بوجھ محسوس ہونے لگا تھا۔اس نے پھولتی سانسوں کے درمیان سر کو خم کر کے اندھیرے میں ڈوبتے لوہے، سیمنٹ اور کنکریٹ کے پہاڑوں کو دیکھا۔کوئی پیڑ، کوئی شاخ، کوئی سبز پتا؟ کہیں کچھ بھی نہیں! اُف، یہ میں کس جہان میں آ پھنسا! کیا میری پرواز اتنی اونچی تھی کہ میں اپنی حدود سے باہر نکل آیا؟ مجھے لوٹنا ہوگا۔مگر بازوؤں سے اُٹھتی ٹیس اس کے ارادے پر بجلی بن کر گری۔

اب تو بس چند ہی لمحوں کی پرواز کی سکت ہے مجھ میں، اس کے بعد تو مجھے کہیں اُترنا ہی ہوگا۔

مگر کہاں؟

اس نے نیچے دیکھا۔ ہر طرف وہی بدلا ہوا منظر۔

ٹی وی ٹاور تھا جو غیر مرئی مناظر کو منتشر کر رہا تھا ... یہاں بھی نہیں!

بڑے بڑے نیون سائن بورڈ ٹنگے ہوئے تھے ... یہاں بھی نہیں!

سیمنٹ کنکریٹ کے اسکائی اسکریپر منہ چڑا رہے تھے ... یہاں بھی نہیں!

اسلحہ ساز فیکٹریوں کی چمنیاں دھواں اُگل رہی تھیں ... یہاں بھی نہیں!

کائنات کے سارے اسرار سے واقف دیو پیکر دوربینیں تھیں ... یہاں بھی نہیں!

آگ اور زہر اُگلتی بڑی بڑی ایٹمی بھٹیاں تھیں ... نہیں، یہاں بھی نہیں!

تب کہاں؟ سوچ کر وہ لرز گیا۔

کیا میں واپس لوٹ سکوں گا، اُن ندیوں، پہاڑوں اور جنگلوں کو جہاں سے میں اُڑا تھا؟ کیا اب میں اپنے نرم نرم گھونسلے میں اُتر سکوں گا؟

کیا اب کبھی نیلے آسمان کی وسعت میں تیرتے ہوئے میں نظروں کی آخری سرحد تک پھیلے گھاس کے میدان کا نظارہ کر سکوں گا؟

میری پیاس بجھانے کو کیا وہ ٹھنڈا پانی مل سکے گا؟

گھنے درختوں کی چھایا میں ستاتے کسی ہرن کی پیٹھ پر بیٹھ کر کیا میں اس کی گردن کو گدگدا سکوں گا؟

کیا نم مٹی میں اپنے پنجوں کے نشان دیکھ سکوں گا؟

سوالات نے خوف میں ڈھل کر پرندے کو بدحواس کر دیا۔ کسی پیڑ کی زندہ شاخ کو پانے کے لیے اس نے زناٹے سے ایک غوطہ لگایا اور ایک دیو پیکر عمارت کی کھڑکی کے مضبوط شیشے سے جا ٹکرایا۔ پھر تو وہ کسی ڈوبتے جہاز کی طرح گاڑھے کالے دھویں میں گھری عمارتوں کی نہ جانے کتنی کھڑکیوں سے سر ٹکراتا پھرا مگر اسے واپسی کا راستہ نہ ملا۔ اب اس کے حواس جواب دے چکے تھے۔ وہ تھکن اور خوف سے کانپتے جسم کو سنبھال نہ سکا اور ایک ایٹمی بھٹی کے عین منہ پر اپنا توازن کھو بیٹھا۔ زہر نے پھیپھڑوں میں کانٹے بوئے اور شعلوں نے اس کے پروں کو چاٹ لیا اور گرد آلود تاریک آسمان پر دور تک ایک روشن لکیر پھیلتی چلی گئی۔ جب آگ پروں کو جلاتی اس کے دل تک پہنچی تب پرندے نے تڑپ کر نیچے اُگے لوہے، آگ اور دھویں کے جنگل پر آخری نگاہ ڈال کر سوچا، ''کیا یہ میری آخری پرواز ہے؟ کیا اس سفاک ٹھوس زمین میں سے کوئی بیج اپنی ننھی سبز بانہوں سے سیمنٹ کنکریٹ کے پہاڑوں کو چیر کر تناور درخت بننے کے لیے سر نہیں نکالے گا.....؟''

وہ سارے ماہرینِ فلکیات جن کی آنکھیں بڑی بڑی دوربینوں میں گڑی رہتی ہیں اور جو کائنات میں نمودار ہونے والے ایک ایک ستارے کی خبر رکھتے ہیں، وہ عین اپنے سر پر ایک پرندے کے وجود کے خاک ہو کر فضا میں بکھرنے کے حادثے سے لاعلم ہی رہے۔

معانی و اشارات

خود رَو	بذاتِ خود اُگنے والا	جاڑا مارنا	سردی ہو جانا
کثیف	گاڑھا، دبیز	نیون سائن بورڈ	رنگین روشنی کے بورڈ
شل ہونا	سُن ہو جانا	اسکائی اسکریپر	فلک بوس عمارت

مشقی سرگرمیاں

سبق پڑھ کر ہدایت کے مطابق سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

* شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

ساجد رشید کے افسانوی مجموعے

* مثال کے مطابق خالی چوکون میں مناسب آوازیں لکھیے۔

مثال : چڑیوں کی - چہچہاہٹ

ندی کی -

پتوں کی -

مینڈک کی -

گلہریوں کی -

جھینگروں کی -

(ایسی آوازوں کو 'اسمِ صوت' کہا جاتا ہے۔)

* جملوں کو بغور پڑھ کر ان واقعات کے پیش آنے کا وقت لکھیے۔

۱۔ پرندے نے جب اپنے بازوؤں کو پھڑپھڑایا تو ان پر ٹھہرے اوس کے ننھے قطرے مشرق کی بھوری پہاڑیوں سے جھانکتے سورج کی کرنوں سے دمک اُٹھے۔

۲۔ ٹھیک پرندے کے سر پر آکر سورج نے اسے معمول کے مطابق ایک سبزہ زار میں اُترنے پر مجبور کر دیا۔

۳۔ اب اس نے دیکھا کہ اس کا سایہ قدموں تلے نہیں ہے بلکہ کچھ لمبا ہو گیا ہے۔

۴۔ نیچے سارے میں سیاہی مائل دھند پھیلی ہوئی تھی۔ ایسی دھند کہ پیڑ پودے، ندی نالے، پہاڑ جھرنے اور میدان جانے کہاں کھو گئے تھے!

۵۔ آنکھوں نے جو کچھ بھی دیکھا، وہ پرندے کے لیے حیرت انگیز تھا۔ سورج کے ڈھیر ہونے تک سارا عالم کیسے بدل گیا؟

۶۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ سورج بجھنے کے بعد اپنے گھونسلے کو لوٹا ہو۔

* پہلی جوڑی کا تعلق پہچان کر دوسری جوڑی مکمل کیجیے۔

۱۔ سرخ : چونچ :: نیلا : ....
۲۔ سرمئی : مٹی :: سفید : ....
۳۔ نارنجی : کرنیں :: سیاہی مائل : ....

* قوسین میں دیے ہوئے الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کیجیے۔

۱۔ اس نے تنکوں سے بنے اپنے خوب صورت گھونسلے پر .... نظر ڈالی۔
(الوداعی / آخری / طائرانہ)

۲۔ جب وہ دھویں کے .... بادل میں اُترا تو اس کے سینے میں چنگاریاں اُتر گئیں۔
(گھنے / کثیف / سیاہ)

۳۔ وہ اب کسی پیڑ کی شاخ پر بیٹھ کر .... چاہتا تھا۔
(چہچہانا / سونا / سستانا)

۴۔ تھکن اس کے بازوؤں میں .... کی طرح چبھ رہی تھی اور اس کو اپنا وجود ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس ہونے لگا۔ (سوئی / کانٹے / ریت)

۵۔ سوالات نے .... میں ڈھل کر پرندے کو بدحواس کردیا۔ (ہراس / ڈر / خوف)

* دیے ہوئے اقتباس کا خلاصہ لکھیے۔

پرندے نے جب سر کو خم کرکے نیچے پھیلی ہوئی دنیا کو دیکھنا چاہا تو اچانک اس کی پرواز تھم گئی۔ .... بالآخر وہ دھویں کی کثیف چادر کو چیر کر نیچے کھلے میں چلا آیا۔ یہاں گھٹن کچھ کم تھی۔

* سبق کی روشنی میں پرندے کی صبح کی اوّلین اُڑان کی منظر کشی اپنے الفاظ میں کیجیے۔

* پرندے کے ذہن میں آنے والے سوالات کی وضاحت کیجیے۔

* آخری پرواز کے وقت پرندے کے ذہن میں آنے والے اندیشوں کو بیان کیجیے۔

* زمین کے بدلتے منظر کو پرندے کے الفاظ میں لکھیے۔

* دیے ہوئے نکات کی مدد سے 'پرندے کی سرگزشت' لکھیے۔

سخت موسم ...... پانی کی تلاش ...... درختوں کی کمی ...... اونچی اونچی بلڈنگیں ...... بجلی کے تار ...... موبائل ٹاورس ...... کارخانوں کی چمنیاں ...... آلودہ فضا ...... دوپہر سے شام ...... تھک کر چور ہونا ...... اونچی بلڈنگ کی ٹیرس پر گرنا ...... بچے کا اُٹھانا ...... پرندے کا پیغام

* دیے ہوئے موضوع سے متعلق اتفاقِ رائے یا اختلافِ رائے لکھیے۔

"ہم آلودگی کے ذمے دار ہیں"

سرگرمی/منصوبہ

۱۔ علمِ فلکیات سے متعلق معلومات جمع کیجیے۔
۲۔ انٹرنیٹ سے دوربین کی تصویریں اور معلومات جمع کیجیے۔

عملی قواعد

مخلوط جملہ

ذیل کے جملوں کو پڑھ کر ان کے اجزا پر غور کیجیے۔

- جب وہ دھویں کے کثیف بادلوں میں اُترا / تو اس کے سینے میں چنگاریاں اُتر گئیں۔
- پرندے نے جب نیچے پھیلی ہوئی دنیا کو دیکھا / تو اس کی پرواز تھم گئی۔
- ایک کنارے پر ایٹمی بھٹیاں تھیں / جن کی کشادہ چمنیاں دھواں اُگل رہی تھیں۔
- یہ پہلا موقع تھا / کہ وہ اندھیرے میں گھر کر رہ گیا تھا۔

ان جملوں میں ترچھے خط لگانے سے جملے دو فقروں میں تقسیم ہوگئے ہیں۔ پہلے دو جملوں میں لفظ 'جب' والا فقرہ **'تابع فقرہ'** کہلاتا ہے۔ بعد کے فقرے جو 'تو' سے شروع ہوتے ہیں، انھیں **'خاص فقرہ'** کہتے ہیں۔

بعد کے دو جملوں میں خاص فقرے پہلے آئے ہیں اور ترچھے خط کے بعد کے فقرے تابع فقرے ہیں۔

* پڑھے ہوئے اسباق سے مخلوط جملوں کی دو مثالیں تلاش کرکے لکھیے۔

۹۔ دسترخوان

وزیر آغا

پہلی بات : دسترخوان بچھا کر کھانا کھانے کا طریقہ بہت قدیم ہے اور ہماری تہذیب کا حصہ بھی۔ یہ ایک سماجی عمل ہے۔ اس عمل کا وقت انسان کے لیے اہم ہوتا ہے۔ اس طرح کھانا کھانے میں آپس میں خلوص، اُنسیت اور قربت پیدا ہوتی ہے۔ ہم ایک دوسرے کی باتیں زیادہ توجہ سے سن سکتے ہیں۔

دسترخوان بچھا کر کھانے میں ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر ایک دو افراد کا اضافہ بھی ہو جائے تو دسترخوان پر جگہ نکل آتی ہے۔ ذیل کے انشائیے میں وزیر آغا نے کھانا کھانے کے عمل اور دسترخوان کو تہذیبی پس منظر میں رکھ کر اپنے منفرد خیالات پیش کیے ہیں۔

جان پہچان : وزیر آغا ۱۸؍مئی ۱۹۲۲ء کو وزیرکوٹ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے 'اُردو میں طنز و مزاح نگاری' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ماہنامہ 'ادبی دنیا' میں معاون مدیر کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کے بعد انھوں نے اپنا ادبی رسالہ ماہنامہ 'اوراق' جاری کیا۔ وزیر آغا کا شمار صفِ اوّل کے ناقدین میں ہوتا ہے۔ انھوں نے انشائیے اور مضامین لکھے اور شاعری بھی کی۔ اُردو میں انشائیے کو ایک صنف کے طور پر قائم کرنے والوں میں ان کا نام سرِفہرست ہے۔ 'خیال پارے، بارہواں کھلاڑی' اور 'چوری سے یاری تک' ان کے انشائیوں کے مجموعے ہیں۔ ان کے انشائیوں کا کلیات 'پگڈنڈی' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ 'ادب میں طنز و مزاح'، 'نظم جدید کی کروٹیں، آدھی صدی کے بعد، شام کی منڈیر سے' اور 'انشائیہ کے خدوخال' ان کی تصانیف ہیں۔ ان کا انتقال ۸؍ستمبر ۲۰۱۰ء کو لاہور میں ہوا۔

ایک زمانہ تھا کہ لوگ فرش پر دسترخوان بچھاتے، آلتی پالتی مار کر بیٹھتے اور ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھانا کھاتے۔ پھر جو زمانہ بدلا تو ان کے نیچے کرسیاں اور سامنے میز بچھ گئی جس پر کھانا چن دیا جاتا۔ پہلے وہ سر جوڑ کر کھاتے تھے، اب سروں کے درمیان فاصلہ نمودار ہوا اور روبرو بیٹھا ہوا شخص مد مقابل نظر آنے لگا۔ مگر زمانہ کبھی ایک حالت میں قیام نہیں کرتا۔ چنانچہ اب کی بار جو اس نے کروٹ بدلی تو سب سے پہلے پلیٹ کو ہتھیلی پر سجا کر اور سروقد کھڑے ہو کر طعام سے ہم کلام ہونے کی روایت قائم ہوئی۔ پھر ٹہل ٹہل کر اس پر طبع آزمائی ہونے لگی۔ انسان اور جنگل کی مخلوق میں جو ایک واضح فرق پیدا ہو گیا تھا کہ انسان ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھانے لگا تھا جبکہ جنگلی مخلوق چراگاہوں میں چرتی پھرتی تھی اور پرندے دانے دُنکے کی تلاش میں پورے کھیت کو تختۂ مشق بناتے تھے، اب باقی نہ رہا اور مدتوں کے بچھڑے ہوئے سینہ چاکانِ چمن ایک بار پھر اپنے عزیزوں سے آ ملے۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کیا ہماری تہذیب کا گراف نیچے سے اوپر کی طرف گیا ہے تو میں کہوں گا کہ بے شک ایسا ہرگز نہیں ہوا ہے کیونکہ ہم نے فرش پر چوکڑی مار کر بیٹھنے کی روایت ترک کر کے، کھڑے ہو کر اور پھر چل کر کھانا کھانے کے وتیرے کو اپنا لیا ہے جو چرنے اور دانہ دُنکا چگنے ہی کا ایک جدید روپ ہے۔ کسی بھی قوم کے اوپر جانے یا نیچے آنے کا منظر دیکھنا مقصود ہو تو یہ نہ دیکھیے کہ اس کے قبضۂ قدرت میں کتنے علاقے اور خزانے آئے یا چلے گئے، فقط یہ دیکھیے کہ اس نے طعام اور شرکائے طعام کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

بچپن کی بات ہے۔ ہمارے گاؤں میں ہر سال کپڑا بیچنے والے پٹھانوں کی ایک ٹولی وارد ہوتی تھی۔ یہ لوگ سارا دن گاؤں گاؤں پھر کر کپڑا بیچنے کے بعد شام کو مسجد کے حجرے میں جمع ہوتے اور پھر وہ زمین پر کپڑا بچھا کر دائرے کے انداز میں بیٹھ جاتے۔ درمیان میں شوربے سے بھری ہوئی پرات بحرالکاہل کا منظر دِکھاتی جس میں گوشت کی بوٹیاں ننھے منے جزیروں کی طرح اُبھری ہوئی

دِکھائی دیتیں۔ وہ ان بوٹیوں کو احتیاط سے نکال کر ایک جگہ ڈھیر کر دیتے اور شوربے میں روٹیوں کے ٹکڑے بھگو کر ان کا ملیدہ سا بنانے لگتے۔ جب ملیدہ تیار ہو جاتا تو شرکائے طعام پوری دیانت داری کے ساتھ آپس میں بوٹیاں تقسیم کرتے اور پھر اللہ کا پاک نام لے کر کھانے کا آغاز کر دیتے۔ وہ کھانا رُک رُک کر، ٹھہر ٹھہر کر کھاتے مگر بغیر رُکے بے تکان بولتے۔ مجھے ان کے کھانا کھانے کا انداز بہت اچھا لگتا تھا۔ میں انھیں دیکھتا اور خوش ہوتا۔ وہ بھی مجھے دیکھ کر خوش ہوتے اور برادرانہ محبت میں لتھڑا ہوا ایک آدھ لقمہ میری طرف بھی بڑھا دیتے۔ ان میں سے جب ایک شخص لقمہ مرتب کر لیتا تو پہلے اپنے قریبی ساتھیوں کو پیش کرتا اور ادھر سے 'جزاک اللہ' کے الفاظ وصول کرنے کے بعد اپنے منہ میں ڈالتا۔ محبت اور بھائی چارے کا ایک ایسا لازوال منظر آنکھوں کے سامنے اُبھرتا کہ میں حیرت زدہ ہو کر انھیں بس دیکھتا ہی چلا جاتا اور تب میں دسترخوان پر کھانا کھانے کے اس عمل کا اپنے گھر والوں کے طرزِ عمل سے موازنہ کرتا تو مجھے بڑی تکلیف ہوتی کیونکہ ہمارے گھر میں صبح و شام ہانڈی تقسیم کرنے والی بڑی خالہ کے گرداگرد بچوں کا ایک ہجوم جمع ہو جاتا۔ مجھے یاد ہے، جب بڑی خالہ کھانا تقسیم کر رہی ہوتیں تو ہماری حریص آنکھیں ہانڈی میں ڈوئی کے غوطے لگانے اور پھر وہاں سے برآمد ہو کر ہمارے کسی سنگی ساتھی کی رکابی میں اُترنے کے عمل کو ہمیشہ شک کی نظروں سے دیکھتیں۔ اگر کسی رکابی میں نسبتاً بڑی بوٹی چلی جاتی تو بس قیامت ہی آ جاتی۔ ایسی صورت میں خالہ کی گرجدار آواز کی پروا نہ کرتے ہوئے ہم بڑی بوٹی والے کی تکا بوٹی کرنے پر تیار ہو جاتے اور چھینا جھپٹی کی اس روایت کا ایک ننھا سا منظر دِکھاتے جو نئے زمانے کے تحت اب عام ہونے لگی ہے۔

اس زمانے میں کبھی کبھار ایک انگریز افسر بھی والد صاحب سے گھوڑے خریدنے آ جاتا۔ والد صاحب اس کے لیے میز کرسی لگواتے، انگریزی کھانا تیار کرواتے اور پھر گھنٹوں اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ ہمیں اس سے بہت ڈر لگتا تھا اس لیے ہم اکثر کھڑکی کی جالی کے ساتھ چہرہ لگا کر اسے کھانا کھاتے ہوئے دیکھتے اور حیران ہوتے کہ صاحب بہادر کھانا کھا رہا ہے یا آپریشن کر رہا ہے۔ وہ اپنی پلیٹ میں ایک اُبلا ہوا آلو لے کر بیٹھ جاتا اور پھر چھریوں اور کانٹوں سے گھنٹوں اس کے پرخچے اُڑاتا رہتا۔ یوں لگتا جیسے وہ میدانِ جنگ میں کھڑا ہے۔ آلو اس کا دشمن ہے جسے وہ اپنے اسلحے کی مدد سے زیر کرنے میں مصروف ہے۔ وہ جو کھانے کے معاملے میں رواداری، مفاہمت اور لطف اندوزی کا رویہ ہوتا ہے اس انگریز افسر میں مجھے قطعاً نظر نہ آیا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے کی روایت ہمارا عزیز ترین ثقافتی ورثہ تھا۔ اب یہ روایت اوّل تو کہیں نظر ہی نہیں آتی اور کہیں نظر آ جائے تو مارے شرمندگی کے فی الفور خود میں سمٹ جاتی ہے۔ حالانکہ اس میں شرمندہ ہونے کی قطعاً کوئی بات نہیں۔ بلکہ میں کہوں گا کہ دسترخوان پر بیٹھنا ایک تہذیبی اقدام ہے جب کہ کھڑے ہو کر کھانا ایک نیم وحشی عمل ہے مثلاً یہی دیکھیے کہ جب آپ دسترخوان پر بیٹھتے ہیں تو دائیں بائیں یا سامنے بیٹھے ہوئے شخص سے آپ کے برادرانہ مراسم فی الفور استوار ہو جاتے ہیں۔ آپ محسوس کرتے ہیں جیسے چند ساعتوں کے لیے آپ دونوں ایک دوسرے کی خوشیوں، غموں اور بوٹیوں میں شریک ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جب آپ کے سامنے بیٹھا ہوا آپ کا کرم فرما دریادلی اور مروّت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی پلیٹ کا شامی کباب آپ کی رکابی میں رکھ دیتا ہے تو جوابِ آں غزل کے طور پر آپ بھی اپنی پلیٹ سے مرغ کی ٹانگ نکال کر اسے پیش کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد کھانا کھانے کے دوران لین دین کی وہ خوشگوار فضا از خود قائم ہو جاتی ہے جو ہماری ہزاروں برس کی تہذیب کا مظہر ہے۔ ایک لحظہ کے لیے بھی یہ خطرہ محسوس نہیں ہوتا کہ سامنے بیٹھا ہوا شخص آپ کا مدِمقابل ہے اور اگر آپ کی ذرا بھی آنکھ جھپکی تو وہ آپ کی پلیٹ پر

ہاتھ صاف کر جائے گا۔ دسترخوان کی یہ خوبی ہے کہ اس پر بیٹھتے ہی اعتماد کی فضا بحال ہو جاتی ہے اور آپ کو اپنا شریکِ طعام حد درجہ شریف دِکھائی دینے لگتا ہے۔ دوسری طرف کسی بھی بوفے ضیافت کا تصوّر کیجیے تو آپ کو نفسا نفسی اور چھینا جھپٹی کی فضا کا احساس ہوگا اور ڈارون کا 'جہد للبقا' کا نظریہ بالکل سچا اور برحق نظر آئے گا۔

دسترخوان کی ایک اور خوبی اس کی خود کفالت ہے۔ جب آپ دسترخوان پر بیٹھتے ہیں تو اس یقین کے ساتھ کہ آپ کی جملہ ضروریات کو بے طلب پورا کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ سامنے دسترخوان پر ضرورت کی ہر چیز موجود ہے حتیٰ کہ اچار، چٹنی اور پانی کے علاوہ خلال تک مہیا کر دیے گئے ہیں۔ دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد اگر آپ کسی کو مدد کے لیے بلانے پر مجبور ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو میزبان نے حقِ میزبانی ادا نہیں کیا یا مہمان نے اپنے منصب کو نہیں پہچانا۔

دسترخوان کی خوبی یہ ہے کہ وہ زمین کے سینے سے چمٹا رہتا ہے تاکہ وہ براہِ راست زمین سے اس کی پراسرار قوت کشید کر سکے۔ جب آپ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں تو اس کی غذائیت ہزار گنا بڑھ جاتی ہے جب کہ میز کرسی پر یا چل پھر کر کھانا کھائیں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس کھانے میں وہ برقی رو موجود نہیں جو زمین کی شریانوں سے دسترخوان کی قوسوں اور پھر وہاں سے انسان کی رگوں میں بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچتی ہے۔

دسترخوان آپ کو زمین کے لمس ہی سے آشنا نہیں کرتا بلکہ اُنگلیوں کے لمس سے بھی متعارف کرواتا ہے۔ چھری کانٹے یا چمچے سے کھانا کھانے میں وہ لطف کہاں جو ہاتھ سے کھانے میں ہے۔ اس میں دوہرا لطف ہے؛ ایک تو اس چیز کا لطف جو کھائی جا رہی ہے، دوسرے اُنگلیوں کا لمس۔

دسترخوان ہی پر آپ کو پہلی بار اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہر کھانے والے کی زبان، تالو، دانت اور ہونٹ کھانے کے دوران مل جل کر ایک ایسی مخصوص آواز نکالتے ہیں جو نہ صرف دوسری آوازوں سے مختلف ہوتی ہے بلکہ جس میں کھانے والے کی ساری شخصیت سمائی ہوتی ہے۔ کسی شخص کے اصل کردار سے آشنا ہونا ہو تو کھانے کے دوران اس کے منہ سے برآمد ہونے والی آوازوں پر کان دھریں کیونکہ ہر شخص کے اندر کی ساری شرافت یا خباثت اس کے کھانے کی آواز ہی میں مضمر ہوتی ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ دسترخوان پر پوری دلجمعی سے بیٹھ کر کھانا کھانے اور بوفے ضیافت میں انتہائی سراسیمگی کے عالم میں کھانا زہر مار کرنے میں وہی فرق ہے جو محبت اور ہوس میں ہے، خوشبو اور بدبو میں ہے، صبح کی چہل قدمی اور سوگز کی دوڑ میں ہے۔

معانی و اشارات

نمودار ہونا	–	ظاہر ہونا، عیاں ہونا
مدمقابل	–	مخالف
سروقد کھڑا ہونا	–	سیدھا کھڑا ہونا
ہم کلام ہونا	–	بات کرنا، مخاطب ہونا
تختۂ مشق بنانا	–	کسی مقصد کے لیے کسی چیز کو بار بار استعمال کرنا
سینہ چاکانِ چمن	–	مُراد جُدائی کا دکھ اُٹھائے ہوئے لوگ
ترک کرنا	–	چھوڑ دینا
وتیرہ	–	طریقہ
شرکا	–	شریک کی جمع، شرکت کرنے والے
وارد ہونا	–	حاضر ہونا
حریص	–	لالچی

پرخچے اُڑنا - پرزہ پرزہ ہونا
فی الفور - فوراً
مراسم - تعلقات
استوار ہوجانا - قائم ہوجانا
بوفے ضیافت - ایسی دعوت جس میں کھانے والے پلیٹوں میں خود کھانا لے کر اکثر کھڑے کھڑے کھاتے ہیں۔
جہد للبقا - زندہ رہنے کے لیے جدوجہد
خباثت - بُرائی
مضمر - چھپا ہوا
سراسیمگی - گھبراہٹ
جوابِ آں غزل - مراد ایک بات کے جواب میں دوسری بات کہنا
زہر مار کرنا - نہ چاہتے ہوئے کھانا
کشید کرنا - حاصل کرنا، کھینچنا

مشقی سرگرمیاں

* **سبق کا بغور مطالعہ کیجیے اور سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔**

۱۔ کھانے کے طریقوں میں ذیل کی تبدیلیوں کو ترتیب وار لکھیے :
(i) پلیٹ ہتھیلی پر سجادی گئی
(ii) آلتی پالتی مار کر کھانا
(iii) ٹہل ٹہل کر ہم کلام ہوتے ہوئے کھانا
(iv) سر جوڑ کر کھانا

۲۔ دسترخوان پر بیٹھتے ہی ہونے والے پہلے فائدے کو اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

۳۔ تہذیبی گراف کے اوپر جانے سے مصنف کے اختلاف کا سبب تحریر کیجیے۔

۴۔ بحرالکاہل اور ننھے منے جزیروں کے مرادی معنی لکھیے۔

۵۔ پٹھانوں کے کھانا کھانے کے طریقے میں اسلامی روایات تلاش کر کے لکھیے۔

۶۔ مصنف کو پٹھانوں کے کھانے کا انداز پسند آنے کی وجہ تحریر کیجیے۔

۷۔ بڑی خالہ کے کھانا تقسیم کرتے وقت پیش آنے والا واقعہ قلمبند کیجیے۔

۸۔ کھانے کے تہذیبی عمل اور نیم وحشی عمل کے فرق کو واضح کیجیے۔

۹۔ ”دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا ہماری ہزاروں برس کی تہذیب کا مظہر ہے۔“ سبق کے حوالے سے ثابت کیجیے۔

۱۰۔ سبق میں ذکر کیے گئے جسمانی اعضا کے نام تلاش کر کے لکھیے۔

۱۱۔ ”صاحب بہادر کھانا کھا رہا ہے یا آپریشن کر رہا ہے۔“ جملے کے مفہوم کو واضح کیجیے۔

* **ذیل کے جملوں کے مطابق صحیح متبادل لکھیے :**

الف۔ دسترخوان پر بیٹھتے ہی ....
(i) نفسانفسی کی فضا بحال ہوجاتی ہے۔
(ii) ڈارون کا نظریہ سچ نظر آنے لگتا ہے۔
(iii) اعتماد کی فضا بحال ہوجاتی ہے۔

ب۔ انگریزی کھانے کے طریقے میں ....
(i) تہذیب وثقافت کا رویہ ہوتا ہے۔
(ii) مفاہمت اور رواداری کا رویہ ہوتا ہے۔
(iii) جنگ وجدال کا رویہ ہوتا ہے۔

ج۔ دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد مددگار کو بلانے کا مطلب ہے.....
(i) میزبان میزبانی کا حق ادا نہیں کرسکا۔
(ii) دسترخوان پر کسی چیز کی کمی تھی۔
(iii) مددگاروں نے کوتاہی برتی ہے۔

د۔ کسی شخص کے اصل کردار سے آشنا ہونا ہو تو ....
(i) پلیٹ اور پلیٹ میں کھانے کی مقدار پر نظر رکھیں۔
(ii) منہ سے برآمد ہونے والی آوازوں پر کان دھریں۔
(iii) کھانے کے دوران اس کی حرکات پر نظر رکھیں۔

* **ذیل کے الفاظ کو لغوی ترتیب میں لکھیے :**

وطن ، وصف ، واضح ، وارد

* ذیل کے جملوں سے مفرد، مرکب اور مخلوط جملوں کی شناخت کر کے لکھیے۔

الف۔ دسترخوان کی ایک اور خوبی اس کی کفالت ہے۔

ب۔ یہ بچپن کی بات ہے۔

ج۔ ایک لحظہ کے لیے بھی یہ خطرہ محسوس نہیں ہوتا کہ آپ کے سامنے بیٹھا شخص آپ کا مدِمقابل ہے۔

د۔ وہ اپنی پلیٹ میں ایک اُبلا ہوا آلو لے کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر چھریوں کانٹوں سے گھنٹوں اس کے پرخچے اُڑاتا رہتا ہے۔

* ذیل سے غیر متعلق لفظ الگ کیجیے:

(i) خوشیوں ، بوٹیوں ، جذبوں ، غموں

(ii) سروقد ، وحشی ، محبت ، حریص

* سبق سے دو ایسے جملے تلاش کر کے لکھیے جن میں متضاد الفاظ آئے ہیں۔

* سبق میں 'رُک رُک کر، ٹھہر ٹھہر کر' فقرے آئے ہیں۔ اس طرح کے مزید دو فقرے لکھیے۔

* دیے ہوئے موضوع سے متعلق اتفاقِ رائے یا اختلافِ رائے لکھیے۔

روٹی بینک ضرورت یا..........

* دیے ہوئے حروف کے نمبروں کے مطابق ذیل کے جوابی نمبروں سے صحیح ترتیب نقل کر کے بننے والا لفظ لکھیے۔ (دائیں سے بائیں)

(i) فوراً / جھٹ پٹ کے معنی والا لفظ

حروف کے نمبر: ا ر ف ف ل و ی

1 2 3 3 4 5 6

(i) 2534163 (ii) 6543321

(iii) 1243365

(ii) سبق کا مرکزی موضوع ترتیب پاتا ہو

حروف کے نمبر: ا ت خ د ر س ن و

1 2 3 4 5 6 7 8

(i) 7382564 (ii) 32187654

(iii) 71835264

اضافی معلومات

دسترخوان پر کھانا کھانے کے فائدے

مشرقی ممالک میں قدیم زمانے سے زمین پر بیٹھ کر کھانے کا رواج ہے۔ زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھانا اسلامی تہذیب ہے۔ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے کے لیے دونوں پیر موڑ کر بیٹھنا ہوتا ہے یا ایک پیر موڑ کر بیٹھا جاتا ہے جس سے معدے کا ایک حصہ دب جاتا ہے اور اس میں غذا کی گنجائش کم ہو جاتی ہے۔ اس طرح انسان سیر ہو کر کھانے سے بچتا ہے جو بہتر صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔ نیچے بیٹھ کر کھانے کی عادت سے جوڑوں کی ورزش ہوتی ہے جس سے جوڑوں میں لچک قائم رہتی ہے اور انسان جوڑوں کے درد سے محفوظ رہتا ہے۔

پیر موڑ کر بیٹھنے سے ریڑھ کی ہڈی پر دباؤ پڑتا ہے اور عضلات اور اعصاب میں تناؤ کم ہوتا ہے جس سے انسان آرام محسوس کرتا ہے۔ اس کی جسمانی وضع بہتر رہتی ہے۔ رکابی دسترخوان پر ہو تو ہر نوالے کے لیے سامنے جھکنا ہوتا ہے۔ اس مسلسل حرکت کے نتیجے میں معدے میں دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے۔ اچھے ہاضمے کا انحصار بہتر دورانِ خون پر ہے۔ اس طرح بیٹھ کر کھانے سے دماغ میں خون کی کم مقدار پہنچتی ہے۔ دماغ کو سکون ملتا ہے۔ پرسکون دماغ کے ساتھ کھانا کھایا جائے تو صحت پر اس کے مثبت اثرات پڑتے ہیں۔

کھڑے ہو کر کھانے پینے کے نقصانات

کھڑے ہو کر کھانے پینے سے اسلام نے منع کیا ہے۔ کھڑے ہو کر کھانا کھانے سے معدے میں سکڑاؤ پیدا نہیں ہوتا۔ معدے کی گنجائش زیادہ ہو جاتی ہے اس لیے کھانا زیادہ مقدار میں اور تیزی سے کھایا جاتا ہے۔ نتیجے میں معدے میں ہضمی افرازات زیادہ خارج ہوتے ہیں جو تیزابیت (ایسیڈیٹی) کا سبب بنتے ہیں اور بعض وقت انسان السر کا بھی شکار ہو جاتا ہے۔ بسیار خوری کی عادت کے نتیجے میں انسان کا وزن بڑھتا جاتا ہے جو مختلف بیماریوں کی وجہ بنتا ہے جیسے بلڈ پریشر، ذیابیطس، جوڑوں کا درد وغیرہ۔ کھڑے ہو کر کھانا کھانے کی عادت سے پیروں کے جوڑوں کی خاطر خواہ حرکت نہ ہونے سے بھی انسان گھٹنوں کے درد میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسلام نے پانی بھی کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا ہے اور بیٹھ کر تین سانس میں پینے کی تاکید کی ہے۔ ایک ہی سانس میں کھڑے ہو کر پانی پینے سے معدے کی دیوار کو نقصان پہنچتا ہے۔ ایسیڈیٹی پیدا ہوتی ہے۔ گردے خون کی صفائی کا فعل ٹھیک طرح انجام نہیں دیتے جس کے نتیجے میں فاسد مادّے گردوں اور مثانے میں رہ جاتے ہیں اور ان اعضا کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

۱۰۔ بادشاہ عقل و دل

ملا وجہی

پہلی بات : اُردو شاعری کے اوّلین نمونے جس طرح دکن میں پائے جاتے ہیں، اسی طرح نثر کے ابتدائی نمونے بھی دکنی اُردو ہی میں دستیاب ہوئے ہیں۔ ان میں سب سے اہم ملا وجہی کی 'سب رس' ہے۔ ملا وجہی نے یہ کتاب سلطان عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر لکھی تھی۔ یہ ایک طویل تمثیلی داستان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وجہی نے یہ کتاب فارسی زبان کے شاعر فتاحی کی مثنوی 'دستور العشاق' کو سامنے رکھ کر لکھی تھی۔ قصہ کہانی کہنا اور سننا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی شوق کو پورا کرنے کے لیے اُردو میں داستانیں لکھی گئیں۔ 'سب رس' کا قصہ نہایت دلچسپ ہے اور سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ کتاب قدیم اُردو میں لکھی گئی ہے۔ اس کی عبارت مقفّٰی ہے۔ اس سبق کو پڑھ کر ہم قدیم اُردو سے آشنا ہوجائیں گے۔

جان پہچان : ملا وجہی قطب شاہی دور کے مشہور شاعر اور نثر نگار تھے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے دربار میں انھیں ملک الشعرا کا درجہ حاصل تھا۔ وجہی کے مقام و تاریخ پیدائش کا تاریخ کی کتابوں میں ذکر نہیں۔ اسی طرح ان کے سنۂ وفات کا بھی پتا نہیں چلتا۔ البتہ اتنا درست ہے کہ انھوں نے چار قطب شاہی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں مثنوی 'قطب مشتری، تاج الحقائق، ماہِ سیما و پری رُخ' وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔

ایک شہر تھا۔ اس شہر کا ناوں سیستان۔ اس سیستان کے بادشاہ کا ناوں عقل۔ دین و دنیا کا تمام کام اس تے چلتا۔ اس کے حکم باج ذرا کیں نَیں ہَلتا۔ اس کے فرمائے پر جو چلے، ہر دو جہاں میں ہوئے بھلے۔ سو اس عقل بادشاہ کوں، عالم پناہ کوں، ظل اللہ کوں، صاحب سپاہ کوں ایک فرزند تھا کہ اس کا جوڑا دنیا میں کئیں نہ تھا۔ واصلِ کامل، عاشقِ عاقل، عالمِ عامل، ناوں اس کا دل۔ تخت و تاج کا لائق، سب پر فائق، بات میں قابل، سمج میں فاضل۔ سو ایک دِہس، اس عقل بادشاہ، حقیقت آگاہ کے دل پر کچھ آیا، اپنا اندیشہ اپس کوں بھایا۔ سو اس کوں، اس شاہ زادے کوں، اس ماہ زادے کوں، اس متقی کوں، اس سب عِلماں کے دھنی کوں تن کے ملک کی بادشاہی دیا۔ تن کے ملک کا بادشاہ کیا، سرفراز کیا، ممتاز کیا۔ دل بادشاہ کے ہات میں تن کا ملک آیا۔ ٹھارے ٹھار، کو نچے کو نچے، بازارے بازار اپنی دُراہی پھرایا۔ تن دل کا فرماں بردار، جوں نفر خدمت گار۔ جدھر دل جاتا، دل کے پچھیں تن بی آتا۔ نوے نوے قانون دھرنے لگیا۔ دل، تن کے ملک کی بادشاہی کرنے لگیا۔

القصہ ایک رات دل بادشاہ کمباچ، طنبور، قانون، عود منگا کر، مطرباں خوش سرور بلا کر مجلس کیا۔ ارکانِ دولت، ندیم، قصہ خواں، خوش طبعاں، لطیفہ گویاں، حاضر جواباں، گل رویاں، خوش خویاں سب حاضر تھے۔ بارے اس وقت یکایک عین مستی میں، فراغ دستی میں، اس کمال ہستی میں، ایک قدیم ندیم، بھوت لطافت سوں، بھوت فصاحت سئوں، بھوت بلاغت سئوں، بات کا سر رشتہ کاڑ کر، ایک تازے آبِ حیات کا قصہ پڑیا۔ وَلے پڑتے وقت اس قصے کی مستی چڑی، سو آپے بی ٹک گر پڑیا۔ دل کھولیا، بات سنیا تھا سو بولیا کہ جو کُئی یو آبِ حیات کو پیوے گا، دوسرا خضر ہووے گا۔ اس جگ میں سدا جیوے گا۔ دنیا میں جیونا اُسیچ کا ہے۔ جو کُئی یو آبِ حیات پیا نَیں، تو دنیا میں عبث آیا۔ کیا لذت دیکھیا، کچھ نَیں کیا۔ عبث جیا۔ جس کے دل میں یو نَیں طمع، کیا جیونا اس کا، کس جیونے میں جمع۔

جس کے آب حیات سوں تر ہوئیں گے لب، حیران ہووے گا، تماشا دیکھے گا عجب عجب۔ اس آبِ حیات کی بات کا اثر بھوت وھاں سوں دل بادشاہ کے سر چڑیا۔ دل بادشاہ اس آبِ حیات کی بات پر مطلق عاشق ہوا، بیتاب ہو پڑیا۔ دل بھوتچ طالب ہوا۔ اشتیاق غالب ہوا۔ بات سنتے اس حال کوانپڑیا، عاشق تھا بچارا بیگیچ سنپڑیا۔

القصہ دل بادشاہ، حقیقت آگاہ بھوت بے دل ہوا۔ دل پر کام مشکل ہوا۔ شہر سب حیران، گھر گھر لوگاں پریشان۔ جتے جتّا دوڑے، سرگرداں ہو کر سب سر پھوڑے۔ پیشوا، دبیر، امیر، وزیر، کُئی کر نَیں سکے اس کی تدبیر۔ ویسے میں دل بادشاہ کوں، خصوص ایک جاسوس تھا، اس کا ناوں نظر۔ سب ٹھاوں اس کا گزر۔ سب جگہ کی معلوم اسے خبر۔ کُئی نہ جاسکے وھاں جاوے۔ کُئی نیَں خبر لیا تا سو خبر لیاوے۔ سو وو نظر جاسوس دل بادشاہ کے حضور آ کر، تسلیم کر بولیا کہ اے دل بادشاہ، عالم پناہ! مجھے رخصت دے۔ اس کام کوں میں جاؤں گا۔ جدھر کدھر ڈھونڈ کرتوں منگتا سو آبِ حیات کی خبر میں لیاؤں گا۔ بارے دل بادشاہ نظر کی یو بات سنیا تو خوش ہوا۔ نظر جاسوس کوں شاباش، شاباش کہیا۔ گلے لگایا، خدا کی درگاہ اُمیدوار ہو کر رضا دیا کہ تو جا، یو خوش خبر لے کر بیگ آ۔ تاخیر نکو کر، اس کام کو تقصیر نکو کر۔ مبارک ہے، جاگے تیرے نصیب کہ نصرٌ مِن اللہ وَ فتحٌ قریب۔

معانی واشارات

ناوں	–	نام
تے	–	سے
باج	–	بغیر
کیں	–	بھی
نیں	–	نہیں
ہَلتا	–	ہِلتا، قدیم تلفظ زبر کے ساتھ ہے۔
ظلِ اللہ	–	اللہ کا سایہ۔ بادشاہ کو مخاطب کرنے کے لیے استعمال کیا جانے والا فقرہ
صاحب سپاہ	–	فوج کا مالک
کنیں	–	کہیں
واصلِ کامل	–	اللہ کی یاد میں محو رہنے والا
عالمِ عامل	–	اپنے علم پر عمل کرنے والا عالم
فائق	–	ممتاز، برتر
سج	–	سمجھ
دیس	–	دن
حقیقت آگاہ	–	سچائی کو جاننے والا
اپس کوں	–	خود کو
عِلماں کا دھنی	–	بہت سے علوم کا ماہر

سرفراز کرنا	–	عزّت بڑھانا
ٹھارے ٹھار	–	جگہ جگہ
کونچے کونچے	–	کوچے کوچے، گلی گلی
دُراہی پھرانا	–	حکومت کا اعلان کرنا
نفر	–	نوکر، ملازم
پچھیں	–	پیچھے
بی	–	بھی
نوے نوے	–	نئے نئے
کمباچ، طنبور، قانون، عود	}	موسیقی کے سازوں کے نام
مطرباں خوش سرور	–	اچھی آواز میں گانے والے
ارکانِ دولت	–	درباری
ندیم	–	دوست
طبعاں	–	طبع کی جمع، طبیعت
گل رویاں	–	پھول جیسے، مراد خوبصورت چہرے والے
خوش خویاں	–	اچھی عادت والے
عین مستی میں	–	نشے کی حالت میں
فراغ دستی	–	چھیڑ چھاڑ، دراز دستی

کمالِ ہستی	-	مراد انتہا
بھوت	-	بہت (بروزن روگ)
سوں	-	سے
فصاحت	-	اچھی زبان کا استعمال
بلاغت	-	کم سے کم الفاظ میں اپنا مطلب بیان کرنا
سررشتہ	-	تعلق
کاڑ کر	-	نکال کر
پڑیا	-	پڑھا
ٹک	-	ذرا
کُئی	-	کوئی
یو	-	اس، یہ
جیونا	-	جینا
اُسیچ کا	-	اُسی کا
دیکھیا	-	دیکھا
بھوتچ	-	بہت زیادہ

انپڑیا	-	آ پہنچا
بیگیچ	-	بہت جلد
سنپڑیا	-	پکڑا گیا
جتّے	-	مراد جتنے لوگ
جتّا	-	جتنا
خصوص	-	خاص
ٹھاوں	-	جگہ
بارے	-	آخرکار
رضا	-	اجازت
بیگ آ	-	جلدی آ
تاخیر	-	دیر
نکو کر	-	مت کر
تقصیر	-	بھول چوک، قصور
نصرٌ من اللہ وَ فتحٌ قریب	}	اللہ کی مدد ہو تو فتح قریب ہوتی ہے۔

مشقی سرگرمیاں

*** سبق کے حوالے سے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔**

۱۔ بادشاہ کا نام لکھیے۔

۲۔ بادشاہ کے لیے استعمال کیے گئے صفاتی ناموں میں سے دو نام تحریر کیجیے۔

۳۔ شہزادے کو جس ملک کی بادشاہت ملی اُس کا نام تحریر کیجیے۔

۴۔ آبِ حیات کی خاصیت سے متعلق جملے نقل کیجیے۔

۵۔ بادشاہ کے جاسوس کی خوبیوں کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۶۔ بادشاہ کے جاسوس کا نام لکھیے۔

۷۔ آبِ حیات کی تلاش میں جانے والے کا نام لکھیے۔

۸۔ آبِ حیات کا قصہ پڑھنے والے کے بارے میں لکھیے۔

۹۔ 'نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریب' اس آیت کی سورت کا نام تحریر کیجیے۔

*** شہزادے کا نام اور صفاتی نام سے ذیل کا خاکہ مکمل کیجیے۔**

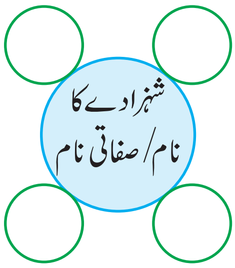

*** سبق کا جو حصہ آپ کو پسند آیا، اُسے نقل کیجیے۔**

*** ذیل کے الفاظ کا املا آج کے املے کے مطابق لکھیے۔**

کُئی　نئیں　لیاوے　کوں　دیکھیا　سچ

ناوں　یو　انپڑیا　سوں　پچھیں　اسیچ کا

*** ذیل کے ہم معنی الفاظ سبق سے تلاش کرکے لکھیے۔**

۱۔ خدا کا سایہ	۲۔ منفرد	۳۔ پڑھا
۴۔ دوست	۵۔ لالچ	۶۔ منشی
۷۔ رہبر/رہنما	۸۔ غلطی/کوتاہی	۹۔ خوش کلامی

* داستان کی مدد سے خاکہ مکمل کیجیے۔

دل بادشاہ کی مجلس کے آلاتِ موسیقی

* داستان سے مقفّٰی جملے تلاش کر کے لکھیے۔

* ’آبِ حیات‘ سے متعلق رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

جو کئی یو آبِ حیات کو پیوے گا ← [ ] ہووے گا۔
↓
[ ] جیوے گا۔
↓
[ ] اچّھا ہے۔

آبِ حیات سوں تر ہوئیں گے لب [ ] ہووے گا۔
↓
[ ] عجب عجب

* دیے ہوئے اقتباس کو موجودہ مروّج اِملے کے مطابق لکھیے۔

القصہ دل بادشاہ، حقیقت آگاہ بھوت بے دل ہوا۔ دل پر کام مشکل ہوا۔ شہر سب حیران، گھر گھر لوگاں پریشان۔ جتے جتّا دوڑے، سرگرداں ہوکر سب سر پھوڑے۔ پیشوا، دبیر، امیر، وزیر، کُئی کر نئیں سکے اس کی تدبیر۔ ویسے میں دل بادشاہ کوں، خصوص ایک جاسوس تھا، اس کا ناوں نظر۔ سب ٹھاوں اس کا گزر۔ سب جگہ کی معلوم اسے خبر۔ کُئی نہ جا سکے وھاں جاوے۔ کُئی نیں خبر لیا تا سو خبر لیاوے۔

اخباری اشتہارات

سب ایڈیٹرز کی فوری ضرورت ہے

☆ آپ کو سب سے پہلے خبر جاننے کا شوق ہے۔
☆ جو دیکھا، جو سوچا اسے دوسروں تک پہنچانے کیلئے بے تاب رہتے ہیں۔
☆ کتابیں، اخبار باقاعدگی سے پڑھتے ہیں۔
☆ اپنی تحریر کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنانے کی دھن سوار رہتی ہے۔

تعلیمی قابلیت اور صلاحیتیں:

☆ ایم اے اردو، انگریزی، ماس کمیونی کیشن، اکنامکس اور 3 سالہ صحافتی تجربے کو ترجیح دی جائے گی۔
☆ گریجویٹ 5 سالہ تجربے کے ساتھ بھی درخواست دے سکتے ہیں۔
☆ انگریزی سے اردو میں ترجمے کی خصوصی مہارت۔
☆ کمپیوٹر پر کمپوزنگ/ان پیج۔
☆ 24 گھنٹے میں کسی بھی شفٹ میں کام کرنے پر آمادگی۔

فالج ولقوہ

کا کامیاب علاج (مرد و خواتین) 16 سالہ تجربہ
بسم اللہ کلینک: بمبئی www.unanibismillah.com
ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن ایم ڈی (یونانی)
ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ ایم ڈی (یونانی)

اضافی معلومات

قطب شاہی

علاء الدین خلجی اور محمد تغلق کے دورِ حکومت میں بھارت کے جنوبی حصے کو دہلی سلطنت سے جوڑنے کی کوششیں ہونے لگی تھیں اور دہلی کے سلاطین اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ دہلی سے یہ علاقہ بہت دور ہونے کی وجہ سے سلاطینِ دہلی نے وہاں اپنے صوبے دار مقرر کیے تھے۔ وہ اپنے سپاہی ان علاقوں میں بھیجا کرتے تھے۔ تغلق حکومت میں ایسا ہی ایک فوجی سردار علاء الدین حسن (گنگو) جب دکن پہنچا تو اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور دکن میں بہمنی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ یہ سلطنت آگے چل کر پانچ صوبوں میں بٹ گئی اور ہر صوبے کا علیٰحدہ علیٰحدہ خود مختار بادشاہ ہوا۔ ان میں : (۱) عادل شاہی - بیجاپور (۲) قطب شاہی - گولکنڈہ (۳) نظام شاہی - احمد نگر (۴) عماد شاہی - برار (۵) بَرید شاہی - بیدر کی حکومتیں تشکیل پائیں۔ ان پانچوں سلطنتوں کے اکثر بادشاہ بڑے ادب نواز رہے ہیں بلکہ بعض بادشاہ خود اچھے شاعر اور موسیقی کے ماہر بھی تھے اور اپنے دربار میں فنکاروں کو بلند عہدے دیا کرتے تھے مثلاً گولکنڈہ کے بادشاہ عبداللہ قطب شاہ کے دربار میں ملا وجہی اور بیجاپور کے ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دربار میں نصرتی ’ملک الشعرا‘ کہلاتے تھے۔

۱۱۔ خطوط

مرزا غالبؔ

پہلی بات: ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ دور دراز مقامات پر سندیسے پہنچانے کے لیے کبوتروں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ کاغذ کے پرزے پر لکھا ہوا مختصر سا پیغام کبوتر کے پیروں میں باندھ کر اُڑا دیا جاتا جسے وہ منزلِ مقصود تک پہنچا آتا تھا۔ جب ڈاک کا نظام قائم ہوا تو خطوط کو اہمیت حاصل ہوئی۔ ہمارے زمانے میں انٹرنیٹ اور ٹیلی فون کی سہولت کے سبب خطوط کا رواج ختم سا ہو گیا ہے۔ تاہم ادبی خوبیوں کے سبب مکتوب نگاری ہمارے ادب کا حصہ بن گئی ہے۔

جان پہچان: مرزا اسد اللہ خان غالبؔ ۲۷؍ دسمبر ۱۷۹۷ء کو آگرے میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں ان کے والد عبداللہ بیگ خاں فوت ہو گئے۔ ان کے چچا نصر اللہ بیگ نے ان کی پرورش کی۔ غالبؔ نے ابتدائی تعلیم آگرے میں حاصل کی۔ پندرہ سال کی عمر میں وہ دہلی منتقل ہو گئے تھے۔ ۱۸۵۴ء میں وہ ذوقؔ کے انتقال کے بعد مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ کے استاد مقرر ہوئے۔ مرزا غالبؔ نے اگرچہ اپنے اُردو کلام کے سبب شہرت حاصل کی مگر انھوں نے فارسی میں بھی بلند پایے کی شاعری کی ہے۔ غالبؔ نے مکتوب نگاری میں اپنی الگ راہ نکالی۔ انھوں نے خط نگاری کے روایتی اور رسمی انداز کو ترک کیا اور خط کو بے تکلّف گفتگو اور شخصی جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ مکتوب نگاری میں غالبؔ کے خطوط کو اعلیٰ درجہ حاصل ہے۔ ذیل میں ان کے مختلف موضوع خطوط دیے جا رہے ہیں۔ ان کے اُردو خطوط کا مجموعہ 'عودِ ہندی' کے نام سے ۱۸۶۸ء میں اور دوسرا مجموعہ 'اُردوئے معلّیٰ' ان کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ مرزا غالبؔ نے ۱۵؍ فروری ۱۸۶۹ء کو دہلی میں وفات پائی۔

منشی عبداللطیف: غالبؔ کے عزیز دوست منشی نبی بخش حقیرؔ کے بیٹے تھے۔ اس دوستانہ رشتے کی وجہ سے غالبؔ کو حقیرؔ کے اہلِ خانہ کا بڑا خیال رہتا تھا اس لیے جب عبداللطیف کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو غالبؔ نے تہنیتی خط بھیجا۔

منشی شیو نرائن آرامؔ: غالبؔ کے دوستوں میں سے تھے۔ مرزا ہرگوپال تفتہؔ اور آرامؔ نے غالبؔ کے خطوط مرتب کرنے کے لیے ان سے اجازت چاہی تھی مگر انھیں سختی سے منع کر دیا گیا۔ غالبؔ اپنا پتا 'غالبؔ، دہلی' لکھوانا چاہتے تھے مگر آرامؔ غالبؔ کا مکمل پتا لکھتے تھے اس لیے آرامؔ کے خطوط انھیں صوری طور پر پسند نہیں آتے تھے۔ آرامؔ کا اپنا پریس تھا جہاں غالبؔ کی کتابیں شائع ہوتی تھیں۔

تہنیتی خط

بنام منشی عبداللطیف

برخوردار نورِ چشم عبداللطیف

بعد دعائے دوامِ دولت وطولِ عمر، معلوم کریں کہ بھائی صاحب کے کہنے سے معلوم ہوا کہ تمھارے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ بہت مجھ کو خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تم کو مبارک کرے اور تم کو تمھارے باپ کے سایۂ عطوفت اور اس کو تمھارے ظلِ رافت میں سلامت رکھے۔ اس کی اولاد تم کو دِکھلاوے۔ تم جو نام رکھو، اس سے مجھ کو اطلاع دینا۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی نام ایسا ملے کہ جس کے اعداد سے سالِ ولادت ظاہر ہو۔ والدّعا

مرسلہ: دوشنبہ، ۱۰؍ مارچ ۱۸۵۱ء — از اسد اللہ

تجارتی خط

بنام منشی شیونرائن آرامؔ

شفیق میرے، مکرّم میرے، منشی شیونرائن صاحب !

میں نہیں چاہتا کہ دو جز یا چار جز کی کتاب ہو۔ چھے جز سے کم نہ ہو۔ مسطر دس گیارہ سطر کا ہو مگر حاشیہ تین طرف بڑا رہے۔ شیرازے کی طرف کا کم ہو۔ اس کے سوا یہ ہے کہ کاپی کی تصحیح ہو، غلط نامے کی حاجت نہ پڑے۔ آپ خود متوجہ رہیے گا اور منشی نبی بخش صاحب کو اگر کہیے گا تو وہ بھی آپ کے شریک رہیں گے اور مرزا تفتہؔ تو مالک ہی ہیں۔

کاغذ شیورام پوری ہو مگر سفید اور مہرہ کیا ہوا اور لعاب دار ہو۔ پھر یہ کہ حاشیے پر جو لغات کے معنی لکھے جائیں تو اس کی طرزِ تحریر اور تقسیم دل پسند اور نظر فریب ہو۔ حاشیے کی قلم بہ نسبت متن کی قلم کے خفی ہو۔ مرزا تفتہؔ کو پانچ جلدوں کا لکھا تھا لیکن اب چھے جلدیں تیار کیجیے گا۔ ان چھے جلدوں کی جو لاگت پڑے، میں بہ مجرد طلب کے فوراً ہنڈی بھیج دوں گا۔

سہ شنبہ، ۳۱/اگست ۱۸۵۸ء   راقم اسد اللہ

تعزیتی خط

بنام نواب حسین مرزا

بھائی صاحب !

آج تک سوچتا رہا کہ بیگم صاحبہ قبلہ کے انتقال کے باب میں تم کو کیا لکھوں۔ تعزیت کے واسطے تین باتیں ہیں : اظہارِ غم، تلقینِ صبر، دعائے مغفرت۔ سو بھائی، اظہارِ غم تکلفِ محض ہے۔ جو غم تم کو ہوا ہے، ممکن نہیں کہ دوسرے کو ہوا ہو۔ تلقینِ صبر بے دردی ہے۔ پس ایسے موقع پر صبر کی تلقین کیا کی جائے۔ رہی دعائے مغفرت؛ میں کیا اور میری دعا کیا؟ مگر چونکہ وہ میری مربّیہ اور محسنہ تھیں، دل سے دعا نکلتی ہے۔ تمھارا یہاں آنا سنا جاتا تھا۔ اس واسطے خط نہ لکھ سکا۔ اب جو معلوم ہوا کہ دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے اور اس سبب سے آنا نہ ہوا، یہ چند سطریں لکھی گئیں۔ حق تعالیٰ تم کو سلامت اور تندرست اور خوش رکھے۔

۱۵/نومبر ۱۸۶۶ء   تمھاری خوشی کا طالب

غالبؔ

معانی و اشارات

دوامِ دولت	–	ہمیشہ مالدار رہنا
طولِ عمر	–	دراز/لمبی عمر
معلوم کریں کہ	–	مراد آپ کو معلوم ہو کہ (یہ خط میں تخاطب کا ایک فقرہ ہے)
عطوفت	–	شفقت، محبت
ظل	–	سایہ
رافت	–	مہربانی
جز	–	حصہ، سولہ صفحے

مسطر	-	سطریں بنا ہوا کاغذ جس پر کاتب چھپائی سے قبل لکھتے ہیں۔
شیرازہ	-	کتاب کی سلائی کا حصہ
مہرہ	-	چھاپہ
لعاب دار	-	چکنا کاغذ
نظر فریب	-	دلکش
خفی	-	باریک
بہ مجرد طلب کے	-	طلب کیے جانے پر/ مانگے جانے پر
ہنڈی	-	چیک، کاغذِ زر، روپیا وصول کرنے کے لیے دیا جانے والا کاغذ
دوشنبہ	-	پیر
سہ شنبہ	-	منگل
مربیہ	-	پالنے والی
محسنہ	-	احسان کرنے والی
دشمنوں کی طبیعت ناساز ہونا	}	مراد جس سے بات کی جارہی ہو، اس کی طبیعت خراب ہونا

مشقی سرگرمیاں

خطوط کا بغور مطالعہ کیجیے اور دی ہوئی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ خطوط کی قسموں کے نام لکھ کر رواں خاکے کو مکمل کیجیے۔

خطوط کی قسمیں : ☐ - ☐ - ☐

۲۔ خط میں تخاطب کے لیے استعمال کیے گئے القاب لکھیے۔

۳۔ خطوط سے بے تکلف گفتگو کی ایک مثال لکھیے۔

۴۔ خطوط کے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے نام لکھیے۔

۵۔ منشی عبداللطیف کے خط کا موضوع بیان کیجیے۔

۶۔ والد اور نومولود کے حق میں غالبؔ کی دعا کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۷۔ بچّے کا نام رکھنے سے متعلق غالبؔ کی نصیحت تحریر کیجیے۔

۸۔ تجارتی خط کا مقصد تحریر کیجیے۔

۹۔ کتاب کے حاشیے سے متعلق احتیاط کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۱۰۔ کاپی کی تصحیح کے لیے ذمہ دار اشخاص کے نام لکھیے۔

۱۱۔ کاغذ کے معیار سے متعلق غالبؔ کی پسند لکھیے۔

۱۲۔ جن صاحب کی اہلیہ کا انتقال ہوا، اُن کا نام لکھیے۔

۱۳۔ غالبؔ کے مطابق تعزیت کے لیے تین ضروری باتیں لکھیے۔

۱۴۔ اظہارِ غم کو تکلّفِ محض کہنے کا مطلب اور سبب لکھیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

مختلف ادبا اور شعرا نے اپنے دوست احباب، عزیز و اقارب کو تعزیتی خط لکھے ہیں۔ انھیں تلاش کر کے پڑھیے۔

اضافی معلومات

مکتوب نگاری

مکتوب یا خط ترسیل و ابلاغ کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کی ابتدا ماقبل تاریخ سے بتائی جاتی ہے۔ تحریر کو خط بھی کہتے ہیں جس نے بعد میں اپنے معنوں میں قدرے تبدیلی پیدا کی۔ خط متعدد اقسام کے ہوتے ہیں؛ نجی، سیاسی، دفتری، کاروباری، علمی وغیرہ۔ نجی خط دو آدمیوں کے درمیان آپسی معاملے یا مقصد کے لیے لکھے جاتے ہیں اور ان خطوں میں کوئی تکلف نہیں ہوتا۔ ان کی کیفیت راست گفتگو کی سی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ان خطوط میں عالمانہ اور خطیبانہ انداز بھی آ جاتا ہے مثلاً ابوالکلام آزاد کے خطوط۔ مکتوب نگار کے جذبات کا مظہر بھی خط ہی ہوتے ہیں۔ اس سے خطوط میں انسانی عناصر کی شمولیت ادب کی عام اصناف کے مقابلے میں زیادہ حقیقی نظر آتی ہے اور ہم خط کو خود نوشت سوانح کے طور پر بھی پڑھتے ہیں۔ اُردو مکاتیب پر شروع میں فارسی کا رنگ نمایاں رہا۔ القاب و آداب کی طوالت، مشکل الفاظ کا استعمال فارسی خطوط کی عام خصوصیات تھیں۔ اُردو خطوط میں بھی یہی طرز رواج پا گیا۔ مرزا غالبؔ نے اس روایت سے انحراف کیا اور خط لکھنے کا ایک نیا انداز اپنایا یعنی تحریر میں بات چیت کا ڈھنگ پیدا کیا۔

حصّۂ نظم

۱۔ حمد

EN5R2L

رشید افروزؔ

پہلی بات : کہتے ہیں ایک بادشاہ ایسا بھی گزرا ہے جسے اپنی تعریف بالکل پسند نہ تھی۔ایک دن اس کے دربار میں ایک شاعر اپنی کسی غرض سے پہنچا اور آدابِ شاہی کے مطابق سلام کرنے کے بعد عرض کیا:’حضورِ عالی! میں جانتا ہوں کہ آپ سارے بادشاہوں میں اس لحاظ سے مختلف ہیں کہ آپ کو اپنی تعریف قطعی پسند نہیں اس لیے میں آپ کی شان میں تعریفی کلمات ادا کیے بغیر ہی اپنی ضرورت بیان کرتا ہوں۔بادشاہ کو اس کا اندازِ تخاطب پسند آیا۔بادشاہ نے کہا: تم سچ کہتے ہو۔اور اس کی ضرورت پوری کر دی۔

اگر آپ غور کریں تو محسوس ہوگا کہ کھلے طور پر نہ سہی، اس عقل مند شاعر نے بادشاہ کی ایک خوبی بیان کر کے بہر حال بادشاہ کی تعریف کر ہی ڈالی جو بادشاہ کو پسند آئی۔یہ حقیقت ہے کہ تعریف کرنے والا تعریف سننے والے کے دل میں جگہ بنا لیتا ہے۔البتہ جھوٹی تعریف سے ہمیں پرہیز کرنا چاہیے۔

اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تعریف حمد کہلاتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہماری کائنات اور اس جیسی ہزار ہا کائناتوں کا خالق ہے۔اسی نے ہر شے کو پیدا کیا ہے۔شاعروں کے قلم میں تاثیر بھی اسی کی عطا ہے۔حمد میں شاعر اللہ تعالیٰ کی قدرت بیان کرتا اور اس کی مختلف صفات کا ذکر کرتا ہے۔

خدائے بزرگ و برتر جو پروردگارِ عالم اور کارساز بھی ہے، اپنی مخلوقات پر مہربان ہے، کائنات کی ہر چیز سے اس کی قدرت اور کاریگری ظاہر ہے۔اس کی نعمتیں ہر وقت بارش کی طرح برس رہی ہیں۔اس کا حق ہے کہ ہم اس کی تعریف بیان کریں۔ذیل کی حمد میں یہی خیال خوب صورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

جان پہچان : رشید افروزؔ یکم اکتوبر ۱۹۴۵ء کو احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ان کا اصل نام شیخ عبدالرشید ہے۔انھوں نے آرٹس اور کامرس میں ماسٹر کی ڈگریاں حاصل کی ہیں اور وکالت کی ڈگری بھی رکھتے ہیں۔کچھ برس وہ احمد آباد کے انجمن ہائی اسکول میں ریاضی کے مدرّس رہے، پھر بینک آف بڑودہ میں ملازمت کرنے لگے۔رشید افروزؔ سینئر منیجر کے عہدے سے وظیفہ یاب ہوئے ہیں۔اُن کی شاعری کا مجموعہ ’نفی‘ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔انھوں نے بعض مضامین کا گجراتی زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔

رہ گزر کوئی ہو ، منزل کا تقاضا تو ہے
دل نے جس وقت ، جہاں دل سے پکارا ، تو ہے

چشمِ بینا کو بصیرت ، دلِ محزوں کو یقیں
ڈوبتی آس کو تنکے کا سہارا تو ہے

اپنے محور پہ ہیں گردش میں اگر شمس و قمر
جس کے قبضے میں ہے انجامِ زمانہ ، تو ہے

چاند سوٗرج ترے اوصاف بیاں کرتے ہیں
ہم فقط نور کا پرتو ہیں ، سراپا تو ہے

رات اور دن ہیں پروئے ہوئے موتی کی طرح
ظلمتِ شب میں نئے دن کا وسیلہ تو ہے

صبحِ صادق کی سپیدی تری عظمت کا نشاں — سجدہ کرتا ہے جسے شب کا اندھیرا ، تو ہے
تجھ سے بڑھ کر کوئی شفقت نہیں کرنے والا — تیرا ہمسر ہے نہ ثانی کوئی ، یکتا تو ہے
تو جسے چاہے اُسے تخت دے ، تاراج کرے — ملک تیرا ہے ، حکومت تری ، آقا تو ہے
سیکڑوں بار ہوا یوں ، مجھے ٹھوکر بھی لگی — میں جو گرنے سے ہوں محفوظ ، سہارا تو ہے
جب مدد کے لیے موجود کہیں کوئی نہ تھا — دِل نے اُمید جگائی ، مرے مولا ، تو ہے

خود کو دیکھوں تو دِکھائی نہیں دیتا کچھ بھی
تجھ کو سوچوں تو ہر اِک شے میں سمایا تو ہے

خلاصہ : دنیا میں مختلف مذاہب کا نصب العین صرف اللہ کی اطاعت ہے۔ ان کی راہیں اگرچہ مختلف ہیں مگر مقصد صرف ایک ہی ہے۔ اللہ ربّ العزّت کے ماننے والے صدق دل سے جہاں بھی اسے پکاریں، وہ وہاں موجود ہے۔ آدمی چاہے صدہا پریشانیوں کا شکار ہو مگر اسے آس اور اُمید صرف اللہ کی ذات سے لگی رہتی ہے۔ وہی آدمی کے دل کا یقین اور اس کی آنکھ کا نور ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق کائنات اور آخرت کا مالک ہے۔ زمین، سورج اور چاند کی گردش اسی کے حکم کے تابع ہے۔ کائنات کے ذرّے ذرّے میں اسی کا نور بکھرا ہوا ہے۔ دن اور رات اسی کے حکم سے بدلتے ہیں۔ دن کی سفیدی سے رات اور رات کے اندھیرے سے دن کو اللہ تعالیٰ ہی نکالتا ہے۔ وہ یکتا ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ وہ بڑا شفیق و مہربان ہے۔ اس کی قدرت سے بادشاہ فقیر اور فقیر بادشاہ ہو جائیں۔ اللہ ربّ العزّت کائنات کی ہر چیز کا سہارا ہے۔ اگر صدق دل سے اسے پکارا جائے تو اس کی مدد شاملِ حال ہوتی ہے۔ وہ اگرچہ ظاہری آنکھ سے دِکھائی نہیں دیتا مگر وہ ہر جگہ موجود ہے۔

معانی و اشارات

چشمِ بینا	دیکھنے والی آنکھ مراد سچائی کو پہچاننے والی آنکھ	ہمسر	برابری کرنے والا
بصیرت	مراد عقل وفہم	سپیدی	سفیدی
دلِ محزوں	غمگین دل	تاراج کرنا	برباد کرنا
پرتو	سایہ	اُمید جگانا	اُمید پیدا کرنا

مشقی سرگرمیاں

* نظم کا بغور مطالعہ کیجیے اور ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ نظم کی صنف، شاعر کا نام اور تخلص لکھیے۔
۲۔ نظم میں بیان کی گئی اللہ تعالیٰ کی صفات کو تحریر کیجیے۔
۳۔ نظم سے صنعتِ تضاد کے اشعار نقل کیجیے اور متضاد الفاظ کو خط کشیدہ کیجیے۔
۴۔ 'قل ہو اللہ احد' اِس آیت کے مفہوم والا شعر نقل کیجیے۔
۵۔ نظم سے چار قافیے لکھیے۔
۶۔ نظم سے ہم معنی الفاظ کی جوڑیاں تلاش کر کے لکھیے۔
۷۔ حمد سے اپنی پسند کا ایک شعر لکھیے اور پسندیدگی کی وجہ بیان کیجیے۔
۸۔ 'نورٌ علیٰ نور' کی صفت والے شعر کو نقل کیجیے۔

* ذیل کے اشعار کی مختصر تشریح کیجیے۔

۱۔ تو جسے چاہے اُسے تخت دے، تاراج کرے
ملک تیرا ہے، حکومت تری، آقا تو ہے

۲۔ خود کو دیکھوں تو دِکھائی نہیں دیتا کچھ بھی
تجھ کو سوچوں تو ہر اک شے میں سمایا تو ہے

* نظم کے قافیوں کے علاوہ نظم سے دوسرے ہم صوت الفاظ تلاش کیجیے۔
* حمد سے وہ مصرع تلاش کیجیے جس میں ضرب المثل آئی ہے۔
* سائنس کی روشنی میں ان مصرعوں کی وضاحت کیجیے۔

۱۔ اپنے محور پہ ہیں گردش میں اگر شمس وقمر

۲۔ رات اور دن ہیں پروئے ہوئے موتی کی طرح

* 'حمد' سے زیرِ اضافت والی ترکیبیں تلاش کر کے لکھیے۔
* دیے ہوئے الفاظ کی مناسبت سے لفظ لکھیے۔

چشمِ بینا	
دلِ محزوں	
ڈوبتی آس کو	
ظلمتِ شب میں	

اضافی مطالعہ

علامہ اقبالؔ

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

چشتی نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے ، میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کردیا تھا
سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا
ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا
میرا وطن وہی ہے ، میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے
پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے
میرِ عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے ، میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے ، پربت جہاں کے سینا
نوحِؑ نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینہ
رفعت ہے جس زمیں کی بامِ فلک کا زینہ
جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا
میرا وطن وہی ہے ، میرا وطن وہی ہے

نظم کا مطالعہ کیجیے اور ذیل کی سرگرمیاں ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔

* نظم میں مذکور ملکوں کے نام تحریر کیجیے۔
* نظم سے صنعتِ تلمیح کے اشعار نقل کر کے تلمیحی اجزا کو خط کشیدہ کیجیے۔
* نظم میں 'خدا کے ایک ہونے' کے لیے استعمال کی گئی صفت لکھیے۔
* نظم میں ہندوستان کی بیان کردہ خصوصیات/خوبیوں کی فہرست تیار کیجیے۔
* دنیا کو ہندوستان نے جن چیزوں سے نوازا ہے، ان کے نام لکھیے۔
* دیے ہوئے مصرعوں کے مفہوم کو واضح کیجیے۔

۱۔ نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
۲۔ مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا
۳۔ میرِ عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
۴۔ نوحِؑ نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینہ

۲۔ باغِ نخلہ کے مسافرؐ پر سلام

سلیم شہزاد

پہلی بات : آپ جانتے ہیں کہ ہر نظم کی ایک خاص ہیئت ہوتی ہے، اس کے تمام مصرعے ایک خاص آہنگ کی وجہ سے ایک دوسرے کے برابر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر نظم 'زمینِ کرب و بلا' کو دیکھیے۔ اس نظم کا ہر ٹکڑا (بند) چھے چھے مصرعوں اور مخصوص قافیوں والا ہے۔ یہ بات ذیل کی نظم کی ہیئت میں نہیں ملتی۔ اس کے بہت سے مصرعے چھوٹے بڑے ہیں۔ جس نظم کا ایک خاص آہنگ اور لے ہو لیکن جس کے مصرعے برابر کے نہ ہوں، اسے آزاد نظم کہتے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے اپنا نبی بنا کر بھیجا۔ اعلانِ نبوت کے فوراً بعد آپؐ نے لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کا کام شروع کر دیا۔ اپنے رشتے دار، شہر والے اور پھر دیگر بستیوں کے لوگوں کو آپؐ نے اسلام کی دعوت دی۔ حضورؐ نے اسی سلسلے میں طائف کا سفر اختیار کیا۔ وہاں کے لوگوں اور مشرکوں نے آپؐ کی مخالفت کی اور آوارہ لڑکوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا جنھوں نے پتھر مار مار کر آپؐ کو لہولہان کر دیا۔ وہ آپؐ کی زندگی کا سخت ترین دن تھا۔ اسی واقعے کو شاعر نے ذیل کی نعت میں بیان کیا ہے جو آزاد نظم کی ہیئت میں ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی تعریف و توصیف میں کہی جانے والی نظم کو نعت کہتے ہیں۔ نعت میں آپؐ کی سیرت کے واقعات بھی بیان کیے جاتے ہیں مثلاً آپؐ کی ولادت کا بیان کرنے والی نعت مولود نامہ کہلاتی ہے۔ معراج کے واقعے پر لکھی گئی نعت معراج نامہ، آپؐ کی صفتِ نور پر لکھی گئی نعت نور نامہ اور آپؐ کے وصال پر لکھی ہوئی نعت وفات نامہ کہلاتی ہے۔ ان کے علاوہ آپؐ کی ذات کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ بھی نعت میں کیا جاتا ہے۔ نعت گوئی کی روایت حضرت محمد ﷺ کے زمانے سے چلی آ رہی ہے۔ رسول اللہؐ کے صحابی حضرت حسانؓ بن ثابت عربی کے مشہور نعت گو شاعر ہوئے ہیں۔ بوصیری کا نعتیہ قصیدہ 'قصیدۂ بُردہ' بھی عربی کے نعتیہ ادب میں نہایت اہم ہے۔ اُردو میں محسنؔ کاکوروی، حالیؔ، احمد رضا خاں بریلویؒ وغیرہ کی نعتیہ تخلیقات کو بہت بلند مقام حاصل ہے۔

جان پہچان : دورِ حاضر کے ممتاز نقاد، محقق، شاعر، ادیب، افسانہ نگار، ناولسٹ، ماہرِ لسانیات اور ماہرِ تعلیم سلیم شہزاد یکم جون ۱۹۴۹ء کو دھولیہ (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مالیگاؤں میں تعلیم حاصل کی اور درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ اُردو اور انگریزی ادب کی تمام اصناف پر ان کی گہری نظر ہے۔ تنقیدی کتابوں کے علاوہ انھوں نے لغات اور اُردو قواعد پر بھی کتابیں لکھیں۔ 'فرہنگِ ادبیات، دعا : پر منتشر، جیم سے جملے تک، ویرگاتھا، تزکیہ، کشفیہ، دشتِ آدم، فرہنگِ لفظیاتِ غالبؔ' وغیرہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ ان کا شمار جدید شعرا میں ہوتا ہے۔ انھوں نے آزاد نظم میں تجربات کیے ہیں۔ ان کی نظموں کی شعری لفظیات عربی فارسی ترکیبوں سے ایک خاص اسلوب بناتی ہے۔

وہ اندھیروں میں اُجالے بانٹنے نکلا
تو مسموم آندھیاں
اس کے چراغِ شمس آسا کو بجھانے کے لیے گرداں ہوئیں
مجنون و کاہن کہہ کے اس کے علمِ ربانی کو
اس کے وسوسوں کا روپ جانا
وہ تو تشکیک و گمان و وہم سے آزاد تھا
لیکن چہار اطراف مسموم آندھیاں
وہم و گماں کے بیج بوتے پھر رہی تھیں

شہر، قریہ، کوچہ، کوئی گھر نہ ان سے بچ سکا
اور اب یہ طائف ہے جہاں آوارہ لڑکے
صدقِ پیغمبرؐ پہ برساتے ہیں پتھر
پھول سے پیکر پہ برساتے ہیں پتھر دھوپ میں
لوگ پتھر ہوگئے ، پتھر اٹھا کر دھوپ میں
خون میں اپنے نہایا سر سے لے کر پاؤں تک
جل اُٹھا سرخی سے سارا ریت منظر دھوپ میں
بھر گئے نعلینِ گردوں قدر دونوں خون سے
اور کتنے زخم کھائے جسمِ اطہر دھوپ میں
وہ اندھیروں میں اُجالے بانٹنے نکلا مگر
ان اندھیروں نے اٹھا رکھا ہو جو سر دھوپ میں
جب فرشتہ
کوہِ طائف کو ستمگارانِ طائف پر گرانے کے لیے تیار تھا
تو وہ جو تھا آزادِ تشکیک و گماں سے، بن گیا
اہلِ طائف کے لیے رحمت کی چادر دھوپ میں
اے کہ جس نے باغِ نخلہ کو بنایا گھر، سلام
باغِ نخلہ کے مسافرؐ پر سلام
ہے اندھیروں میں اُجالا تیرا نام
شہرِ ظلمت میں ہمارے، روشنی کرتا رہے تیرا کلام

خلاصہ : اس نعتیہ نظم میں بتایا گیا ہے کہ رسولِ اکرمؐ اسلام کی تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ وہاں کے لوگوں نے آپؐ کی باتیں نہیں سنیں اور انھوں نے آوارہ لڑکوں سے کہا کہ آپؐ کو بستی سے نکال دیں۔ اس وقت سخت دھوپ کا عالم تھا اور ہر طرف گرم ریت پھیلی ہوئی تھی۔ لڑکوں نے آپؐ پر اتنے پتھر برسائے کہ جسم سے بہتا ہوا خون آپؐ کی جوتیوں میں جم گیا۔ طائف سے باہر آپؐ قریب کے ایک باغ میں آرام کرنے کے لیے رُک گئے۔ یہاں اللہ کے حکم سے پہاڑوں کے فرشتے نے آپؐ کے سامنے آکر کہا کہ حضور حکم دیں تو طائف کو پہاڑوں کے بیچ دبا دیا جائے۔ رسولِ اکرمؐ نے فرشتے کو ایسا کرنے سے روکا اور اپنے عظیم اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آج یہ لوگ میری بات نہیں مانتے لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کی اولاد اللہ پر ایمان لائے گی۔ شاعر نے نظم کی آخری سطروں میں رسولِ اکرمؐ پر سلام بھیجا ہے اور دعا کی ہے کہ آپؐ کے کلام کی روشنی سے سارا عالم جگمگاتا رہے۔

معانی و اشارات

مسموم آندھیاں	-	زہر بھری آندھیاں مراد سخت پریشانیاں
چراغِ شمس آسا	-	سورج جیسا روشن چراغ
تشکیک	-	شک و شبہ
گرداں ہونا	-	گردش کرنا، گھومنا
علمِ ربانی	-	اللہ کی طرف سے دیا ہوا علم
صدق پیغمبر	-	سچائی کے پیغمبر مراد رسولِ اکرمؐ
ریت منظر	-	منظر جس میں ہر طرف ریت نظر آئے
نعلینِ گردوں قدر	-	رسولِ اکرمؐ کی آسمان جیسی عظمت رکھنے والی جوتیاں
جسمِ اطہر	-	(رسولِ اکرمؐ کا) پاک جسم
ستمگارانِ طائف	-	طائف کے ظالم لوگ

مشقی سرگرمیاں

* نظم کے حوالے سے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ نظم کی صنف کا نام لکھیے۔

۲۔ نظم کی ہیئت کا نام لکھیے۔

۳۔ نظم میں آنے والے دو ردیف اور قافیے لکھیے۔

۴۔ نظم کے واقعے کو مختصراً اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۵۔ نظم کی تمہید اور اختتام پر اپنی رائے دیجیے۔

۶۔ 'ص' اِس نشان سے مراد مکمل فقرہ معنی کے ساتھ لکھیے۔

۷۔ ذیل کی ترکیبیں جن کے لیے استعمال کی گئی ہیں، ان کے نام لکھیے:

چراغِ شمس آسا ، صدق پیغمبر ، پھول سا پیکر

۸۔ 'لوگ پتھر ہو گئے، پتھر اُٹھا کر دھوپ میں'
مصرعے کی شعری صنعت کا نام لکھیے۔

۹۔ نظم سے اپنی پسند کے شعر یا مصرعے کی تشریح کر کے پسندیدگی کی وجہ لکھیے۔

۱۰۔ درج ذیل الفاظ میں سے ایسے الفاظ نقل کیجیے جو نظم میں شامل نہیں ہیں:

مسموم، معصوم، کوائف، طائف، تشقیق، تشکیک، نعلین، مابین، پیمبر، پیغمبر

۱۱۔ 'شہرِ ظلمت میں ہمارے، روشنی کرتا رہے <u>تیرا کلام</u>'
مصرعے کے خط کشیدہ الفاظ کے مرادی معنی تحریر کیجیے۔

۱۲۔ نظم سے نمایاں ہونے والی آپؐ کی صفت لکھیے۔

۱۳۔ نعت سے واوِ عطف کی مثالیں تلاش کر کے لکھیے۔

صنعتِ تضاد

ذیل کے یہ مصرعے پڑھیے:

'رات اور دن ہیں پروئے ہوئے موتی کی طرح'

'وہ اندھیروں میں اُجالے بانٹنے نکلا'

'عجب ہیں یہ اسرارِ وصل و جدائی'

ان مصرعوں میں 'رات - دن/ اندھیرے - اُجالے/ وصل - جدائی' الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جب مصرعے یا شعر میں ایسے متضاد الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں تو اس صنعت کو '**تضاد**' کہتے ہیں۔

* حمد اور نعت سے تضاد کی دوسری مثالیں تلاش کر کے لکھیے۔

۳۔ زمینِ کرب و بلا

وحید اخترؔ

پہلی بات : تاریخی کتابوں کے مطالعے کے دوران اکثر لڑائیوں اور جنگوں کے حالات ہمارے سامنے آتے ہیں۔اس وقت ہمارے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمانے میں جنگ و جدل کے حالات ہر دور میں کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ دراصل نیکی و بدی اور حق و باطل کی کشمکش ہر زمانے میں جاری رہتی ہے۔ اقتدار اور ملک گیری کی ہوس حکمرانوں کو ظلم و ستم پر اُکساتی رہتی ہے۔اسے روکنے کے لیے ہر دور میں کچھ لوگ حق کا ساتھ دینے ضرور آگے آتے ہیں۔

واقعۂ کربلا بھی اسی قسم کا ایک سانحہ ہے جس میں حق و انصاف کی حفاظت کرتے ہوئے رسولِ اکرمؐ کے نواسے حضرت حسینؓ شہید ہوگئے۔اُردو شاعری میں واقعۂ کربلا مرثیے کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ ذیل کا مرثیہ جدید شاعر وحید اخترؔ نے اپنے منفرد انداز میں قلم بند کیا ہے۔ یہ کربلائی مرثیے کی ایک مثال ہے۔

اس مرثیے میں مذکور واقعے سے پہلے ہوا یہ کہ کوفے کے لوگوں نے خط لکھ کر حضرت حسینؓ کو مدینے سے کوفہ بلایا۔انھوں نے وعدہ کیا کہ ہم آپ سے بیعت کرلیں گے اور یزید سے مقابلہ کریں گے۔ حضرت حسینؓ اس وعدے کے بھروسے پر کوفے کی طرف روانہ ہوئے۔ان کے ساتھ ان کے خاندان کے بہتّر افراد تھے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ جب یہ قافلہ عراق میں دریائے فرات کی ایک نہر کے پاس پہنچا تو یہیں سب کے قیام کے لیے خیمے لگا دیے گئے۔

مرثیے کے اجزا

مرثیے کے چند اجزا ہوتے ہیں جو ذیل کے مطابق ہیں:

۱۔ **چہرہ:** چہرہ مرثیے کی تمہید ہے۔اس میں عموماً مناظرِ فطرت کو بیان کیا جاتا ہے۔

۲۔ **سراپا :** اس جز میں کربلا کے کرداروں کا سراپا بیان کیا جاتا ہے۔

۳۔ **رخصت :** اس حصے میں کربلا کے کرداروں کی میدانِ جنگ کی طرف روانگی کا ذکر ہوتا ہے۔

۴۔ **آمد :** اس حصے میں اہلِ بیتِ رسولؐ کی میدانِ کربلا میں پہنچنے کی روداد بیان کی جاتی ہے۔

۵۔ **رَجَز:** میدانِ جنگ میں اپنے آباو اجداد کی بہادری اور ان کی جرأت و کمالات کو فخریہ انداز میں بیان کرنے کو رجز کہتے ہیں۔

۶۔ **رَزم :** میدانِ کربلا میں ہوئی جنگ کے احوال اس حصے میں بیان کیے جاتے ہیں۔

۷۔ **شہادت :** یہاں دشمنوں سے لڑتے ہوئے اہلِ بیت کی شہادت کا ذکر ہوتا ہے۔

۸۔ **بَین :** شہیدوں کی نعشیں دیکھ کر اہلِ قرابت شہید ہونے والے پر اپنے دُکھ کا بیان کرتے ہیں۔

جان پہچان : وحید اخترؔ ۱۲/ اگست ۱۹۳۵ء کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ حیدر آباد چلے گئے جہاں انھوں نے عثمانیہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں لکچرر مقرر ہوئے۔ وحید اختر اُردو کے جدید شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے صنفِ مرثیہ کو نئے رنگ و آہنگ اور بلندی سے ہم کنار کیا۔اس سلسلے میں ان کے آٹھ مرثیوں کا مجموعہ 'کربلا تا کربلا' قابلِ ذکر ہے جس سے ذیل کا مرثیہ ماخوذ ہے۔ 'پتھروں کا مغنّی، شب کا رزمیہ' اور 'زنجیر کا نغمہ' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ 'خواجہ میر دردؔ - تصوف اور شاعری، فلسفہ اور ادبی تنقید' ان کی نثری تصانیف ہیں۔ ۱۳/ دسمبر ۱۹۹۶ء کو حیدر آباد میں ان کا انتقال ہوا۔

پوچھا ، یہ زمیں کیسی ہے ، کیا نام ہے اس کا　　لگتا ہے کچھ ایسا ، یہ ازل سے ہے شناسا
افلاک سے ، تاروں سے گزر آئے سبک پا　　یہ ذرّے ہیں کیسے کہ قدم اُٹھ نہیں سکتا
آواز اک آئی ، یہ زمیں کرب و بلا ہے
انسان کی معراج یہی خاکِ شفا ہے

یہ سنتے ہی شبّیر کا رُخ ہوگیا تاباں　　فرمایا کہ لو ، مل ہی گئی منزلِ جاناں
باندھا تھا اسی خاک سے ، خوں نے مرے پیماں　　ہمراہیوں سے بولے ، یہیں کھول دو ساماں
یہ نہر ، یہ صحرا ، یہ ترائی ہے ہماری
گر فضلِ خدا ہو تو خدائی ہے ہماری

اس خاک کو پہچان لیا دیدہ وروں نے　　نیوڑھا دیے سر سجدے میں آشفتہ سروں نے
سمجھا صدف اس دشت کو روشن گہروں نے　　اسبابِ سفر کھول دیا ہم سفروں نے
دریا نے قدم چوم لیے تشنہ لبی کے
برپا ہوئے خیمے حرمِ پاکِ نبیؐ کے

دم بھی نہ لیا تھا کہ اُمنڈنے لگے اعدا　　بزدل کی طرح آنکھ بدلنے لگی دنیا
چھوٹا دلِ حاسد کی طرح ہوگیا صحرا　　کم ظرف کے وعدے کی طرح پھر گیا دریا
گلشن سے نکالا گیا پھولوں کا سفینہ
پھر ریت پہ آ ٹھہرا شہیدوں کا سفینہ

جب کذب کی بیعت سے کیا صدق نے انکار　　سوداگرِ خوں جسم پہ سجنے لگے ہتھیار
میداں میں لگے اسلحۂ جنگ کے انبار　　شر حق کے مقابل ہوا آمادۂ پیکار
خوابیدہ ضمیروں نے کیا جبر سے سودا
بیداریِ ایماں نے کیا صبر سے سودا

خلاصہ : جب حضرت حسینؓ کا قافلہ ایک جگہ پہنچا تو آپ نے پوچھا کہ یہ کون سا علاقہ ہے؟ اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ زمین بہت پہلے سے ہماری شناسا ہے۔ اِس زمین پر پہنچنے کے لیے ہم نے طویل فاصلہ تیز قدمی سے طے کرلیا۔ یہاں رُکنے کے بعد تو قدم آگے بڑھتے ہی نہیں۔ جواب ملا کہ یہ دُکھ اور تکلیف کی سرزمین ہے لیکن اس کی خاک انسان کے لیے معراج ہے۔ جواب سن کر شبیر یعنی حضرت حسینؓ کا چہرہ چمکنے لگا۔ انھوں نے کہا کہ یہی ہماری منزل ہے۔ یہیں سامان کھول کر قیام کرنا چاہیے۔ یہ نہر، صحرا اور وادی ہماری ہے۔ خدا کا فضل رہا تو اب یہ سب ہمارے قبضے میں ہوں گے۔ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھی دیدہ ور تھے۔ اگرچہ وہ پریشان تھے مگر انھوں نے اس زمین پر سجدے کے لیے سر ٹیک دیے اور یہیں قیام کرنے لگے۔ قافلے میں خاندان کی عورتوں کے لیے خیمے لگوائے گئے لیکن اسی اثنا میں دشمنوں کے لشکر نے انھیں گھیر لیا۔ جنگ کا اعلان ہوا اور سب لڑنے کے لیے ہتھیار سجانے اور صف لگانے لگے۔ شر اور خیر ایک دوسرے کے مقابل آئے۔ ایک طرف حکمراں کا جبر تھا، دوسری طرف ایمان والوں کا صبر تھا۔

معانی و اشارات

ازل سے	-	ابتدا سے، ہمیشہ سے
سبک پا	-	تیز قدموں سے، مراد آسانی سے
کرب و بلا	-	مصیبت، پریشانی
معراج	-	عظمت، بلندی
تاباں	-	روشن
منزلِ جاناں	-	مراد منزلِ مقصود
پیماں باندھنا	-	وعدہ کرنا
ترائی	-	دریا کی وادی
دیدہ ور	-	عقل مند
سر نیوڑھانا	-	سر جھکانا
آشفتہ سر	-	مصیبت کا مارا
صدف	-	سیپ
روشن گہر	-	مراد روشن کردار والا
تشنہ لبی	-	پیاس
حرمِ پاکِ نبیؐ	-	نبیؐ کے خاندان کی عورتیں
اعدا	-	عدو کی جمع، دشمن
دلِ حاسد	-	تنگ دل
کم ظرف	-	کمینہ
پھر جانا	-	مکر جانا
کذب	-	جھوٹ
بیعت	-	اسلامی قانون کے مطابق کسی کو خلیفہ ماننے کا عہد
اسلحۂ جنگ	-	جنگ کے ہتھیار
آمادۂ پیکار	-	جنگ کے لیے تیار
خوابیدہ ضمیر	-	جس کا ضمیر سویا ہوا ہو، مراد بے حس
بیداریِ ایماں	-	ایمان کی تازگی

مشقی سرگرمیاں

* **نظم بغور پڑھیے اور دی ہوئی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔**

۱۔ نظم 'زمینِ کرب و بلا' کی صنف لکھیے۔

۲۔ مرثیے کی قسموں کے نام لکھیے۔

مرثیے کی قسمیں : [ ] — [ ]

۳۔ نظم کے شاعر کا نام اور نظم کا ماخذ لکھیے۔

۴۔ 'زمینِ کرب و بلا' کے لیے نظم میں استعمال کیے گئے استعاراتی نام تحریر کیجیے۔

۵۔ معرکۂ کربلا کے شروع ہونے کی وجہ بیان کیجیے۔

۶۔ مرثیے کے اس جز کا نام لکھیے جس میں جنگ کے احوال بیان کیے جاتے ہیں۔

۷۔ نظم میں استعمال کی گئی دو تشبیہوں کی وضاحت کیجیے۔

۸۔ اپنے پسندیدہ بند کی تشریح کیجیے اور پسندیدگی کی وجہ لکھیے۔

۹۔ نظم میں آنے والا حضرت حسینؓ کا لقب لکھیے۔

۱۰۔ نظم کے کسی بند کے ردیف اور قافیے تحریر کیجیے۔

* **ذیل کے بند کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔**

دم بھی نہ لیا تھا کہ اُمنڈنے لگے اعدا
بزدل کی طرح آنکھ بدلنے لگی دنیا
چھوٹا دلِ حاسد کی طرح ہوگیا صحرا
کم ظرف کے وعدے کی طرح پھر گیا دریا
گلشن سے نکالا گیا پھولوں کا سفینہ
پھر ریت پہ آ ٹھہرا شہیدوں کا سفینہ

* **مرثیہ 'زمینِ کرب و بلا' کے پہلے اور آخری بند سے تضاد کے اشعار تلاش کرکے لکھیے۔**

۴۔ پریت کا گیت

حفیظ جالندھری

پہلی بات : گیت ہندی شاعری کی ایک معروف صنف ہے۔اس کے لیے کوئی مخصوص موضوع یا ہیئت مقرر نہیں۔البتہ نسوانی جذبات کے اظہار کی خصوصیت گیت کو ایک مخصوص مزاج دیتی ہے۔جن لفظوں سے گیت کے خیالات اُجاگر ہوتے ہیں، انھیں 'بول' کہا جاتا ہے اور اس کے بالکل ابتدائی بول کو مکھڑا کہتے ہیں۔ بول اور گیت کے قافیوں کی تکرار سے بول کو دہرایا جاتا ہے۔گیت چونکہ گانے کے لیے ہوتا ہے اس لیے اسے موسیقی کا لفظی روپ سمجھنا چاہیے۔گیت کی بحریں یعنی اس کی لَے اور آہنگ ہندی بحروں اور عوامی شاعری کی بحروں سے مماثل ہوتی ہیں۔اُردو میں عظمت اللہ خاں وغیرہ نے بحر و آہنگ کے تجربات کیے تو بیسویں صدی کے آغاز سے اُردو گیت لکھے جانے لگے۔اختؔر شیرانی، حفیظؔ جالندھری اور نئے زمانے میں ندؔا فاضلی، ظفؔر گورکھپوری وغیرہ نے خوب گیت لکھے ہیں۔

اُردو شاعری انسانی محبت و یگانگت کے جذبات سے بھری پڑی ہے۔غزل کی طرح ہمیں گیتوں میں بھی اتحاد کا پیغام ملتا ہے۔ گیتوں میں اُردو کے ساتھ ہندی لفظوں کا کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے جو دو تہذیبوں کے ملن سے عبارت ہے۔

جان پہچان : محمد حفیظ ۱۴؍جنوری ۱۹۰۰ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ان کی کنیت ابوالاثر ہے۔ گھریلو حالات ناسازگار ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیم ادھوری رہ گئی۔وہ شعر و شاعری کا فطری ذوق رکھتے تھے۔سات برس کی عمر میں انھوں نے نظم کہی۔انھوں نے مختلف ادبی رسائل کی ادارت کے فرائض انجام دیے جن میں رسالہ زمیندار، نونہال اور مخزن مشہور ہیں۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ 'نغمہ زار' ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا۔'تلخابۂ شیریں، سوز و ساز' اور 'حفیظؔ کے گیت' ان کی دوسری کتابیں ہیں۔ 'شاہنامۂ اسلام' ان کی شاہکار طویل مثنوی ہے۔۲۱؍دسمبر ۱۹۸۲ء کو لاہور میں ان کا انتقال ہوا۔

اپنے من میں پریت بسالے
اپنے من میں پریت

من مندر میں پریت بسالے   او مورکھ ، او بھولے بھالے
دل کی دنیا کرلے روشن   اپنے گھر میں جوت جگالے
پریت ہے تیری ریت پرانی   بھول گیا او بھارت والے
بھول گیا او بھارت والے
پریت ہے تیری ریت
بسالے اپنے من میں پریت

☆

اپنے من میں پریت بسالے
اپنے من میں پریت

نفرت اک آزار ہے ، پیارے   دکھ کا دارو پیار ہے ، پیارے
آجا ، اپنے روپ میں آجا   تو ہی پریم اوتار ہے ، پیارے

یہ ہارا تو سب کچھ ہارا من کے ہارے ہار ہے ، پیارے
من کے ہارے ہار ہے پیارے
من کے جیتے جیت
بسالے اپنے من میں پریت

☆

اپنے من میں پریت بسالے
اپنے من میں پریت
دیکھ ، بڑوں کی ریت نہ جائے سر جائے پر میت نہ جائے
میں ڈرتا ہوں ، کوئی تیری جیتی بازی جیت نہ جائے
جو کرنا ہے ، جلدی کرلے تھوڑا وقت ہے ، بیت نہ جائے
تھوڑا وقت ہے ، بیت نہ جائے
وقت نہ جائے بیت
بسالے اپنے من میں پریت

خلاصہ : شاعر نے اس نظم میں محبت کی عظمت اور اہمیت بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اے انسان! تو اپنے دل کو محبت کے جذبات سے معمور کرلے۔ شاعر انسان کو نادان اور بھولا بھالا کہہ رہا ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ انسان محبت کی حقیقت سے ناواقف ہے۔
دل گویا ایک مندر ہے اور محبت عبادت ہے۔ اس سے انسان کو ایسی روشنی میسر آتی ہے جو اس کے گھر یعنی اس کی ذات کو روشن کردیتی ہے۔ شاعر اہلِ وطن کو یاد دلاتا ہے کہ ہمارے ملک میں پرانے زمانے ہی سے محبت اور اتحاد کا چلن عام رہا ہے۔ محبت کے برعکس نفرت ایک بیماری ہے جبکہ زندگی کے دکھوں کا علاج محبت کے ذریعے کیا جاسکتا ہے۔ انسان کی بنیاد ہی محبت ہے۔ انسان محبت کا پیغام پہنچانے والا ہے۔ اگر انسان طرزِ محبت کو اپنانے میں ناکام رہا تو وہ سب کچھ کھودیتا ہے۔ محبت سے انسان سب کو جیت لیتا ہے۔
محبت ہمارے آبا و اجداد کا طرزِ حیات رہا ہے۔ ہمیں اسے چھوڑنا نہیں چاہیے۔ اس کے لیے جان کی بازی لگانی پڑے تب بھی اتفاق و اتحاد کی حفاظت کرنا چاہیے۔ شاعر کو ڈر ہے کہ کہیں لوگ ہمارے درمیان پھوٹ ڈال کر ہمیں محبت کی راہ سے دور نہ کردیں۔ وقت دیکھتے دیکھتے گزر جاتا ہے اس لیے ہمیں اپنے تعلقات کو مضبوط کرنے اور اتحاد سے لوگوں کو ایک دوسرے سے قریب کرنے میں دیر نہیں کرنا چاہیے اور زندگی محبت کے ساتھ بسر کرنا چاہیے۔

معانی و اشارات

ریت	-	رسم و رواج
آزار	-	مرض، تکلیف
دارو	-	مراد علاج (اصلی معنی : دوا)
میت	-	دوست
بازی	-	کھیل، مقابلہ
پریم اوتار	-	محبت کی صورت/شخصیت

* **نظم کو غور سے پڑھیے اور دی ہوئی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔**

۱۔ جان پہچان کی مدد سے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

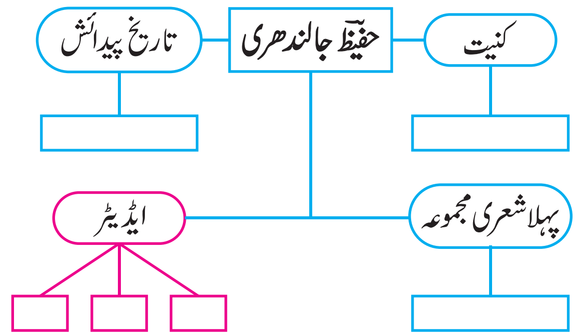

۲۔ پریت کے گیت کے مرادی مفہوم کو واضح کیجیے۔

۳۔ گیت کے مکھڑے کو نقل کیجیے۔

۴۔ بھارت واسیوں سے شاعر کی التجا بیان کیجیے۔

۵۔ ہندوستانی پس منظر میں گیت کے عنوان اور گیت کی زبان پر اپنی رائے دیجیے۔

۶۔ شاعر کے مطابق نفرت کے مرض کے علاج اور اس کے معالجے کو واضح کیجیے۔

۷۔ پریت کے گیت سے دنیا اور گھر میں ہونے والی تبدیلی کو لکھیے۔

۸۔ شاعر نے گیت میں جن خدشوں کا اظہار کیا ہے، انھیں ترتیب وار لکھیے۔

۹۔ گیت کے پسندیدہ بند کے مفہوم کو مختصراً لکھیے اور پسندیدگی کی وجہ لکھیے۔

۱۰۔ نظم سے پانچ ہم صوت الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

۱۱۔ نظم سے ہندی زبان کے الفاظ ڈھونڈ کر لکھیے۔

۱۲۔ نظم سے متضاد الفاظ کی جوڑی تلاش کر کے لکھیے۔

* **پریت ہے تیری ریت پرانی**
بھول گیا او بھارت والے
اس شعر کی روشنی میں بھارت کی کسی ایک رسم کو لکھیے۔

* **نظم کے دوسرے بند کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔**

تجنیس

ذیل کے جملوں میں لفظ 'تار' پر غور کیجیے :

۱۔ تار پڑھ کر وہ رونے لگا۔

۲۔ بجلی کے تار پر چڑیا بیٹھی ہے۔

۳۔ اس کا لباس تار تار ہوگیا۔

۴۔ تیرہ و تار رات میں وہ گھر سے باہر نکل پڑا۔

یہاں واضح ہوتا ہے کہ ہر جملے میں تار کا املا اور آواز یکساں ہے مگر ہر جملے میں اس لفظ کے معنی بالکل مختلف ہیں۔ لفظوں کے ایسے استعمال کو **'تجنیس'** کہتے ہیں۔ اگر یہ استعمال شعر میں ہو تو یہ ایک قسم کی لفظی صنعت ہے۔ اس صنعت کی کئی قسمیں ہیں۔

میر حسنؔ کی مثنوی میں آپ نے یہ شعر پڑھا ہے :

وہ معبود یکتا ، خدائے جہاں
کہ جس نے کیا کُن میں کون و مکاں

اس شعر کے الفاظ 'کن/کون' میں ایک حرف 'و' زائد ہے اس لیے اس قسم کی تجنیس کو **'تجنیسِ زائد'** کہتے ہیں۔

میرؔ کی مثنوی میں یہ شعر بھی آپ نے پڑھا ہے :

چرخ تک ہوگیا ہے پانی جو
ماہ و ماہی ہیں ایک جا ہر دو

یہاں 'ماہ/ ماہی' لفظوں میں ایک حرف 'ی' زائد ہے۔

* **ذیل کے مصرعوں میں تجنیسِ زائد کے الفاظ تلاش کیجیے :**

بھول گیا ، او بھارت والے
پریت ہے تیری ریت
بسالے اپنے من میں پریت

* **درج ذیل شعر میں استعمال کی ہوئی صنعت کا نام بتائیے۔**

کہا دل نے اب تا کجا بند رہیے
کہاں تک بھلا گھر میں پابند رہیے

F1BHN4

۵۔ تضحیکِ روزگار

مرزا محمد رفیع سوداؔ

پہلی بات : جس نظم میں کسی کا مذاق اُڑایا جاتا یا اس کی برائی کی جاتی ہے، اسے ہجو کہتے ہیں۔ ہجو قصیدے کی صورت میں بھی لکھی جاتی ہے، ایسا قصیدہ ہجویہ قصیدہ کہلاتا ہے۔ زمانے کے خراب حالات کا مذاق اُڑاتے ہوئے سوداؔ نے ایک شخص کے گھوڑے کی ہجو لکھی ہے۔

جان پہچان : مرزا محمد رفیع سوداؔ ۱۷۰۶/۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہیں انھوں نے فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ سوداؔ قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے بہت سی اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ انھوں نے غزلیں، نظمیں، مثنویاں، قصیدے، مرثیے، قطعات، رباعیات، پہیلیاں وغیرہ کہی ہیں۔ قصیدہ گوئی اور ہجو نگاری میں ان کا مرتبہ اُردو شاعروں میں سب سے بلند ہے۔ سوداؔ کا انتقال ۲۶/ جون ۱۷۸۱ء کو لکھنؤ میں ہوا۔

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دستِ عناں کا بہ یک قرار

جن کے طویلے بیچ ، کوئی دن کی بات ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار

اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے
موچی سے کفشِ پا کو گٹھاتے ہیں وہ ادھار

ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پاوے سزا جو ان کا کوئی نام لے نہار

نوکر ہیں سو روپے کے دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھیں ہیں ایک ، سو اتنا خراب و خوار

نے دانہ و نہ کاہ ، نہ تیمار ، نے سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپِ گِلی طفلِ شیر خوار

ناطاقتی کا اس کی ، کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اس کے، اب میں کہاں تک کروں شمار

مانندِ نقشِ نعل زمیں سے بجز فنا
ہرگز نہ اُٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار

ہے اس قدر ضعیف کہ اُڑ جائے باؤ سے
میخیں گر اس کے تھان کی ہوویں نہ استوار

نے اُستخواں، نہ گوشت، نہ کچھ اس کے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لُہار

القصہ ، ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور
آیا یہ دل میں ، جائیے گھوڑے پہ ہو سوار

رہتے تھے گھر کے پاس قضارا وہ آشنا
مشہور تھا جنھوں کنے وہ اسپِ نابکار

خدمت میں اُن کی ، میں نے کیا جا کے التماس
گھوڑا مجھے سواری کو اپنا دو مستعار

فرمایا تب انھوں نے کہ اے مہربانِ من
ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار

لیکن کِسو کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ
یہ واقعی ہے ، اس کو نہ جانوگے انکسار

دہلی تک آن پہنچا تھا جس دن کہ مرہٹہ
مجھ سے کہا نقیب نے آ کر ، ہے وقت کار

مدت سے کوڑیوں کو اُڑایا ہے گھر میں بیٹھ
ہوکر سوار ، اب کرو میدان میں گزار

لاچار ہوکے تب تو بندھایا میں اس پہ زیں
ہتھیار باندھ کر ، میں ہوا جاکے پھر سوار

چابک تھے دونوں ہاتھوں میں، پکڑے تھا منہ میں باگ
تک تک سے پاشنہ کے مرے پاؤں تھے فگار

آگے سے توبڑا اسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب ہانکے تھا ، لاٹھی سے مار مار

اِس مضحکے کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام
اکثر مدبر اُن میں سے کہتے تھے یوں پکار

پہیّے اِسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ رواں
یا بادبان باندھ ، پون کے دو اختیار

گھوڑا تھا بسکہ لاغر و پست و ضعیف و خشک
کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقتِ کارزار

جاتا تھا جب ، ڈپٹ کے میں اس کو ، حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفلِ نَے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں یوں بندھی ہے شکل
لے جوتیوں کو ہاتھ میں ، گھوڑا بغل میں مار

دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

سوّدا نے تب قصیدہ کہا سن یہ ماجرا
ہے نام اس قصیدے کا تضحیکِ روزگار

خلاصہ : سوّدا اس ہجویہ قصیدے میں زمانے کی خرابیوں اور برے حالات کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کی مثال میں وہ بتاتے ہیں کہ انسان تو انسان جانوروں کا بھی حال برا ہے۔ ایک شخص کے پاس ایک گھوڑا تھا، نہایت کمزور اور ناطاقتی کا مارا۔ ایک دن سوّدا نے سوچا کہ گھوڑے والے سے گھوڑا اُدھار لے کر بازار چلے جائیں۔ گھوڑے والا انھیں گھوڑا دینے کو تیار تھا مگر وہ کہتا ہے کہ یہ گھوڑا چلنے پھرنے سے بھی معذور ہے۔ جب دہلی پر مراٹھوں نے حملہ کیا تو میں اس پر سوار ہوکر میدانِ جنگ میں جانے کو تیار ہوا مگر گھوڑا جگہ سے ہلنے کو تیار نہ تھا۔ لوگ میرا مذاق اُڑانے لگے۔ وہ بولے کہ اسے پہیے لگاؤ یا اس پر بادبان باندھو تاکہ ہوا اُسے سرکا کر لے جائے۔ ایک شخص گھوڑے کو پیچھے سے مارتا اور دوسرا آگے سے اسے کھانے کا لالچ دے رہا تھا مگر گھوڑا ہلتا تھا نہ ہلا۔ تب میں نے یعنی گھوڑے والے نے اسے اس طرح کھینچنا شروع کیا جیسے بچے لاٹھی پر گھوڑا سواری کھیلتے ہیں۔ آخرکار میں نے اسے بغل میں دبایا اور خود دوڑتا ہوا گھر تک اسے لاسکا۔ سوّدا نے یہ سارا واقعہ اس قصیدے میں بیان کیا ہے۔

معانی و اشارات

تضحیک	ذِلت، ہنسی اُڑانا	نہار	صبح، دن (کے وقت)
ابلقِ ایام	زمانے کا گھوڑا، مراد زمانہ	خراب وخوار	بے حد خراب
عِنان	لگام	نے	نہ
کفشِ پا	پاؤں کی جوتی	تیمار	نگراں
گٹھانا	سِلوانا	توبڑا	گھوڑے کے کھانے کی تھیلی جس میں اناج رکھ کر گھوڑے کے منہ پر باندھ دیتے ہیں۔
ہیں گے	ہیں، ہوتے ہیں		

سئیس – گھوڑے کو سنبھالنے والا (سائیس)
اسپِ گِلی – مٹی کا گھوڑا (کھلونا)
طفلِ شیرخوار – دودھ پیتا بچہ
نقشِ نعل – نعل کا نشان
بجز – سوائے
باؤ – ہوا
میخیں – کیلیں
اُستخواں – ہڈی
لہار – لوہار
دم دھونکنا – ہوا بھرنا
القصہ – بہرحال، مختصر یہ کہ
قضارا – اتفاق سے
آشنا – دوست
کنے – پاس
اسپِ نابکار – نالائق گھوڑا
مستعار – اُدھار
مہربانِ من – میرے مہربان (دوست)
کِسو – کسی

نقیب – اعلان کرنے والا
کوڑیاں اڑانا – وقت ضائع کرنا، مفت کی تنخواہ لینا
باگ – لگام
تک تک – گھوڑے سوار کا ایڑیوں سے گھوڑے کو مارنا
پاشنہ – ایڑی
فگار – زخمی
مضحکہ – مذاق، مزے دار واقعہ
مدبّر – عقل مند
کہ تا – تا کہ
پون کے اختیار – ہوا کے حوالے
بسکہ – چونکہ
خفیف – شرمندہ
کارزار – جنگ
ڈپٹ کے – دوڑ کر
حریف – مقابل
طفلِ نَے سوار – لاٹھی پر گھوڑے کی سواری کرنے والا بچہ
تضحیکِ روزگار – زمانے کا مذاق

مشقی سرگرمیاں

٭ ہجویہ قصیدے کو پڑھ کر ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ ہجویہ قصیدے کی تعریف لکھیے۔
۲۔ قصیدے کے اجزا کو ترتیب وار لکھیے۔
۳۔ ہجویہ قصیدے کے موضوعات کو واضح کیجیے۔
۴۔ شاعر کے دوست کی خصوصیات بیان کیجیے۔
۵۔ شاعر کے دوست کے گھوڑے کی خصوصیات تحریر کیجیے۔
۶۔ گھوڑے کی ناطاقتی کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔
۷۔ شاعر کے دوست کی تنخواہ لکھیے۔
۸۔ شاعر کے ساتھ اتفاقیہ ہونے والا واقعہ تحریر کیجیے۔
۹۔ شاعر کے دوست کے ساتھ ہونے والے واقعے کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔
۱۰۔ شاعر کے دوست کے گھر پہنچنے کی روداد بیان کیجیے۔
۱۱۔ پہیّے، بادبان اور گھوڑے کے درمیان ربط کو واضح کیجیے۔
۱۲۔ نظم سے صنعتِ مبالغہ کے اشعار نقل کیجیے۔
۱۳۔ نظم سے صنعتِ تشبیہ کا شعر نقل کیجیے۔
۱۴۔ اپنی پسند کا ایک شعر نقل کیجیے اور پسندیدگی کی وجہ لکھیے۔
۱۵۔ ذیل کے ہم معنی الفاظ نظم سے تلاش کرکے لکھیے :
لگام ، سِلوانا ، بہرحال ، شرمندہ
۱۶۔ نظم سے محاوروں کو الگ کرکے معنی کے ساتھ لکھیے۔

* قصیدہ 'تضحیکِ روزگار' پڑھ کر ذیل کی سرگرمی مکمل کیجیے۔

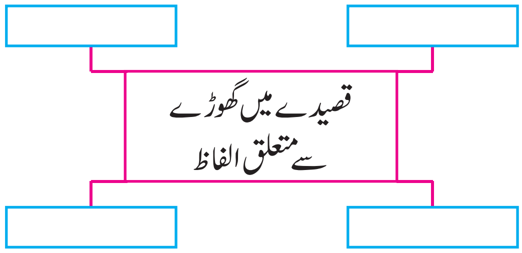

* درج ذیل مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

اِس مضحکے کو

اکثر مدبر

پہیے اِسے لگاؤ

یا بادبان باندھو

صنعتِ مبالغہ

گھوڑے کی ہجو میں اس کی کمزوری اور لاغری کو شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے :

ہے اس قدر ضعیف کہ اُڑ جائے باؤ سے
میخیں گر اس کے تھان کی ہوویں نہ استوار

یعنی گھوڑا اتنا کمزور اور دُبلا پتلا ہے کہ جہاں اسے باندھا جاتا ہے اس تھان کو اگر کیلوں سے ٹھونکا نہ گیا ہو تو کمزور گھوڑے کو تیز ہوا تنکے کی طرح اُڑا لے جائے۔

شعر میں جب ایسی کوئی بات کہی جائے کہ اس کا واقع ہونا ممکن نہ ہو تو اس صنعت کو 'مبالغہ' کہتے ہیں۔ مبالغے کی دوسری مثال :

جاتا تھا جب، ڈپٹ کے میں اس کو، حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفلِ نَے سوار

'تجنیسِ تام'

نویں جماعت میں غالبؔ کے قصیدے میں آپ نے پڑھا ہے کہ اس کی ردیف لفظ 'کُھلا' کو کئی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے مثلاً

صبح دم دروازۂ خاور کُھلا	-	دروازہ کھلا
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا	-	واضح دھوکا دیتے ہیں
خسروِ آفاق کے منہ پر کھلا	-	اچھا لگا
مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا	-	بے تکلف ہوا، وغیرہ

اس سے واضح ہے کہ زبان میں الفاظ ایک معنی میں استعمال نہیں کیے جاتے یا لفظوں کو ایک سے زیادہ معنوں میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ شعر میں الفاظ کا ایسا استعمال کہ ایک لفظ مختلف معنی دے 'تجنیسِ تام' کہلاتا ہے۔

سوداؔ کے قصیدے 'تضحیکِ روزگار' کے یہ دو اشعار دیکھیے :

نوکر ہیں سو روپے کے ، دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھے ہیں ایک ، سو اتنا خراب و خوار
نے دانہ و نہ کاہ ، نہ تیمار ، نے سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپِ گِلی طفلِ شیرخوار

ان شعروں میں لفظ 'خوار' دو معنی میں استعمال کیا گیا : 'خراب' اور 'کھانے یا پینے والا'۔ اس لیے ان شعروں میں تجنیسِ تام پائی جاتی ہے۔

* ذیل کے شعر سے تجنیسِ تام کے الفاظ تلاش کرکے لکھیے۔

گل و غنچہ ہے صورتِ جام و مینا
روش عکسِ سبزہ سے جوں نقشِ مینا

* گزشتہ جماعتوں میں پڑھی گئی نظموں سے ایسے اشعار تلاش کیجیے جن میں تجنیسِ زائد اور تجنیسِ تام آئی ہو۔

F1KIPR

۶۔ صحنِ چمن کی سیر

عادلؔ ناگپوری

پہلی بات : مثنوی اُردو شاعری کی ایک اہم صنف ہے جس میں مسلسل اشعار کے ذریعے کسی واقعے یا منظر وغیرہ کی تصویر کشی کی جاتی ہے۔مثنوی کے اشعار ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ ہر شعر میں مختلف قافیوں کی وجہ سے اس نظم میں طویل قصے کو با آسانی بیان کیا جاسکتا ہے۔مثنوی میں عجیب وغریب قصے،عشق ومحبت کی کہانیاں، جنگ،مہم جوئی کے حالات وغیرہ بیان کیے جاتے ہیں۔

ہماری مثنویوں میں فطرت کی خوب صورتی کو بھی طرح طرح سے بیان کیا گیا ہے۔شعرا نے خاص طور پر باغات کی رنگارنگی کو اشعار میں اس طرح پیش کیا ہے کہ درختوں، پھولوں،نہروں اور روشوں کی تصویریں سامنے آ جاتی ہیں۔ہم باغ میں چلنے والی ہواؤں اور پھولوں کی مہک کو محسوس کرنے لگتے ہیں۔ذیل کے اشعار میں باغ کی جو منظر نگاری کی گئی ہے، وہ گل و لالہ،نسیم و شمیم اور پرندوں کی چہکار سے بھری ہوئی ہے۔

جان پہچان : عادلؔ ناگپوری کا اصل نام سیّد عبدالعلی تھا۔ وہ ۱۸۲۳ء میں ناگپور میں پیدا ہوئے۔ دینیات کی ابتدائی تعلیم انھوں نے گھر میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے انھوں نے اپنے زمانے کے بڑے عالموں کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا۔ عادلؔ رگھوجی راجے سوم کے انتظامیہ میں ملازم بھی رہے۔ انھوں نے ۱۸۹۴ء میں وفات پائی۔ فارسی میں بھی عادلؔ کی کئی کتابیں ہیں۔ درج ذیل مثنوی ان کے کلیات سے لی گئی ہے۔

خیال آیا یک روز صحنِ چمن کا　　ہوا میلِ دِل دیدِ سرو و سمن کا
کہا دل نے اب تا کجا بند رہیے　　کہاں تک بھلا گھر میں پابند رہیے
گریبانِ خاطر نہ صد پارہ کیجے　　بہارِ گل و لالہ نظارہ کیجے
نسیمِ سحر عطر بیزِ چمن ہے　　ہوا مستِ مینائے بوئے سمن ہے
طراوت دہِ دل ہے فصلِ بہاراں　　ہوا لطف بخشندۂ جانِ یاراں
گل و غنچہ ہے صورتِ جام و مینا　　روش عکسِ سبزہ سے جوں نقشِ مینا
صفیرِ عنادل ملالت ربا ہے　　خیاباں میں مستانہ پھرتی صبا ہے
ہوئی ختم تقریر جب دل کی یکسر　　خرد نے کہا مجھ سے آشفتہ ہوکر
کہ اے بے خبر ، ابلہ و سخت ناداں　　کبھی دل کی تقریر سے ہو نہ شاداں
حقیقت ہے سیرِ چمن دلربا ہے　　ولے اس کو جو اہلِ برگ و نوا ہے
یہ گل گشت زیبا نہیں ہر گدا کو　　نہ ہر مفلسِ بندِ دامِ عنا کو
اگر یوں ہی منظور ہے سیرِ گلشن　　ہے مطلوب سمعِ صفیرِ نوا زن
ذرا چل کے اب دیکھ دربار اس کا　　کہ کیسا ہے محفل کا گلزار اس کا

جسے دیکھ پیرِ فلک با قدِ خم
ادب سے کھڑا بہرِ مجرا دمادم

خلاصہ : ایک دن شاعر کو صحنِ چمن کا خیال آیا۔ اس کے دل میں سرو اور سمن کے درختوں اور پھولوں کو دیکھنے کی آرزو پیدا ہوئی۔ دل نے اس سے کہا کہ آپ کب تک یونہی گھر میں بند رہیں گے؟ اپنی طبیعت پر ملال طاری مت کیجیے اور گل و لالہ کی بہار کا نظارہ کیجیے جہاں صبح کی ٹھنڈی ہوا چمن کو خوشبو سے معطر کر رہی ہے اور خود سمن کے پھولوں کی خوشبو سے مست ہوئی جا رہی ہے یعنی وہ نسیم جو بصیرت کے باغ میں چلتی ہے اور خوشبودار سانسوں والی ہے جو ہستی کے باغ کے پھول کی خوشبو ہے۔ بہار کا موسم دلوں کو تازگی عطا کر رہا ہے اور ہوا دوستوں کی جان کو لطف بخش رہی ہے۔ شاعر کا دل پھولوں اور کلیوں کو جام اور مینا کی تشبیہ دیتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ راستہ ہریالی کی وجہ سے ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی صراحی پر نقاشی کی گئی ہو۔ بلبلوں کی آواز غم کی کیفیت کو ختم کرنے والی ہے اور خیاباں میں صبا اپنے آپ میں مست ہو کر گھومتی پھر رہی ہے۔

جب دل نے اپنی یہ تقریر ختم کی تو عقل نے پریشان ہو کر شاعر کو مخاطب کیا اور کہا کہ اے بے خبر! تو بے وقوف اور نادان ہے جو دل کی باتیں سن کر خوش ہو رہا ہے۔ یہ سچ ہے کہ باغ کی سیر دل کو لُبھانے والی ہے لیکن صرف اسی کے لیے جو مالدار اور امیر ہے۔ یہ کسی غریب، فقیر اور دکھ درد کے جال میں پھنسے مفلس کو زیب نہیں دیتی۔ اگر تجھے گلشن کی سیر کرنی ہی ہے اور پرندوں کی چہچہاہٹ کو سننا ہے تو پھر چل کر اس کا (ناگپور کے راجا رگھوجی راؤ بھوسلے کا) دربار اور اس کی محفل کے گلزار کو دیکھ جس کو دیکھ کر اتنا قدیم آسمان جھک کر کھڑا ہے اور ادب سے اسے مسلسل سلام کر رہا ہے۔

معانی و اشارات

میلِ دل - دل کی چاہت
دیدِ سرو و سمن - سرو کے درخت اور چنبیلی کے پھولوں کو دیکھنا
تا کجا - کب تک
گریبانِ خاطر - مراد طبیعت
صد پارہ - سو ٹکڑے
عطر بیزِ چمن - باغ میں عطر جیسی خوشبو پھیلانے والا
مست مینائے بوئے سمن - یاسمین (چنبیلی) کے پھولوں کی خوشبو سے مست
لطف بخشندۂ جانِ یاراں - دوستوں کی جان کو لطف دینے والا
صفیرِ عنادل - بلبلوں کی آواز
ملالت ربا - ملال کو ختم کرنے والا
خیاباں - کیاری
آشفتہ - پریشاں
ابلہ - بے وقوف
اہلِ برگ و نوا - مال و متاع والے، امیر
گل گشت - باغ کی سیر
زیبا - اچھی لگنے والی، مناسب
مفلسِ بندِ دامِ عنا - دکھ درد کے جال میں پھنسا غریب
مطلوب - مقصود
سمعِ صفیرِ نوا زن - چہچہاہٹ کی آوازوں کو سننا
قدِ خم - جھکا ہوا قد
بہرِ مجرا - سلامی کے لیے
دمادم - مسلسل

* **نظم کا بغور مطالعہ کیجیے اور دی ہوئی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔**

۱۔ شاعر کے تعارف کے لیے ذیل کا شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

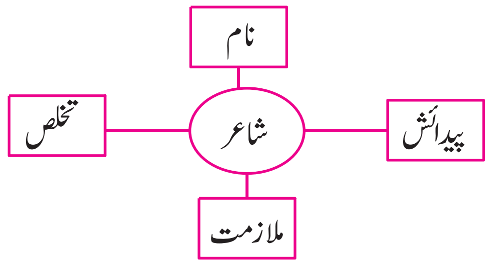

۲۔ شاعر کے لیے دل کا مشورہ تحریر کیجیے۔
۳۔ دل کے مشورے کی وجہ مختصراً لکھیے۔
۴۔ چمن میں گل وغنچہ اور کیاریوں کی کیفیت بیان کیجیے۔
۵۔ چمن میں بلبل اور صبا کی حالت بیان کیجیے۔
۶۔ شاعر کو عقل کی دی ہوئی نصیحت قلم بند کیجیے۔
۷۔ عقل کے مطابق سیرِ چمن جن کے لیے ممنوع ہے، ان کے نام لکھیے۔
۸۔ نظم سے صنعتِ تشبیہ کا شعر تلاش کر کے لکھیے۔
۹۔ نظم میں ہوا، پھول اور باغ کے لیے استعمال کیے گئے دوسرے الفاظ لکھیے۔
۱۰۔ ذیل کے ہم معنی الفاظ نظم سے تلاش کر کے لکھیے :
خوشبو، پرندوں کی چہکار، تازگی، باگ ڈور، بلبل کی جمع، بار بار، فکرمند
۱۱۔ باغ کی جو منظر نگاری کی گئی ہے، وہ گل و لالہ، نسیم و شمیم اور پرندوں کی چہکار سے بھری ہے، اس بیان کو نظم کے حوالے سے ثابت کیجیے۔
۱۲۔ نظم سے زیرِ اضافت والی ترکیبیں تلاش کر کے لکھیے۔

* **نظم کی مدد سے ہوا کے متعلق رواں خاکہ مکمل کیجیے۔**

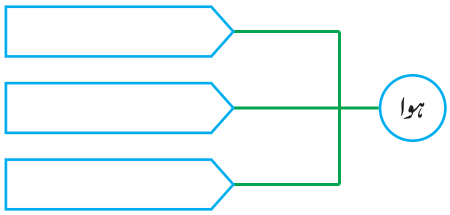

* **'گل' اس لفظ پر زیر، زبر اور پیش لگا کر لفظ لکھ کر معنی لکھیے۔**

* **دیے ہوئے فقروں کے لیے نظم سے مخصوص ترکیبیں لکھیے۔**

۱۔ صبح کی خوشبو دار ہوا
۲۔ باغ میں عطر جیسی خوشبو پھیلانے والا
۳۔ دوستوں کی جان کو لطف دینے والا
۴۔ مال ومتاع والے
۵۔ دُکھ درد کے حال میں پھنسا غریب

اضافی معلومات

رگھوجی راؤ بھوسلے سوم

ناگپور گونڈ راجاؤں کا دارالخلافہ رہا ہے۔ بخت بلند شاہ، چاند سلطان، شاہ برہان شاہ، اکبر شاہ وغیرہ اہم گونڈ راجا ہو گزرے ہیں۔ چاند سلطان کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ رانی نے دشمنوں سے اپنی حکومت کی حفاظت کرنے کے لیے ایک مراٹھا سردار رگھوجی راؤ بھوسلے سے مدد چاہی۔ رگھوجی نے ناگپور پہنچ کر رانی کی بڑی مدد کی۔ اس عمل سے خوش ہو کر رانی نے رگھوجی کو اپنا تیسرا بیٹا تسلیم کر لیا اور حکومت کے تین حصے کر کے اپنے ہر بیٹے کو ایک ایک حصہ دے دیا۔ رگھوجی بھوسلے کے حصے میں ناگپور کا علاقہ آیا۔ یہیں سے ناگپور میں بھوسلے حکومت کی بنیاد پڑی۔ تقریباً ۱۲۵ برس یہ خاندان حکومت کرتا رہا۔ اس خاندان کے اہم راجاؤں میں رگھوجی بھوسلے اوّل، جانوجی بھوسلے، رگھوجی دوم اور رگھوجی سوم کے نام لیے جاتے ہیں۔ مثنوی 'صحنِ چمن کی سیر' میں اسی تیسرے بادشاہ کی وجاہت اور حکومت کا ذکر ہے۔ شاعر نے 'ذرا چل کے اب دیکھ دربار اس کا' میں اسی بادشاہ کے دربار کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شاعر خود رگھوجی بھوسلے سوم کے انتظامیہ میں ملازم تھے۔ انھوں نے اس مثنوی میں راجا کی انتظامی صلاحیتوں کی خوب تعریف کی ہے۔

۷۔ چلو کہ آج ...

اختر الایمان

پہلی بات : زمانے میں کوئی شخص اپنے معاشرے سے کٹ کر نہیں رہ سکتا۔ یہاں رہنے والوں کو ایک دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔ معاشرے کے افراد اپنے دکھوں اور تکلیفوں کو اس طرح ختم کر سکتے ہیں کہ ایک دوسرے سے ہمدردی کریں، ایک دوسرے کا دکھ بانٹیں اور راستے کے کانٹوں کو ہٹا دیں تاکہ اور لوگ آسانی سے راستہ پار کر سکیں۔ ذیل کی نظم میں شاعر نے یہی پیغام دیا ہے۔

جان پہچان : فتح محمد اختر الایمان پتھر گڑھ (نجیب آباد) میں ۱۲/ نومبر ۱۹۱۵ء کو پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم مختلف قصبوں کے مدرسوں اور اسکولوں میں ہوئی۔ انھوں نے دہلی کالج سے بی اے کیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے سالِ اوّل مکمل کر کے وہ پونہ چلے گئے جہاں انھوں نے فلموں کے لیے لکھا۔ کچھ دنوں بعد انھوں نے ممبئی میں سکونت اختیار کر لی۔ انھوں نے کئی فلموں کے منظرنامے اور مکالمے لکھے۔

اختر الایمان کا شمار اُردو کے اہم نظم گو شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کے دس شعری مجموعے چھپ چکے ہیں۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ 'گرداب' ہے۔ دوسرے کچھ شعری مجموعے 'سب رنگ، آب جو، یادیں، نیا آہنگ' اور 'زمستاں سرد مہری کا' ہیں۔ نثر میں انھوں نے اپنی آپ بیتی 'اس آباد خرابے میں' کے علاوہ چند ادبی مضامین لکھے ہیں۔ ان کا انتقال ۹/ مارچ ۱۹۹۶ء کو ممبئی میں ہوا۔

کوئی جو رہتا ہے ، رہنے دو ، مصلحت کا شکار
چلو کہ جشنِ بہاراں منائیں گے سب یار
چلو نکھاریں گے اپنے لہو سے عارضِ گل
یہی ہے رسمِ وفا اور من چلوں کا شعار
جو زندگی میں ہے ، وہ زہر ہم ہی پی ڈالیں
چلو ہٹائیں گے پلکوں سے راستوں کے خار
یہاں تو سب ہی ستم دیدہ ، غم گزیدہ ہیں
کرے گا کون بھلا زخمہائے دل کا شمار
چلو کہ آج رکھی جائے گی نہادِ چمن
چلو کہ آج بہت دوست آئیں گے سرِ دار

خلاصہ : یہ ایک انقلابی نظم ہے جس میں شاعر اوروں کی پروا کیے بغیر اپنے لہو سے گلوں کو رنگ دینا اور راستے کے کانٹے ہٹا کر پھول بچھانا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا میں سب غم زدہ ہیں، کسی کو دوسرے کے زخم گننے کی فرصت نہیں مگر ہم ایک ایسا چمن بناتے ہیں جہاں آنے والے سبھی لوگ دوسروں کی خاطر خود کو قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔

معانی و اشارات

عارضِ گل	-	مراد پھول
شعار	-	چلن، طریقہ
ستم دیدہ	-	دُکھ اٹھانے والا
غم گزیدہ	-	دُکھ کا مارا
زخمہائے دل	-	دل کے زخم، مراد تکلیفیں
نہادِ چمن	-	باغ کی بنیاد
سرِ دار	-	سولی پر

مشقی سرگرمیاں

* نظم پڑھ کر ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ اختر الایمان سے متعلق ذیل کا رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

جائے پیدائش
↓

پہلا شعری مجموعہ
↓

آپ بیتی
↓

جائے وفات
↓

۲۔ مصلحت کے شکار لوگوں کے لیے شاعر کا ارادہ لکھیے۔

۳۔ جشنِ بہاراں میں شامل نہ ہونے والوں کی خاصیت لکھیے۔

۴۔ من چلوں کے شعار کو تحریر کیجیے۔

۵۔ دل کے زخموں کو شمار کرنے کے لیے کسی کے نہ ہونے کا سبب لکھیے۔

۶۔ اپنی پسند کا شعر نقل کرکے پسندیدگی کی وجہ تحریر کیجیے۔

۷۔ نظم کے موضوع کو قلم بند کیجیے۔

۸۔ نظم سے زیر اضافت والی ترکیبیں تلاش کرکے انھیں حروفِ اضافت کے ساتھ لکھیے۔

۹۔ ذیل کے جن الفاظ کی جمع 'زخمہا' کی طرز پر بنائی جاسکتی ہے، انھیں الگ کرکے جمع بنا کر لکھیے۔

غم ، خوشی ، گل ، نغمہ ، ہزار ، سال

۱۰۔ ذیل کے اشعار کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

- جو زندگی میں ہے، وہ زہر ہم ہی پی ڈالیں
  چلو ہٹائیں گے پلکوں سے راستوں کے خار
- چلو کہ آج رکھی جائے گی نہادِ چمن
  چلو کہ آج بہت دوست آئیں گے سرِ دار

۱۱۔ عنوان میں تین نقطوں کے نشان کا مطلب لکھیے۔

۱۲۔ دیے ہوئے الفاظ کے ہم معنی الفاظ لکھیے۔

یار ، لہو ، گل ، زہر ، خار

* نظم سے قافیہ تلاش کرکے لکھیے۔

* زیر کی اضافت والے چار ایسے نئے بامعنی الفاظ لکھیے جو دونوں اسم ہوں۔ مثال: عارضِ گل

وضاحت : عارض یعنی گال، رخسار اور گل یعنی پھول۔ پھول کا رخسار لیکن مراد پھول ہے۔ دونوں اسم ہیں۔

* نظم میں شاعر نے لفظ چلو ... کے ذریعے تحریک دی ہے۔ مصرعہ نہ لکھتے ہوئے مختصر فقرہ لکھیے۔

چلو

۸۔ سیتا

F24AT2

شفیق فاطمہ شعریٰؔ

پہلی بات : اسلام نے عورتوں کو وہ حقوق عطا کیے ہیں جو اس سے پہلے انھیں حاصل نہیں تھے۔ عورت ماں، بہن، بیٹی اور بیوی، ہر حیثیت میں ہمارے لیے قابلِ احترام ہے۔ علامہ اقبالؔ نے بھی کہا ہے کہ ”وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ۔“ ہندو مذہب کی مشہور کتاب ’راماین‘ میں سیتا کا کردار ایک پاکباز بیوی کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ ذیل کی نظم میں سیتا کے کردار پر ایک نئے زاویے سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ شعریٰ نے اسے تانیثی نظریے کی روشنی میں دیکھا اور ایک عورت کے جذبات کی عمدہ عکاسی کی ہے۔ تانیثی نظریے سے مراد ہے عورتوں کے تمام مسائل کو عورتوں کے تصورات و خیالات کے مطابق دیکھنا، سمجھنا اور ان کا حل تلاش کرنا۔

جان پہچان : شفیق فاطمہ شعریٰؔ ۱۷/مئی ۱۹۳۰ء کو ناگپور میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے گھر پر حاصل کی۔ بی اے کا امتحان عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد اور ایم اے کا امتحان ناگپور یونیورسٹی سے پاس کیا۔ اورنگ آباد اور حیدرآباد میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ شعریٰؔ نے ابتدا میں انگریزی نظموں کے منظوم ترجمے بھی کیے۔ وہ بنیادی طور پر نظم کی شاعرہ ہیں۔ ان کی بیشتر نظموں کا مرکزی خیال انوکھا اور اسلوب منفرد ہے۔ شعریٰؔ کی نظموں میں اسلامی تاریخ اور قرآنی واقعات کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ انھوں نے موجودہ زمانے کے تہذیبی اور سیاسی مسائل کو بھی اپنی نظموں میں پُراثر انداز میں پیش کیا ہے۔ ’آفاقِ نو‘ اور ’گلۂ صفورا‘ ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ’سلسلۂ مکالمات‘ کے نام سے شعریٰؔ کا کلیات شائع ہو چکا ہے۔ ۱۳/اگست ۲۰۱۲ء کو ان کا انتقال ہوا۔

ترا نام لے کر سحر جاگتی ہے — ترے گیت گاتی ہے تاروں کی محفل
تری خاکِ پا ہند کا رازِ عظمت — تری زندگی ، میرے خوابوں کی منزل
کہانی تری سن کے تھرا اُٹھی میں — دھڑکنے لگا زور سے پھر مرا دل

وہ پیہم سفر ، وہ حوادث کے طوفاں — وہ پیروں میں چھالے ، وہ ہنستی نگاہیں
کبھی دل کو غربت میں بہلائے رکھنا — کبھی دیس کی یاد میں سرد آہیں
رہی سالہا سال تو جادہ پیما — یہ دھن تھی کہ طے ہوں ریاضت کی راہیں

مگر آزمائش تھی کچھ اور باقی — ابھی سامنے اور بھی امتحاں تھے
اسیری پھر اک راکشس کی اسیری — بہت دور تجھ سے ترے پاسباں تھے
تری پاک فطرت مگر اک سپر تھی — ترے سامنے راکشس ناتواں تھے

اُٹھے پھر ترا نام لے کر جواں کچھ
جری ، حوصلہ مند ، سچے جیالے
ہلا ڈالے ایوان اک سلطنت کے
ترے پاسباں تھے بڑی آن والے
تری واپسی کررہی تھی یہ اعلان
کہ مٹتے نہیں ظلمتوں سے اُجالے

سہے جو ستم ، بن گئے سب فسانہ
تلافی کا اب آرہا تھا زمانہ
ہوئی ، آہ ، لیکن یہ کیسی تلافی
دوبارہ ملا جنگلوں میں ٹھکانا
صلیب ایک باقی تھی جو ماںتا کی
اسے بھی تو لازم تھا تنہا اُٹھانا

عجب ہیں یہ اسرارِ وصل و جدائی
کہ منزل کو پاکر بھی منزل نہ پائی
یہ کیسا ستم تھا کہ عفت کی دیوی
ثبوت اپنی عفت کا دینے کو آئی
وہ شعلے کی مانند شعلوں سے گزری
وہ بجلی سی بن کر زمیں میں سمائی

خلاصہ : شاعرہ نے اس نظم میں سیتا کی عظمت کی کہانی سنائی ہے۔ ہندوستان میں سیتا کا اتنا احترام کیا جاتا ہے کہ ہندو صبح شام ان کا نام لیتے رہتے ہیں اور ان کی تقلید کو اپنے خوابوں کی تعبیر سمجھتے ہیں۔ جب شاعرہ نے سیتا کے حالات سنے تو وہ گھبرا گئیں۔ انھیں پتا چلا کہ سیتا کی زندگی کا بڑا زمانہ سفر کی تکلیفوں میں گزرا۔ انھیں گھر سے بے گھر ہونا پڑا۔ طرح طرح کی آزمائشوں سے وہ گزریں۔ لنکا کے راجا راوَن نے ان کا اغوا کر کے انھیں قید کر دیا مگر سیتا کی ہمت نہ ڈگمگائی۔ انھیں راوَن کی قید سے آزاد کرنے کے لیے ان کے شوہر رام چندر جی نے ایک فوج کے ساتھ راوَن پر حملہ کر دیا اور اسے شکست دی۔ سیتا اس قید سے چھوٹ کر اور چودہ برس جنگل میں گزار کر اپنے گھر آئیں مگر یہاں بھی ان کے لیے ایک آزمائش تیار تھی۔ یہاں ایک عام آدمی کی ضد پر ان کی عزت اور پاکیزگی کا ثبوت مانگا گیا۔ انھیں آگ سے زندہ گزرنا پڑا۔ ایسی حالت میں سیتا نے دعا کی چنانچہ زمین پھٹ گئی اور سیتا اس میں سما گئیں۔

معانی و اشارات

پیہم	-	متواتر، پے در پے، لگاتار
حوادث	-	حادثہ کی جمع، واقعہ، سانحہ، صدمہ
غربت	-	بے وطنی، مسافرت
جادہ پیما	-	راستہ چلنے والا
ریاضت	-	سخت عبادت
اسیری	-	قید
سپر	-	ڈھال، آڑ، مددگار
راکشس	-	دیو، شیطان مراد لنکا کا راجا راوَن
جری	-	نڈر، بہادر، شیر دل
ایوان	-	محل
تلافی	-	اچھا بدلہ
صلیب اُٹھانا	-	مصیبت برداشت کرنا
اسرار	-	سِر کی جمع، بھید، پوشیدہ باتیں
عفت کی دیوی	-	پاکیزگی کی دیوی مراد سیتا

✻ **نظم کا بغور مطالعہ کیجیے اور ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔**

۱۔ 'جان پہچان' کے حوالے سے شاعرہ کے تعارف کا رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

شاعرہ
- نام
- تخلص
- گریجویشن
- پوسٹ گریجویشن
- تدریس
- کلیات

شفیق فاطمہ شعریٰ کے شعری مجموعے

۲۔ سیتا کے نام اور کام سے متعلق شاعرہ کے احساسات کو قلم بند کیجیے۔

۳۔ اُس رزمیہ داستان کا نام لکھیے 'سیتا' جس کا اہم کردار ہے۔

۴۔ نظم کے واقعات کو ترتیب سے لکھیے۔

۵۔ نظم کی روشنی میں سیتا کا کردار بیان کیجیے۔

۶۔ راکشس کے خلاف لڑنے والوں کی خصوصیات لکھیے۔

۷۔ نظم کے مطابق سیتا نے جن مصیبتوں کو جھیلا، ان کا اظہار کرنے والے اشعار نقل کیجیے۔

۸۔ بن باس کے دوران سیتا کی حالت بیان کیجیے۔

۹۔ نظم سے اپنے پسندیدہ بند کا مفہوم واضح کر کے پسندیدگی کی وجہ لکھیے۔

۱۰۔ 'ممتا کی صلیب' کا مفہوم واضح کیجیے۔

۱۱۔ نظم میں سیتا کے لیے جو القاب استعمال کیے گئے ہیں، انھیں لکھیے۔

✻ **ذیل کے ہم معنی الفاظ نظم میں تلاش کیجیے :**

بے وطنی ، عبادت ، پے در پے ، محافظ ، بہادر ، کمزور ، گھڑا ہوا قصہ ، راز

✻ **ذیل کے شعروں کی استحسانی وضاحت کیجیے۔**

۱۔ اسیری پھر اک راکشس کی اسیری
بہت دور تجھ سے ترے پاسباں تھے

۲۔ عجب ہیں یہ اسرارِ وصل و جدائی
کہ منزل کو پا کر بھی منزل نہ پائی

✻ **ذیل میں دیے ہوئے بیانات پڑھیے اور ان سے متعلق شعر ڈھونڈ کر لکھیے۔**

۱۔ چودہ سال کے بن باس کے دوران یہ کوشش رہی کہ یہ امتحان کے دن گزر جائیں۔

۲۔ پاکیزگی ہی ڈھال رہی۔ اس صفت کے آگے ظالم بھی کمزور تھے۔

۳۔ ماں کی ممتا ہر مصیبت کو تنہا برداشت کر لیتی ہے۔

۴۔ اگنی پریکشا سے گزر کر زمین میں زندہ دفن ہوگئیں۔

اضافی معلومات

نشاط النساء بیگم

(ولادت : ۱۸۸۵ء – وفات : ۱۸/اپریل ۱۹۳۷ء) مولانا حسرتؔ موہانی کی اہلیہ تھیں۔ ان کے والد کا نام سیّد بشیر موہانی تھا جو رائے پور (ریاست حیدرآباد دکن) میں ہائی کورٹ کے وکیل تھے۔ زمانۂ طالب علمی میں مولانا حسرتؔ موہانی سے ان کی شادی ہوگئی۔ ۱۹۰۸ء میں جب انگریزی حکومت نے حسرتؔ موہانی کو 'اُردوئے معلّٰی' میں اپنی مخالفت میں مضمون کی اشاعت پر گرفتار کر کے جیل بھیج دیا تو نشاط النساء بیگم نے نہایت صبر و استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر طرح کی تکلیف برداشت کی۔ گھریلو اُمور کی انجام دہی کے علاوہ حسرتؔ موہانی کے مقدمات کی پیروی بھی کرتی رہیں۔ وہ آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کی رکن بھی تھیں۔

۹۔ غزلیات

غزل - ۱

سراؔج اورنگ آبادی

پہلی بات : سراؔج کے زمانے کی اُردو زبان پر دکنی کے اثرات ہیں۔ بولنے کے ساتھ ساتھ اس زبان کا املا بھی آج کے املے سے مختلف تھا۔ جیسے مجھ/ مج، کو/کوُں، تک/ تلک وغیرہ۔ ہمیں اپنی زبان کی قدیم صورت، اس کے تلفظ اور مزاج سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ ذیل کی غزل میں اس کی اچھی مثالیں موجود ہیں۔

جان پہچان : سیّد شاہ سراج الدین سراؔج ۲۱/ مارچ ۱۷۱۲ء کو اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ سراؔج کو صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔ وہ مزاجاً اور عملاً صوفی تھے مگر ان کی شاعری پر تصوف کا غلبہ نظر نہیں آتا۔ وہ زندگی کو ایک عاشق کی نظر سے دیکھتے تھے۔ فارسی شعر و ادب سے انھیں بہت لگاؤ تھا۔ شاعری میں انھیں استادانہ مہارت حاصل تھی۔ ولؔی کے بعد وہ دکن کے سب سے نامور شاعر ہوئے۔ انھوں نے غزل کے علاوہ مرثیے، قصیدے، رباعیات، خمسے اور مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ ان کا انتقال ۱۶/ اپریل ۱۷۶۴ء کو اورنگ آباد میں ہوا۔

اوّل کی ، تم نے بھول گئے مہربانیاں　　لانے لگے ہو خوب تغافل کی بانیاں
کیا ہووے گا ، سنوگے اگر کان دھر کے تم　　گزری بِرہ کی رات جو مُج پر کہانیاں
دامن تلک بھی ہائے ، مجھے دسترس نہیں　　کیا خاک میں ملی ہیں مری جاں فشانیاں
داغِ فراق ، لالۂ باغِ خیال ہے　　رہ گَیں مرے جگر میں تمھاری نشانیاں
شاید کسی کے قتل کی ہوتی ہے مصلحت　　رمزیں تری نگاہ کی سب ہم نے جانیاں
مُج دل کے کوہِ طور کوُں ، سرمہ کیے ہو تم　　باقی ہیں اب تلک بھی وہی لن ترانیاں

کب لگ روا رکھوگے تغافل سراؔج پر
اب اس قدر بھی خوب نہیں سرگرانیاں

معانی و اشارات

اوّل کی	- پہلے کی
تغافل	- بے توجہی، غفلت کرنا
بانیاں	- باتیں
کان دھرکے	- توجہ سے
برہ	- ہجر، جدائی
جاں فشانیاں	- جان چھڑکنا، قربانیاں، کوششیں
داغِ فراق	- جدائی کا غم
لالۂ باغِ خیال	- تصوّر کے باغ کا پھول
رمزیں	- رمز کی جمع، اشارے
جانیاں	- جانتے ہیں
کوئں	- کو
لن ترانیاں	- مراد اکڑ، غرور، یہ کلمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے اس وقت کہا تھا جب حضرت موسیٰؑ نے کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تو جواب میں اللہ نے کہا 'لن ترانی' (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا)
سرمہ کرنا	- توڑ دینا، شکست دینا، ریزہ ریزہ کرنا
کب لگ	- کب تک
سرگرانیاں	- اکڑ

مشقی سرگرمیاں

* غزل پڑھ کر ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ غزل کی دو خصوصیات کو واضح کیجیے۔

۲۔ قتل کی مصلحت سے متعلق شاعر کا خیال بیان کیجیے۔

۳۔ 'شاعر کے جل کر مرجانے کے بعد بھی محبوب اپنا جلوہ دِکھانے کو تیار نہیں ہے۔' اس مفہوم کے شعر کو نقل کیجیے۔

۴۔ غالب کے شعر

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دِل اور آپ فرماویں گے کیا

کے مفہوم والے شعر کو نقل کیجیے۔

۵۔ غزل کے قوافی سے ایسے قافیے نقل کیجیے جن کے واحد بنائے جاسکیں۔

۶۔ غزل سے استعارے کا شعر نقل کیجیے اور مستعار لۂ اور مستعار منۂ کو خط کشیدہ کیجیے۔

۷۔ تلمیح کا شعر لکھ کر واقعہ تحریر کیجیے۔

* درج ذیل شعر کی تشریح مختصراً اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

دامن تلک بھی ہائے ، مجھے دسترس نہیں
کیا خاک میں ملی ہیں میری جاں فشانیاں

* داغِ فراق یعنی جدائی کا غم ...اس طرح زیر اضافت کے ساتھ چار نئے الفاظ بنائیے۔

* 'باقی ہیں اب تلک بھی وہی <u>لن ترانیاں</u>'

مصرعے میں خط کشیدہ لفظ کے ایک معنی ڈینگیں مارنا بھی ہے۔ اس معنی کی روشنی میں مصرعے کی وضاحت کیجیے۔

* جان پہچان کی مدد سے شاعر کا رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

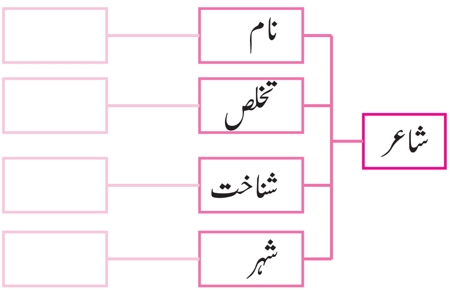

* ذیل کا شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

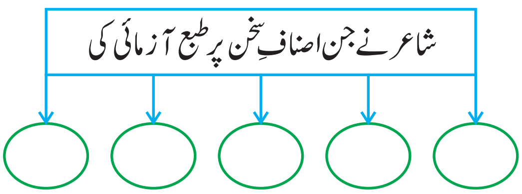

غزل - ۲

میر دردؔ

پہلی بات : شاعری میں ہمیں کئی اشعار ایسے بھی مل جاتے ہیں جنھیں سن کر ہم سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ شاعر نے یہ بات کس سے کہی ہے یا کس کے تعلق سے کہی ہے۔ عشقِ الٰہی میں کہے گئے اشعار کو عشقِ حقیقی کا نام دیا گیا ہے، محبوب سے تعلق کی بات عشقِ مجازی کہلاتی ہے۔ بعض اشعار دونوں مفاہیم کو ادا کرتے ہیں۔ یہ صوفیانہ شاعری کا طرزِ اظہار ہے۔ تصوف کا مقصد خدا اور بندے کے تعلق کو مضبوط کرنا ہے۔ میر دردؔ کے اکثر اشعار تصوف کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

جان پہچان : میر دردؔ کا نام سیّد خواجہ میر تھا۔ وہ ۱۷۲۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی پرورش مذہبی ماحول میں ہوئی تھی۔ دردؔ نے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ وہ جوانی ہی میں درویشی اختیار کر چکے تھے۔ فکر و خیال اور سیرت و عمل کے اعتبار سے ان کی زندگی پاکیزگی کی مثال تھی۔ صوفیانہ شاعری میں دردؔ کا ایک ممتاز مقام ہے۔ ان کے اُردو دیوان میں تقریباً پندرہ سو اشعار ملتے ہیں۔ ان کے کلام میں سادگی اور روانی کے ساتھ پاکیزگی بھی پائی جاتی ہے۔ ۱۷۸۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔

عشق ہر چند مری جان سدا کھاتا ہے
پر یہ لذت تو وہ ہے ، جی ہی جسے پاتا ہے

آہ ، کب تک میں بکوں ، تیری بَلا سنتی ہے
باتیں لوگوں کی جو کچھ دل مجھے سنواتا ہے

ہم نشیں ، پوچھ نہ اس شوخ کی خوبی مجھ سے
کیا کہوں تجھ سے ، غرض جی کو مرے بھاتا ہے

بات کچھ دِل کی ہمارے تو نہ سُلجھی ہم سے
آپ خوش ہووے ہے پھر آپ ہی گھبراتا ہے

جی کڑا کر کے ترے کوچے سے جب جاتا ہوں
دلِ دشمن یہ مجھے گھیر کے پھر لاتا ہے

دردؔ کی قدر مرے یار سمجھنا ، واللہ
ایسا آزاد ترے دام میں یوں آتا ہے

معانی واشارات

ہر چند	-	ہر حال میں
جان کھانا	-	تکلیف دینا، پریشان کرنا
تیری بلا سنتی ہے	-	مراد تو نہیں سنتا
واللہ	-	اللہ کی قسم
دام میں آنا	-	پھنس جانا

مشقی سرگرمیاں

* غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ عشق جان کھاتا ہے، شاعر پھر بھی عشق کرتا ہے۔ وجہ بیان کیجیے۔
۲۔ شاعر اپنے محبوب کو جس نام سے یاد کرتا ہے اسے لکھیے۔
۳۔ دل کے معاملے میں شاعر کی پریشانی واضح کیجیے۔
۴۔ شاعر اپنے دل کو دشمن کہتا ہے، اس کا سبب تحریر کیجیے۔
۵۔ دردکی قدر کرنے کی نصیحت کا راز بیان کیجیے۔
۶۔ غزل کے عمومی موضوع کو واضح کیجیے۔
۷۔ غزل سے ردیف/قافیے ترتیب وار لکھیے۔
۸۔ غزل سے تین محاوروں کو تحریر کیجیے۔

* ذیل کے شعر کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

ہم نشیں ، پوچھ نہ اس شوخ کی خوبی مجھ سے
کیا کہوں تجھ سے ، غرض جی کو مرے بھاتا ہے

* شعر لکھیے۔

مقطع ....

مطلع ....

* غزل کے دو مصرعوں میں شاعر نے لفظ 'جی' استعمال کیا ہے۔ جی سے مراد ....

* 'عشق ہر چند مری جان سدا کھاتا ہے' مصرعے کی روشنی میں عشق کی وضاحت کیجیے۔

اُردوئے معلّیٰ (مکاتیب)

غالبؔ کے خطوط کا یہ مجموعہ ان کی وفات کے چار مہینے بعد شائع ہوا تھا۔ اب تک اس کے متعدد اڈیشن نکل چکے ہیں۔ مولوی مہیش پرشاد نے مطبوعہ خطوط کا مقابلہ اصل خطوط سے کرکے ایک نسخہ مرتب کیا تھا جس کی صرف پہلی جلد شائع ہوسکی۔ لاہور میں مولانا غلام رسول مہرؔ نے غالبؔ کے تمام اُردو خطوط تاریخ وار مرتب کرکے ایک مجموعہ چھاپا تھا۔ 'اُردوئے معلّیٰ' خاصی مدت تک برعظیم کے فوجی اور شہری عہدوں کے انگریز اُمیدواروں کے امتحان (آنرز) کے لیے بطور نصاب مقرر رہا اور اُردو گائیڈ پریس کلکتہ نے ۱۸۸۳ء میں اس کا ایک نہایت عمدہ نسخہ ان اُمیدواروں کے لیے ٹائپ میں شائع کردیا۔ اب یہ اڈیشن نایاب ہے۔ کتاب کی پشت پر یہ انگریزی عبارت تھی: For the Degree of Honours Examination in Urdu. For Officers in the Military and Civil Services.

اُردوئے معلّیٰ (ماہنامہ)

مولانا حسرتؔ موہانی کا یہ رسالہ اُنیسویں صدی کے آغاز میں علی گڑھ سے جاری ہوا تھا۔ اگرچہ اس کا اصل مقصد اُردو علم وادب کی خدمت تھا لیکن اس میں ابتدا ہی سے سیاسی مضامین بھی چھپنے لگے تھے۔ مولانا حسرتؔ کا عقیدہ تھا کہ آزادی اہلِ ملک کا حق ہے اور حق کے اظہار میں باک نہ ہونا چاہیے۔ 'اُردوئے معلّیٰ' بھلے برے طریق پر جاری رہا۔ پھر مولانا نے علیٰحدہ سے 'استقلال' کے نام سے ایک مختصر اخبار جاری کرلیا تھا جس میں سیاسی مضامین چھپتے تھے۔ بیشتر اُردو اساتذۂ شعر کے انتخابات ترتیب وار 'اُردوئے معلّیٰ' میں شائع ہوتے رہے۔ اس طرح اُردو اشعار کا بہت بڑا ذخیرہ اس اخبار کی بدولت محفوظ ہوگیا۔ مولانا نے حجازِ مقدس اور یورپ کے سفر کیے تھے جن کی روداد یں 'اُردوئے معلّیٰ' میں چھپتی تھیں۔ مولانا کا کلام بھی اوّلاً اسی میں شائع ہوتا تھا۔

غزل - ۳

شیخ غلام ہمدانی مصحفؔی

پہلی بات : مختلف شاعروں کے موضوعات میں لب و لہجے اور لفظیات کے اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے۔ دہلی اور لکھنؤ کے شاعروں میں یہ فرق نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ لکھنؤ کی سرزمین سے اُبھرنے والے شاعروں کے ہاں لفظوں کا انتخاب اور زبان کو سنوارنے کا خاص اہتمام ملتا ہے۔ اس کے برعکس دہلی میں خیال کی سادگی کے اعتبار سے شاعری نے اپنا مخصوص انداز اختیار کیا۔ مصحفؔی کے ہاں دہلی اور لکھنؤ کے رنگ نمایاں ہیں۔

جان پہچان : مصحفؔی کی پیدائش ۱۷۴۷ء میں اکبر پور (امروہہ) میں ہوئی۔ یہیں انھوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کی غرض سے وہ دلّی گئے۔ دلّی میں ان کی شاعری کو فروغ حاصل ہوا۔ اس شہر کی تباہی کے بعد وہ لکھنؤ آ کر شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ کے ملازم ہو گئے۔ مصحفؔی ایک قادرالکلام شاعر تھے۔ وہ اُردو، فارسی کے علاوہ عربی پر بھی عبور رکھتے تھے۔

مصحفؔی کے کلام میں ملکی خصوصیات اور مقامی رنگ کے علاوہ حب الوطنی کا جذبہ خاص طور پر نمایاں ہے۔ ان کی چند مثنویاں مشہور ہیں جن میں 'سردی، اجوائن، غریب خانۂ مصحفؔی، مودی خانہ' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ فارسی اور اُردو میں ان کے آٹھ دیوان شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا انتقال ۱۸۲۴ء میں ہوا۔

نہ گیا کوئی عدم کو ، دلِ شاداں لے کر
یاں سے کیا کیا نہ گئے حسرت و ارماں لے کر

باغ وہ دشتِ جنوں تھا کہ کبھی جس میں سے
لالہ و گل گئے ثابت نہ گریباں لے کر

پردۂ خاک میں سو سو رہے جا کر ، افسوس
پردہ رخسار پہ کیا کیا ، مہِ تاباں لے کر

ابر کی طرح سے کر دیویں گے عالم کو نہال
ہم جدھر جاویں گے یہ دیدۂ گریاں لے کر

پھر گئی سوئے اسیرانِ قفس ، بادِ صبا
خبرِ آمدِ ایامِ بہاراں لے کر

رنج پر رنج جو دینے کی ہے خو قاتل کی
ساتھ آیا ہے بہم تیغ و نمک داں لے کر

مصحفؔی گوشۂ عزلت کو سمجھ تختِ شہی
کیا کرے گا تو عبث ملکِ سلیماں لے کر

معانی و اشارات

عدم	–	موجودات کا فنا ہو جانا، مُراد آخرت
دل شاداں	–	خوش دل
نہال کرنا	–	خوش کرنا
دیدۂ گریاں	–	روتی ہوئی آنکھ

سوئے اسیرانِ قفس	{	پنجرے کے قیدیوں کی طرف
خبرِ آمدِ ایامِ بہاراں	{	بہار کے موسم کے آنے کی خبر
گوشۂ عزلت	-	تنہائی کا کونا
تختِ شہی	-	شاہی تخت
عبث	-	بیکار

مشقی سرگرمیاں

✻ **غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔**

۱۔ عدم کے مسافر کے ہم سفروں کے نام لکھیے۔

۲۔ 'خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں' اس مصرعے کے مفہوم والا مصرعہ نقل کیجیے۔

۳۔ قاتل کے تیغ و نمک داں ساتھ لانے کا سبب لکھیے۔

۴۔ اس مقام کا نام لکھیے جہاں بادِ صبا موسمِ بہار کی خبر لے گئی۔

۵۔ غزل سے ایسے اشعار کو شناخت کیجیے جن میں شاعر اپنے بارے میں کچھ کہہ رہا ہے۔

۶۔ مقطع کا مطلب واضح کیجیے۔

۷۔ غزل سے تشبیہ کا شعر نقل کرکے مشبّہ اور مشبہ بہ کو نشان زد کیجیے۔

۸۔ غزل سے تلمیح کا شعر لکھیے۔

۹۔ مصحفی کی غزل سے مبالغے کا شعر تلاش کرکے لکھیے۔

✻ **شعر کی تشریح کیجیے۔**

نہ گیا کوئی عدم کو ، دل شاداں لے کر
یاں سے کیا کیا نہ گئے حسرت و ارماں لے کر

✻ **فقرے کے لیے مناسب لفظ لکھیے۔**

مثلاً : روتی ہوئی آنکھ - دیدۂ گریاں

۱۔ دیکھنے والی آنکھ ۲۔ دل کی آنکھ

اضافی مطالعہ

مخففات و نشانات

اس کتاب میں اُردو لکھنے کے لیے جو رسم الخط استعمال کیا گیا ہے، اسے نستعلیق کہتے ہیں۔ اس طرزِ تحریر میں چند مخصوص مخففات اور نشانات کا چلن عام ہے۔ ان کی معلومات آپ کو اُردو پڑھتے وقت مددگار ثابت ہوگی۔

.1	ب	بیت/شعر کا نشان	مکمل شعر یا بند لکھنے سے پہلے بنایا جاتا ہے۔
.2	ع / ء / ع	مصرع کا نشان	مصرع لکھنے سے پہلے بنایا جاتا ہے۔
.3	ـــ	اسے خطِ بت کہتے ہیں۔	یہ نشان شاعر کے تخلّص پر بنایا جاتا ہے۔
.4	و-الف	'ورق اُلٹیے' کا مخفف ہے۔	تحریر میں ورق کی آخری سطر کے بعد لکھا جاتا ہے۔ انگریزی مخفف PTO (Please turn over) کا متبادل ہے۔
.5	الخ	یہ 'الیٰ آخرِہٖ' کا مخفف ہے یعنی عبارت کے آخر تک	عبارت یا شعر کو مکمل نقل کرنے کی بجائے عبارت کے ابتدائی الفاظ لکھ کر اسے لکھا جاتا ہے۔ اس سے مکمل عبارت مراد ہوتی ہے۔
.6	...	کم سے کم تین یا تین سے زائد نقطے	عبارت یا متن سے کسی لفظ یا کسی حصے کو حذف یا ختم کرتے ہوئے ان کی جگہ یہ نشان بنایا جاتا ہے۔

(صفحہ ۹۰ پر جاری)

غزل - ۴

فانیؔ بدایونی

پہلی بات : ہندی زبان کی ایک کہاوت ہے :

جہاں نہ پہنچے روی، وہاں پہنچے کوی

یعنی سورج جہاں نہیں پہنچ پاتا، شاعر اپنی سوچ اور تخیل کی مدد سے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ شاعری میں انسان، زندگی اور کائنات کے بارے میں عجیب وغریب خیالات ملتے ہیں جو ہمیں محسوسات کی ایک الگ دنیا میں لے جاتے اور غور وفکر پر آمادہ کرتے ہیں۔ فانیؔ بدایونی کی اس غزل میں بھی ایسی ہی بصیرت افروز باتیں بیان کی گئی ہیں۔

جان پہچان : فانیؔ کا اصل نام شوکت علی خان تھا۔ وہ ۱۳؍ستمبر ۱۸۷۹ء کو اُتر پردیش کے ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے۔ بریلی کالج سے بی اے پاس کرنے کے بعد وہ کچھ عرصے تک مدرّس رہے۔ بعد میں ملازمت ترک کر کے علی گڑھ میں ایم اے او کالج (موجودہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۲ء میں مہاراجا کشن پرشاد کی دعوت پر حیدرآباد پہنچے۔ وہاں ایک سرکاری اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہوگئے۔ فانیؔ کی شاعری میں درد وغم کے مضامین کی کثرت کے سبب فانیؔ کو 'یاسیت کا امام' کہا جاتا ہے۔ 'عرفانیاتِ فانیؔ، وجدانیاتِ فانیؔ' اور 'باقیاتِ فانیؔ' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۲۷؍اگست ۱۹۶۱ء کو حیدرآباد میں ان کا انتقال ہوا۔

خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا
ایک گوشہ ہے یہ دنیا اسی ویرانے کا

اک معمّا ہے، سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے، خواب ہے دیوانے کا

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مر جانے کا

تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ، دیکھو نا، تماشا مرے غم خانے کا

دل سے پہنچی تو ہیں آنکھوں میں، لہو کی بوندیں
سلسلہ شیشے سے ملتا تو ہے پیمانے کا

ہر نفس عمرِ گزشتہ کی ہے میّت، فانیؔ
زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

معانی واشارات

پشیماں	-	شرمندہ
حیلہ	-	بہانہ
عمرِ گزشتہ	-	گزری ہوئی عمر

مشقی سرگرمیاں

* غزل پڑھ کر ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ شاعر کے مطابق دنیا کی حیثیت لکھیے۔

۲۔ زندگی کے متعلق فانؔی کا نظریہ بیان کیجیے۔

۳۔ دل اور آنکھوں کے لیے استعمال کیے گئے استعارے لکھیے۔

۴۔ 'اس غزل میں نا اُمیدی اور یاسیت کا رنگ ہے۔' اس بیان کی موافقت میں دو مثالیں دیجیے۔

* شاعر سے متعلق شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

شاعر
- نام
- تخلص
- ڈگری
- ہیڈ ماسٹر

فانؔی بدایونی کے شعری مجموعے

* فانؔی بدایونی سے متعلق رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

- ۱۸۷۹ء
- ۱۹۳۲ء
- ۱۹۴۱ء

* ہدایت کے مطابق شعر لکھیے۔

- مطلع
- حسن مطلع
- مقطع
- استعارہ

* ذیل کے شعر کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مر جانے کا

(صفحہ ۸۸ سے آگے)

اضافی مطالعہ

مخفّفات ونشانات

اس کتاب میں اُردو لکھنے کے لیے جو رسم الخط استعمال کیا گیا ہے، اسے نستعلیق کہتے ہیں۔ اس طرزِ تحریر میں چند مخصوص مخفّفات اور نشانات کا چلن عام ہے۔ ان کی معلومات آپ کو اُردو پڑھتے وقت مددگار ثابت ہوگی۔

.7	" ـــ"ـــ	اس کا نام 'ایضاً' ہے۔ Ditto یا do کا بدل	عبارت کو دوبارہ نقل کرنے کی بجائے یہ نشان بنایا جاتا ہے یعنی حسبِ بالا/ اوپر کی طرح
.8	/	ترچھا خط/ لکیر	تحریر میں رقم، تاریخ یا وزن کے ہندسے لکھنے کے بعد اور کبھی کبھی دو یکساں چیزوں کے درمیان یا/ or کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔
.9	ؑ	علیہ السلام کا مخفف	تمام انبیا کے ناموں کے اوپر یہ نشان لگایا جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر ہمیں "علیہ السلام" پڑھنا چاہیے۔

غزل - ۵

معین احسن جذبی

پہلی بات : ہماری روزمرہ زندگی میں جہاں ہمیں راحتیں اور خوشیاں میسر آتی ہیں، وہیں دُکھوں اور پریشانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہم اپنا غم کسی کو سنا دیں تو دل کا بوجھ اُتر جاتا ہے۔ غزلوں میں غمِ جاناں یعنی محبت کے غم بیان کیے جاتے ہیں، وہیں غمِ دوراں یعنی زمانے کی مشکلات کا بیان بھی ملتا ہے۔ شاعر اپنے دکھوں کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ ہم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ جذبی کی غزل اسی انداز کی نمائندگی کرتی ہے۔

جان پہچان : معین احسن جذبی ۲۱؍اگست ۱۹۱۲ء کو مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے جھانسی، لکھنؤ، آگرہ اور دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ ایم اے پاس کرنے کے بعد ملازمت کی غرض سے مختلف شہروں میں قیام کیا۔ پھر شعبۂ اُردو کے استاد کی حیثیت سے وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے وابستہ ہوگئے۔ معین احسن جذبی کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ 'فروزاں'، 'سخنِ مختصر' اور 'گدازِ شب' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ انھیں اقبال سمان اور غالب ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا تھا۔ جذبی ترقی پسند دور کے اہم شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری کا خاص وصف ان کے لہجے کا دھیماپن اور غنائیت ہے۔ ۱۳؍فروری ۲۰۰۵ء کو علی گڑھ میں ان کا انتقال ہوا۔

عیش سے کیوں خوش ہوئے ، کیوں غم سے گھبرایا کیے
زندگی کیا جانے کیا تھی اور کیا سمجھا کیے

ناخدا بے خود ، فضا خاموش ، ساکت موجِ آب
اور ہم ساحل سے تھوڑی دور پر ڈوبا کیے

وہ ہوائیں ، وہ گھٹائیں ، وہ فضا ، وہ اُس کی یاد
ہم بھی مضرابِ اَلم سے سازِ دل چھیڑا کیے

مختصر یہ ہے ہماری داستانِ زندگی
اک سکونِ دل کی خاطر عمر بھر تڑپا کیے

کاٹ دی یوں ہم نے ، جذبی ، راہِ منزل کاٹ دی
گر پڑے ہر گام پر ، ہر گام پر سنبھلا کیے

معانی و اشارات

ناخدا	ملاح، رہنما	مضرابِ الم	مُراد دکھ کو اُبھارنے والا
ساکت	بے حرکت، خاموش	گام	قدم

مشقی سرگرمیاں

* غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جذبیؔ کا عہدہ لکھیے۔
۲۔ شاعر کے زندگی کو نہ سمجھنے کا سبب بیان کیجیے۔
۳۔ شاعر کے ڈوبنے کا منظر اپنے لفظوں میں لکھیے۔
۴۔ شاعر کی داستانِ حیات کا تضاد بیان کیجیے۔
۵۔ غزل سے استعارے کا شعر نقل کرکے مستعار منہٗ اور مستعار لہٗ کو نشان زد کیجیے۔
۶۔ شاعر کے زندگی گزارنے کے انداز کو بیان کیجیے۔
۷۔ غزل کے حوالے سے جذبیؔ کی شاعری کے خاص وصف پر روشنی ڈالیے۔
۸۔ اپنے پسندیدہ شعر کی تشریح اپنے لفظوں میں کیجیے۔
۹۔ غزل کے ردیف اور قافیوں کی فہرست بنائیے۔

* شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

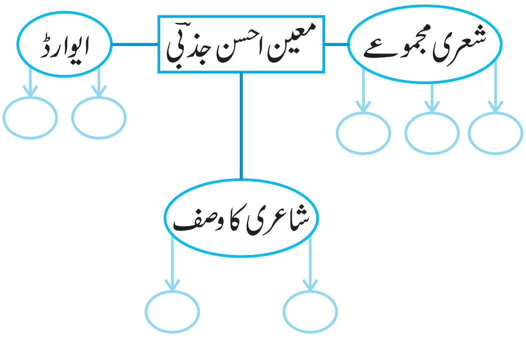

* ہدایت کے مطابق عمل کیجیے۔

۱۔ ایسا مصرعہ لکھیے جس میں ہم معنی الفاظ آئے ہیں۔
۲۔ وہ مصرعہ لکھیے جس میں دُکھ کی داستان بیان کی گئی ہے۔
۳۔ وہ مصرعہ لکھیے جس میں سکون کے لیے مسلسل پریشان رہنے کا ذکر ہے۔
۴۔ وہ مصرعہ لکھیے جس میں گرنے، سنبھلنے کا ذکر ہے۔

اضافی معلومات

نظم

'نظم' عربی زبان کا لفظ ہے۔ لغت میں اس کے معنی ہیں 'لڑی میں موتی پرونا'۔ ادبی اصطلاح کے طور پر 'نظم' کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو یہ لفظ نثر کی ضد کے طور پر بولا جاتا ہے یعنی ہر وہ کلام جو نثر نہ ہو، نظم ہے۔ دوسرے مفہوم کے مطابق نظم شاعری کی اس صنف کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص موضوع پر تسلسل کے ساتھ اظہارِ خیال کیا جائے۔ موجودہ دور میں ہیئت کے اعتبار سے نظم کی تین قسمیں مقرر کی گئی ہیں: پابند نظم، معریٰ نظم اور آزاد نظم۔ پابند نظم ایسی نظم ہے جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترکیب میں مقررہ اُصولوں کی پابندی کی گئی ہو۔ مربع، مخمس، مسدس، ترکیب بند، ترجیع بند، گیت وغیرہ بھی پابند نظم کی ہی مختلف شکلیں ہیں۔ معریٰ نظم ایسی نظم ہے جس کے تمام مصرعے وزن کے لحاظ سے برابر ہوں مگر اس میں قافیے نہیں استعمال کیے جاتے۔ آزاد نظم ایسی نظم ہے جس میں نہ تو قافیے کی پابندی کی گئی ہو اور نہ بحر کے استعمال میں مروّجہ اُصولوں کا لحاظ رکھا گیا ہو بلکہ مصرعے چھوٹے بڑے ہوں۔ اُردو میں آزاد نظم کا رواج انگریزی نظم کی تقلید سے ہوا۔ اُنیسویں صدی کے اواخر میں جب ہندوستان میں انگریزوں کا عمل دخل بڑھا اور انگریزی زبان و ادب کے اثرات بڑھنے لگے تو ان کے نتیجے میں آزاد نظم کا چلن بھی اُردو میں عام ہوا۔ روایت کی پاسداری کرنے والوں نے اُردو میں آزاد نظم کی قبولیت کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا لیکن رفتہ رفتہ آزاد نظم نے ہماری ادبی تاریخ میں اپنی مستقل جگہ بنالی۔ ان دنوں معریٰ اور آزاد نظم کے ساتھ ساتھ نثری نظم بھی اُردو میں عام ہوتی جارہی ہے۔

غزل - ٦

راجندر منچندا بانؔی

پہلی بات : غزل کی شاعری میں یوں تو ہر طرح کے مضامین نظم کیے جاتے ہیں لیکن شاعر ان میں زیادہ تر اپنی ذات پر گزرنے والے حالات کا تذکرہ کرتا ہے۔ ذیل کی غزل کی ردیف 'میرے لیے' سے واضح ہے کہ اس کے ہر شعر میں شاعر کا اپنا تجربہ بیان کیا گیا ہے۔

جان پہچان : راجندر منچندا بانؔی کی پیدائش ۱۲؍نومبر ۱۹۳۲ء کو ملتان میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد وہ اپنے خاندان کے ساتھ دہلی منتقل ہوگئے جہاں انھوں نے تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ بانؔی کا تعلق اُردو کے نئے شاعروں کی اس نسل سے ہے جس نے غزل کو نیا رنگ و آہنگ عطا کیا۔ بانؔی کی غزلیں ایک نئے طرزِ احساس کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان کے زبان و بیان میں تازگی ہے۔ اُردو غزل کی روایت میں بانؔی اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ 'حرفِ معتبر، حساب رنگ' اور 'شفق شجر' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۱۱؍اکتوبر ۱۹۸۱ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔

تمام راستہ پھولوں بھرا ہے میرے لیے
کہیں تو کوئی دعا مانگتا ہے میرے لیے

تمام شہر ہے دشمن ، تو کیا ہے میرے لیے
میں جانتا ہوں ترا در کھلا ہے میرے لیے

مجھے بچھڑنے کا غم تو رہے گا ، ہم سفرو
مگر سفر کا تقاضا جدا ہے میرے لیے

عجیب درگزری کا شکار ہوں اب تک
کوئی کرم ہے نہ کوئی سزا ہے میرے لیے

گزر سکوں گا نہ اس خواب خواب بستی سے
یہاں کی مٹی بھی زنجیر پا ہے میرے لیے

اب آپ جاؤں تو جاکر اسے سمیٹوں میں
تمام سلسلہ بکھرا پڑا ہے میرے لیے

یہ کیسے کوہ کے اندر مَیں دفن تھا ، بانؔی
وہ ابر بن کے برستا رہا ہے میرے لیے

معانی و اشارات

درگزری - بے توجہی
زنجیرِ پا - پاؤں کی زنجیر، اڑچن، روکنے والی

* غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

١۔ غور کیجیے اور اس فرد کی نشاندہی کیجیے جس کی دعا سے شاعر کا راستہ پھولوں سے بھرا ہے۔
٢۔ غزل کے پس منظر میں 'سفر کا تقاضا جدا ہے' کو واضح کیجیے۔
٣۔ 'درگزری' کے احساس کا سبب لکھیے۔
٤۔ غزل سے تضاد کا شعر نقل کرکے متضاد الفاظ کو خط کشیدہ کیجیے۔
٥۔ قافیوں کے علاوہ قافیے کے ہم صوت الفاظ غزل سے تلاش کرکے لکھیے۔
٦۔ غزل کے مقطع کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔
٧۔ حمد کا مفہوم رکھنے والا شعر تلاش کرکے لکھیے۔

* راجندر منچندا بانیؔ سے متعلق خاکہ مکمل کیجیے۔

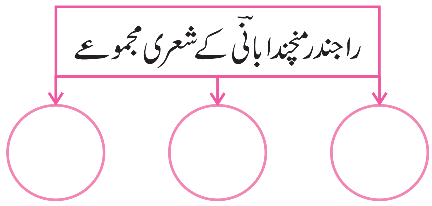

* غزل کی مدد سے ستون الف اور ستون ب کے لفظوں کی جوڑیاں لگائیے۔

ستون الف	ستون ب
راستہ	خواب
شہر	زنجیر پا
مٹی	پھول
بستی	دشمن

* درج ذیل اشعار کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

تمام راستہ پھولوں بھرا ہے میرے لیے
کہیں تو کوئی دعا مانگتا ہے میرے لیے

گزر سکوں گا نہ اس خواب بستی سے
یہاں کی مٹی بھی زنجیر پا ہے میرے لیے

اضافی معلومات

شعری ہیئتیں

مسمّط : شعری کی اصطلاح میں مسمّط ایسی نظم کو کہتے ہیں جو کئی بندوں میں اور قافیوں کی مخصوص ترتیب سے لکھی جائے۔ مسمّط کے ایک بند میں اشعار کی تعداد تین سے لے کر دس تک ہوتی ہے۔ اس کے ہر بند میں مصرعوں کی تعداد برابر ہونی چاہیے۔ یعنی پہلا بند اگر پانچ مصرعوں کا ہے تو بعد کے تمام بند بھی پانچ پانچ مصرعوں کے ہوں گے۔ مسمّط کی آٹھ قسمیں ہیں: مثلّث (ہر بند میں تین مصرعے ہوتے ہیں)، مربّع (ہر بند میں چار مصرعے ہوتے ہیں)، مخمّس (ہر بند میں پانچ مصرعے ہوتے ہیں)، مسدّس (ہر بند میں چھے مصرعے ہوتے ہیں)، مسبّع (ہر بند میں سات مصرعے ہوتے ہیں)، مثمّن (ہر بند میں آٹھ مصرعے ہوتے ہیں)، متسّع (ہر بند میں نو مصرعے ہوتے ہیں) اور معشّر (ہر بند میں دس مصرعے ہوتے ہیں)۔

ترکیب بند اور ترجیع بند : ترکیب بند اور ترجیع بند میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ ترکیب بند میں ٹیپ کا شعر ہر بار بدلتا ہے جبکہ ترجیع بند میں ٹیپ کا شعر تبدیل نہیں ہوتا۔ ہر بند کے آخر میں جوں کا توں دہرایا جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہر بند کے آخر میں صرف ایک مصرع ہی بار بار لایا جاتا ہے۔ اس میں مثالیں بہت کم ہیں۔ نظیرؔ اکبرآبادی کی نظم 'بنجارہ نامہ' اس کی ایک مشہور مثال ہے۔

ترکیب بند میں عام طور پر پانچ سے گیارہ تک اشعار ہوتے ہیں۔ ہر بند میں غزل کی طرح مستقل قافیہ ہوتا ہے لیکن ہر بند کا قافیہ دوسرے بند سے مختلف ہوتا ہے۔ پورے ترکیب بند کا ایک ہی بحر میں ہونا ضروری ہے۔ ہر بند کے آخر میں ٹیپ کا شعر ہوتا ہے جس کا وزن تو باقی نظم کے موافق ہوتا ہے لیکن اس کا قافیہ مختلف ہوتا ہے۔ اس شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ٹیپ کا یہ شعر ہر بند کے آخری شعر سے مربوط ہوتا ہے۔

غزل - ۷

ظفؔر گورکھپوری

پہلی بات : ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔ بنگال میں قحط جیسے حالات تھے۔ اسی زمانے میں ممبئی کے ایک مشاعرے میں ایک نوجوان شاعر نے جب یہ شعر پڑھا۔

ہاتھ کشمیر بنانے کے لیے اُٹھتے ہیں　　　بھوک کشمیر کو بنگال بنا دیتی ہے

تو مشاعرہ گاہ داد و تحسین کے نعروں سے گونج اُٹھی۔ اس نوجوان شاعر کا نام ظفؔر گورکھپوری تھا جو بعد میں ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہوا۔

جان پہچان : ظفؔر گورکھپوری ۵؍مئی ۱۹۳۵ء کو ضلع گورکھپور کے گاؤں بیدولی بابو میں پیدا ہوئے۔ وہ بچپن ہی میں اپنے خاندان کے ہمراہ ممبئی منتقل ہوگئے تھے۔ ظفؔر گورکھپوری ترقی پسند شاعروں میں ایک معتبر مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے بھی نہایت خوب صورت نظمیں کہی ہیں۔ 'سچائیاں، تیشہ، وادیِ سنگ، گوکھرو کے پھول، چراغِ چشمِ تر، ہلکی ٹھنڈی تازہ ہوا، مٹی کو ہنسانا ہے' وغیرہ ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں وہ معلّمی کے پیشے سے سبکدوش ہوئے۔ فلموں سے بھی وابستہ رہے اور فلموں کے لیے گیتوں کے علاوہ انھوں نے قوالیاں بھی لکھیں۔ ۲۹؍جولائی ۲۰۱۷ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہوا۔

بدن کجلا گیا تو دل کی تابانی سے نکلوں گا
میں سورج بن کے اک دن اپنی پیشانی سے نکلوں گا

نظر آجاؤں گا میں آنسوؤں میں ، جب بھی روؤ گے
مجھے مٹی کِیا تم نے تو میں پانی سے نکلوں گا

میں ایسا خوب صورت رنگ ہوں دیوار کا اپنی
اگر نکلا تو گھر والوں کی نادانی سے نکلوں گا

ضمیرِ وقت میں پیوست ہوں مَیں پھانس کی صورت
زمانہ کیا سمجھتا ہے کہ آسانی سے نکلوں گا

یہی اک شے ہے جو تنہا کبھی ہونے نہیں دیتی
ظفؔر مرجاؤں گا جس دن پریشانی سے نکلوں گا

معانی و اشارات

بدن کجلانا – بدن کا بے رونق ہوجانا

ضمیرِ وقت میں پیوست – مراد کوئی ایسی بات یا تصور جو ہر زمانے میں موجود ہو

مشقی سرگرمیاں

* غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ شاعر کے نظر آنے کی جگہ اور وجہ لکھیے۔
۲۔ شاعر نے زمانے کو جو چیلنج کیا ہے اسے واضح کیجیے۔
۳۔ غزل کے حوالے سے اپنوں کی نادانی کا نتیجہ لکھیے۔
۴۔ 'ضمیرِ وقت میں پیوست ہوں میں پھانس کی صورت' مصرعے کے مفہوم کو اپنے لفظوں میں قلم بند کیجیے۔
۵۔ غزل کے قوافی کو ابجدی ترتیب میں لکھیے۔
۶۔ غزل کے قوافی میں دو نئے قافیوں کا اضافہ کیجیے۔
۷۔ غزل کی ردیف لکھیے۔

اضافی مطالعہ

علاماتِ اوقاف

جملوں کے معنی، مطلب، لہجے اور جذبہ و کیف کے اظہار کے لیے اور کچھ مخصوص تحریروں کی شناخت کے لیے اُردو میں مخصوص تحریری نشانات مقرر ہیں۔ان نشانات کو علاماتِ اوقاف کہتے ہیں۔

1.	ختمہ ۔	مکمل بامعنی جملے کے آخر میں لگایا جاتا ہے۔مثال : اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تعریف حمد کہلاتی ہے۔
2.	سوالیہ نشان ؟	سوالیہ جملے کے آخر میں لگاتے ہیں۔
3.	استعجابیہ، فجائیہ، ندائیہ !	(i) تعجب کے اظہار کے لیے ادا کیے گئے جملے، فقرے یا لفظ کے آخر میں۔ (ii) کسی جذبے کے تحت ادا کیے گئے القاب، صوتی الفاظ اور لفظی ترکیب کے آخر میں۔ (iii) ندا یا پکار، اجتماعی خطاب، مخصوص نام کے آخر میں لگاتے ہیں۔
4.	سکتہ ،	جملے میں مختصر وقفے یا ٹھہراؤ کے لیے لگاتے ہیں۔ مثال : انھیں دُھن رہتی تو بس ایک ہی رہتی، تلاشِ حق کی۔
5.	وقفہ ؛	جملے میں سکتے سے کچھ طویل یا لمبے وقفے یا ٹھہراؤ کے لیے۔مثال : وہ نرم گفتار، خوش مزاج شخص کیپٹن تھا؛ پروین گروپ کے سیاحوں کا رہبر۔
6.	تفصیلیہ :-	کسی چیز کی تفصیل بیان کرنے کے لیے یا کسی تفصیل کی مزید تفصیل کے لیے۔
7.	قوسین ( )	تحریر میں جملۂ معترضہ کے لیے۔ مثال : ہم اپنا غم کسی کو سنادیں (اپنے کسی دوست کو) تو دل کا بوجھ اُتر جاتا ہے۔
8.	اکہرے واوین ' '	تحریر میں کسی چیز کی اہمیت یا انفرادیت کو ظاہر کرنے کے لیے۔مثال : اس نے اُنگلی کی پور پر انگوٹھا رکھتے ہوئے 'اِتّی سی' کی صراحت کی۔
9.	دہرے واوین " "	تحریر میں کسی دوسرے کے قول، تقریر، کلام، بیان کو ہو بہو نقل کرنے کے لیے۔مثال : آپؐ نے فرمایا، "سلمان تم سے بڑھ کر دین سے واقف ہیں۔"

غزل - ۸

مخمورؔ سعیدی

پہلی بات :

۱۔ اپنے انکھاں کی کیفیت کہہ کر چشم نرگس کتیں رلادوں کیا

۲۔ اندھیری شام کے پردوں میں چھپ کر کسے روتی ہے چشموں کی روانی

یہ دونوں اشعار آپ جماعت نہم میں پڑھ چکے ہیں۔ پہلا شعر سیّد غلام حسینؔ چشتی (پیدائش : ۱۷۱۸ء) اور دوسرا ناصرؔ کاظمی (پیدائش : ۱۹۲۵ء) کا ہے۔ دونوں شاعروں کے درمیان دو صدیوں کا فاصلہ ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وقت کے ساتھ اظہار کے انداز اور لفظوں کے انتخاب میں بھی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ آج بھی نئی شاعری کا رنگ قدیم اندازِ سخن سے مختلف ہے۔ ذیل کی غزل میں 'بھیڑ میں اکیلا، دکھوں کی دنیا، نفرت کا وار' اور 'خود سے مل کر' جیسے فقرے نئی غزل کی نئی زبان میں شمار کیے جاتے ہیں۔

جان پہچان : مخمورؔ سعیدی کا اصل نام محمد خان تھا۔ ۳۱/دسمبر ۱۹۳۸ء کو وہ ٹونک (راجستھان) میں پیدا ہوئے۔ اُردو میں ایم اے کیا۔ اُردو اکیڈمی، نئی دہلی کے اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدے پر فائز رہے۔ انھوں نے ماہنامہ 'تحریک، ایوانِ اُردو اور اُمنگ' جیسے رسالوں کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیے۔ ۲/مارچ ۲۰۱۰ء کو ان کا انتقال ہوا۔

مخمورؔ سعیدی کی غزلوں میں نئے دور کے انسانی مسائل اور دُکھوں کا اظہار نئے انداز اور منفرد اسلوب میں ہوا ہے۔ ان کی غزل میں روایتی انداز کے ساتھ جدید لب و لہجہ بھی سنائی دیتا ہے۔ 'آواز کا جسم، واحد متکلم' اور 'آتے جاتے لمحوں کی صدا' ان کے شعری مجموعے ہیں۔

بھیڑ میں ہے مگر اکیلا ہے اس کا قد دوسروں سے اونچا ہے

اپنے اپنے دُکھوں کی دنیا میں میں بھی تنہا ہوں ، وہ بھی تنہا ہے

منزلیں غم کی طے نہیں ہوتیں راستہ ساتھ ساتھ چلتا ہے

ساتھ لے لو سِپر محبت کی اُس کی نفرت کا وار سہنا ہے

تجھ سے ٹوٹا جو اک تعلق تھا اب تو سارے جہاں سے رشتہ ہے

خود سے مل کر بہت اُداس تھا آج وہ جو ہنس ہنس کے سب سے ملتا ہے

اُس کی یادیں بھی ساتھ چھوڑ گئیں
اِن دنوں دل بہت اکیلا ہے

مشقی سرگرمیاں

* شاعر سے متعلق رواں خاکے مکمل کیجیے۔

۱۔
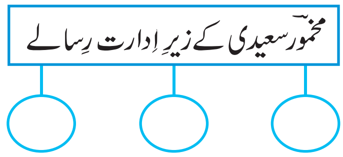

۲۔
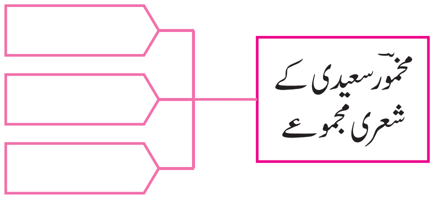

* غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ غزل کے شاعر کا اصل نام اور تخلص لکھیے۔
۲۔ اس غزل میں جس ہیئتی جز کی کمی ہے اس کی نشاندہی کیجیے۔
۳۔ شاعر کے مطابق اس کے اکیلے ہونے کا سبب لکھیے۔
۴۔ منزلوں کے طے نہ ہونے کا سبب لکھیے۔
۵۔ 'خود سے مل کر اُداس ہونے' کا مفہوم بیان کیجیے۔
۶۔ غزل میں تکرار سے آنے والے الفاظ تلاش کرکے لکھیے۔
۷۔ غزل سے ہم معنی الفاظ تلاش کرکے لکھیے۔
۸۔ غزل میں آنے والے یکساں قافیے لکھیے۔
۹۔ غزل سے تضاد کے اشعار نقل کیجیے اور شعر کے متضاد الفاظ کونشان زد کیجیے۔
۱۰۔ پسندیدہ شعر کے مفہوم کو اپنے لفظوں میں لکھیے۔

* اشعار کا مطلب بیان کیجیے۔

۱۔ منزلیں غم کی طے نہیں ہوتیں
راستہ ساتھ ساتھ چلتا ہے

۲۔ اس کی یادیں بھی ساتھ چھوڑ گئیں
اِن دنوں دل بہت اکیلا ہے

اضافی معلومات

انٹرنیٹ

انٹرنیٹ پیغام رسانی میں دورِ جدید کی ایک مقبول ترین ایجاد اور ہرقسم کی معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے۔ یہ ہمیں تعلیمی، تفریحی، سائنسی اور دوسرے کئی نئے شعبوں سے آگاہ کرتا ہے۔

انٹرنیٹ کی ساخت و بافت پر سب سے پہلے کمپیوٹر سائنس کے پروفیسر لیونارڈ کلائن راک (Leonard Klein Rock) نے مئی ۱۹۶۱ء میں ایک مقالہ پیش کیا۔ اس کے بعد کئی سائنس داں اس کے ارتقا کا ذریعہ بنے۔ انٹرنیٹ ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آخری حصے میں کیلیفورنیا میں شروع ہوا۔ پہلا انٹرنیٹ میسیج ۲۱/اکتوبر ۱۹۶۹ء کو صبح ساڑھے دس بجے لیونارڈ ہی کی لیباریٹری سے بھیجا گیا تھا۔ ۱۹۹۰ء میں انٹرنیٹ عام آدمی کی دسترس میں آ گیا۔ ہندوستان میں اس کا آغاز ۱۹۹۵ء میں ہوا۔ سب سے پہلے اس کو NICNET اور ERNET نامی اداروں نے تعلیمی اور تحقیقی اغراض کے لیے استعمال کیا۔ اس کے بعد بھارت کے عوام میں اس کا استعمال شروع ہوا۔

سماج پر انٹرنیٹ کے استعمال کے اثرات مثبت بھی ہوتے ہیں اور منفی بھی۔ اس کے مثبت استعمال سے سب سے پہلے مواصلات کے شعبے میں انقلاب آیا۔ چنانچہ e-mail کے ذریعے پیغام رسانی آسان اور تیز ہوگئی۔ پہلا ای-میل ۱۹۷۱ء میں رے ٹاملنسن (Ray Tomlinson) نے بھیجا تھا۔

انٹرنیٹ کا اور ایک فائدہ یہ ہے کہ دور دراز کے مقامات کے لوگوں سے رابطہ آسان ہوگیا۔ E-commerce کی وجہ سے اشیا فیکٹری سے راست صارف تک پہنچائی جاسکتی ہیں۔ E-governance اور E-banking بھی آج کل بہت عام ہوچکے ہیں۔

انٹرنیٹ کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں لیکن اس کے منفی اثرات سے چشم پوشی بھی نہیں کی جاسکتی۔ اس کا بے جا استعمال جیسے چیٹنگ، سرفنگ وغیرہ وقت کی بربادی اور اخلاق کی خرابی کا باعث بنتا ہے۔

کمپیوٹر کے مسلسل استعمال سے صحت متاثر ہوتی ہے۔ آنکھوں، ہاتھوں، کمر، گردن کے عضلات، ریڑھ کی ہڈی اور ہاضمے پر اس کے مضر اثرات ہوتے ہیں۔ بہتر ہے کہ انٹرنیٹ کے تعمیری پہلو سے استفادہ کیا جائے۔

۱۰۔ رباعیات

پہلی بات : جماعت نہم میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ چار مصرعوں اور ایک خاص وزن اور بحر میں ادا کیے گئے شاعرانہ خیال کو رباعی کہتے ہیں۔ رباعی میں شاعر جو کچھ کہنا چاہتا ہے، اس کا خیال پہلے مصرعے سے ترقی کرتا جاتا ہے اور چوتھے مصرعے میں اپنے عروج پر پہنچتا ہے۔ اس بحر کے ۲۴/اوزان رباعی کے لیے مخصوص ہیں۔ اُردو میں رباعی کا آغاز فارسی شاعری کے زیرِ اثر ہوا۔ فارسی ادب میں رباعی کہنے کا رواج قدیم زمانے سے ہے۔ فارسی میں عمر خیام کی رباعیاں بے حد مقبول ہیں۔ اُردو کے ابتدائی زمانے میں بعض دکنی شعرا جیسے قلی قطبؔ شاہ اور مُلّا وجہیؔ نے رباعیاں کہیں۔ اس کے بعد شمالی ہند میں رباعی لکھنے کا رواج شروع ہوا۔

رباعی کے لیے کوئی موضوع مخصوص نہیں ہے۔ عام طور پر اس میں فلسفیانہ، اخلاقی اور نصیحت آموز مضامین بیان کیے جاتے ہیں۔ حمدیہ اور عشقیہ موضوعات پر بھی رباعیاں کہی گئی ہیں۔

ذیل میں مہاراجا کشن پرشاد شادؔ کی رباعی میں زندگی کو غفلت میں گزار دینے پر فکرِ آخرت اور خدا کے آگے جوابدہی کے احساس کو پیش کیا گیا ہے۔ یاسؔ یگانہ چنگیزی نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں اپنی انفرادیت کو قائم رکھنے کی بات کہی ہے۔ اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ انسان رکاوٹوں اور مصیبتوں کے باوجود راہِ حق پر قائم رہے۔ شادؔ عارفی کی رباعی بھی حرکت و عمل کی اہمیت کو اُجاگر کرتی ہے کہ انسان عیش و عشرت میں پڑ کر اپنی منزل سے غافل نہ ہو۔ جمیلؔ مظہری کی رباعی میں شاعر اپنے دوستوں سے درخواست کر رہا ہے کہ وہ صبح کی تلاش کا جذبہ یعنی بہتر مستقبل کی تمنا کو اس کے دل میں زندہ رکھنے میں مدد کریں۔

۱۔ کشن پرشاد شادؔ

جان پہچان : مہاراجا کشن پرشاد شادؔ ۲۸/فروری ۱۸۶۴ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ زمانے کے رواج کے مطابق انھوں نے عربی، فارسی، فلسفہ و منطق کی تعلیم حاصل کی۔ وہ ریاست حیدرآباد میں دو مرتبہ وزیرِاعظم کے عہدے پر فائز ہوئے۔ سرکارِ برطانیہ نے انھیں 'سر' کے خطاب سے نوازا تھا۔ شادؔ ان کا تخلص تھا۔ انھوں نے تقریباً ساٹھ کتابیں تصنیف کیں۔ 'باغِ شادؔ'، 'بیاضِ شادؔ'، 'رباعیاتِ شادؔ' اور 'جامِ جہاں نما' ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ ۹/مئی ۱۹۴۰ء کو حیدرآباد میں ان کا انتقال ہوا۔

غفلت میں گنوا کے صبح کو شام کیا
افسوس ، یہاں آ کے نہ کچھ کام کیا
کس طرح خدا کو منہ دکھاؤں گا ، شادؔ
عقبیٰ کا نہ کچھ ہائے ، سر انجام کیا

F2H2HC

۲۔ یاسؔ یگانہ چنگیزی

جان پہچان : یاسؔ یگانہ چنگیزی کا نام مرزا واجد حسین تھا۔ وہ ۱۷/ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو پٹنہ (بہار) میں پیدا ہوئے۔ پہلے ان کا تخلص یاسؔ تھا بعد میں یگانہؔ ہو گیا۔ ان کے کلام میں ایک خاص طرح کی انفرادیت کا رنگ حاوی ہے۔ بول چال کے ایسے الفاظ بھی جو ادبی زبان کا حصہ نہیں ہوتے، معنی میں تیزی اور تندی لانے کے لیے یاسؔ یگانہؔ انھیں استعمال کرتے تھے۔ ان کے کلام کے مجموعے 'آیاتِ وجدانی' اور 'گنجینہ' کے نام سے شائع ہوئے۔ یاسؔ یگانہؔ چنگیزی کا انتقال ۴/ فروری ۱۹۵۶ء کو لکھنؤ میں ہوا۔

مردانِ خدا کسی کے آگے نہ جھکے   دل شعلۂ غم سے پھُک رہا تھا، پھُکے

جادہ اپنا ہے اور ارادہ اپنا   دھارا کیا پتھروں پہاڑوں سے رُکے

۳۔ شادؔ عارفی

جان پہچان : شادؔ عارفی کا اصل نام احمد علی خان تھا۔ وہ ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا وطن رام پور تھا۔ ان کی نظموں کا پہلا مجموعہ 'سماج' ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا۔ ان کی غزلوں اور نظموں میں طنز و مزاح، واقعاتی رنگ اور افسانوی کیفیت کا امتزاج ملتا ہے اور شاعری میں مزاحمت کا عنصر نمایاں ہے۔ ان کے مجموعے 'شوخیِ تحریر' اور 'سفینہ چاہیے' جدید شاعری کے نمائندہ مجموعوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ شادؔ عارفی کا انتقال ۸/ فروری ۱۹۶۴ء کو رام پور میں ہوا۔

نَفس جب عشرتوں میں کھو جاتا ہے   آدمی سُست گام ہو جاتا ہے

سعیِ منزلِ طلب کو جاری رکھیے   نہ ہلائیں تو پاؤں سو جاتا ہے

۴۔ جمیلؔ مظہری

جان پہچان : جمیلؔ مظہری کا اصل نام کاظم علی تھا۔ وہ ۲/ ستمبر ۱۹۰۴ء کو پٹنہ (بہار) میں پیدا ہوئے۔ پٹنہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھوں نے کلکتہ یونیورسٹی سے فارسی میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ انھوں نے صحافت کے شعبے میں خدمات انجام دیں اور فلمی دنیا سے بھی وابستہ رہے۔ ۲۳/ جولائی ۱۹۸۰ء کو بھیکن پور (مظفر پور) میں ان کا انتقال ہوا۔ 'نقشِ جمیل'، 'فکرِ جمیل'، 'آب و سراب' اور 'عکسِ جمیل' ان کے شعری مجموعے ہیں۔

اے ہم نَفَسو، سوزِ جگر دیتے جاؤ   پروانوں کو اک رقصِ شرر دیتے جاؤ

تم آ کے شبستاں میں سحر کیا دو گے   ہاں، یہ کہ تمنائے سحر دیتے جاؤ

معانی واشارات

عقبیٰ	–	آخرت، عاقبت
سرانجام کرنا	–	انتظام کرنا
مردانِ خدا	–	خدا کے خاص بندے
پھکنا	–	جلنا، جھلسنا
جادہ	–	راستہ
نفس	–	وجود، جان، ذات
عشرت	–	شادمانی، خوشی
سست گام	–	سست رفتار
پاؤں سو جانا	–	پاؤں سن ہو جانا مراد بے حرکت ہو جانا
نَفَس	–	سانس، دَم
رقصِ شرر	–	شعلوں کا ناچ
شبستاں	–	خواب گاہ، سونے کا کمرہ

مشقی سرگرمیاں

* رباعیات کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

(۱)

۱۔ شاعر کو جس جگہ کام نہ کرنے کا افسوس ہے، اُس کا نام لکھیے۔

۲۔ شاعر کو جس کام کے نہ کرنے کا افسوس ہے، اسے بیان کیجیے۔

۳۔ شاعر خدا کو منہ دِکھانے کے قابل نہیں، وجہ تحریر کیجیے۔

۴۔ عقبیٰ کے معنی و مفہوم لکھیے۔

۵۔ کشن پرساد شآد کی رباعی کا مرکزی خیال لکھیے۔

(۲)

۱۔ مردانِ خدا کی پہچان قلم بند کیجیے۔

۲۔ شعلۂ غم کے مفہوم کو واضح کیجیے۔

۳۔ رباعی میں پتھروں اور پہاڑوں کے مفہوم کی وضاحت کیجیے۔

۴۔ یاس یگآنہ چنگیزی کی رباعی کا موضوع بیان کیجیے۔

(۳)

۱۔ آدمی کی سست روی کی وجہ لکھیے۔

۲۔ پاؤں کے سو جانے کا سبب تحریر کیجیے۔

۳۔ 'تھک کر نہ بیٹھ جانے' کے مفہوم والا مصرعہ نقل کیجیے۔

۴۔ رباعی سے ہم معنی الفاظ تلاش کرکے لکھیے :
چاہ ، مقامِ مقصود ، کوشش ، خوشی و مسرت

۵۔ شآد عارفی کی رباعی کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

(۴)

۱۔ شاعر کے مخاطَب کی نشاندہی کیجیے۔

۲۔ سوزِ جگر، رقصِ شرر، شبستاں اور سحر کے مفہوم کو واضح کیجیے۔

۳۔ جمیؔل مظہری کی رباعی کا موضوع بیان کیجیے۔

۱۱۔ قطعات

پہلی بات : قطعہ نظم کی اس صنف کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص خیال، جذبے یا کیفیت کو بیان کیا جاتا ہے۔اس کے ہر شعر کا دوسرا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے۔اس کے اشعار کی تعداد کم سے کم دو ہوتی ہے، زیادہ سے زیادہ کی کوئی قید نہیں۔غزل کی طرح اس میں مطلع کہنا ضروری نہیں۔زیادہ تر دو شعری قطعات کا چلن عام ہے۔

۱ : نظیؔر اکبر آبادی

جان پہچان : نظیؔر اکبر آبادی ۱۷۴۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ان کا اصل نام ولی محمد تھا۔انھوں نے آگرے میں پرورش پائی اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ وہ عربی، فارسی کے علاوہ پنجابی، مارواڑی، پوربی اور ہندی زبانیں بھی جانتے تھے۔ وہ درس و تدریس سے وابستہ تھے۔ان کے حلقۂ احباب میں امیر غریب، عالم جاہل، ہندو مسلمان سبھی شامل تھے۔نظیؔر اپنی نظموں میں بول چال کی زبان استعمال کرتے تھے۔اسی وجہ سے وہ عوامی شاعر بن گئے۔ان کے کلام میں ہندوستان کے موسموں اور تہواروں کا تذکرہ ملتا ہے۔ان کا انتقال ۱۶راگست ۱۸۳۰ء کو ہوا۔

نظیؔر ، یار کی ہم نے جو کل ضیافت کی
پکایا ، قرض منگا کر ، پلاؤ اور قلیا
سو یار آپ نہ آیا ، رقیب کو بھیجا
ہزار حیف ، ہم ایسے نصیب کے بلیا
اِدھر تو قرض ہُوا اور اُدھر نہ آیا یار
پکائی کھیر تھی ، قسمت سے ہوگیا دلیا

۲ : بہادر شاہ ظفؔر

جان پہچان: محمد سراج الدین بہادر شاہ ظفر ۲۴راکتوبر ۱۷۷۵ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ مغلیہ خاندان کے آخری تاجدار تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی قیادت کی وجہ سے انگریزوں نے انھیں معزول کرکے رنگون میں قید کر دیا تھا۔ ۶رنومبر ۱۸۶۲ء کو وہیں ان کا انتقال ہوا۔ بہادر شاہ ظفؔر شاعری کے قدر دان ہی نہیں خود بھی شاعر تھے۔ اُردو کے مشہور شاعر ذوقؔ اور ان کے انتقال کے بعد مرزا غالبؔ سے انھوں نے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ ظفؔر نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔ ان کے کلام میں صفائی اور سادگی کے علاوہ ایک والہانہ بے خودی پائی جاتی ہے۔

کتنے ہی بن کے ، شہر کے اور گاؤں کے نشان
یوں مٹ گئے ، زمین پہ جوں پاؤں کے نشان
گر نخلِ خشک کوئی کہیں رہ گیا ، ظفؔر
پائے نہ اس کے پاؤں تلے چھاؤں کے نشان

F2VXXZ

۳ : علامہ اقبالؔ

جان پہچان : علامہ محمد اقبالؔ ۹/نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم گھر اور مکتب میں ہوئی۔ بعد میں انھوں نے اسکاچ مشن اسکول، سیالکوٹ میں داخلہ لیا۔ علامہ اقبالؔ نے گورنمنٹ کالج، لاہور سے فلسفہ میں ایم اے کیا۔ ۱۹۰۵ء میں وہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے انگلینڈ گئے۔ جرمنی سے انھوں نے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ہندوستان آکر وہ بیرسٹری کرنے لگے۔

علامہ اقبالؔ نے اپنی شاعری کو پیغام کا ذریعہ بنایا۔ ان کے افکار میں فلسفۂ خودی کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ 'بانگِ درا، بالِ جبریل' اور 'ضربِ کلیم' ان کے مشہور اُردو شعری مجموعے ہیں۔ نثر میں ان کی کتابیں 'علم الاقتصاد، فلسفۂ عجم، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ' بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے بھی کئی نظمیں لکھیں۔ ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کو ان کا انتقال ہوا۔

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی
تو اے مسافرِ شب ، خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

۴ : گوپال مِتّلؔ

جان پہچان : گوپال مِتّلؔ کی پیدائش ۱۱/ جون ۱۹۰۱ء کو مالیر کوٹلہ (پنجاب) میں ہوئی۔ وہ اُردو کے مشہور صحافی، مترجم، ادیب اور شاعر تھے۔ رسالہ 'تحریک' کے مدیر رہے۔ اُردو زبان و ادب سے انھیں گہرا لگاؤ تھا۔ ان کی قابلِ ذکر تصانیف میں 'صحرا میں اذان' (شعری مجموعہ)، 'لاہور کا جو ذکر کیا' (سوانح)، 'کینسر وارڈ' (ترجمہ) کا شمار ہوتا ہے۔ ان کا انتقال ۱۵/ مارچ ۱۹۹۳ء کو دہلی میں ہوا۔

ذیل کے قطعے میں شاعر نے بتایا ہے کہ کڑوی کسیلی باتیں کرنے سے دوست بھی دشمن بن جاتے ہیں لیکن میٹھے بول بولنے سے ہم دوسروں کے دلوں کو جیت سکتے ہیں۔

ہر حال میں پرہیز کر اس عادتِ بد سے
ہر عیب سے ہے عیب بُرا تلخیِ گفتار
یہ چیز بنا دیتی ہے احباب کو دشمن
حق میں ہے محبت کے ، یہ چلتی ہوئی تلوار

معانی و اشارات

ضیافت	دعوت	نخل	درخت
رقیب	حریف	سرشت	فطرت
ہزار حیف	نہایت افسوس	درخشانی	چمک، تابانی، روشنی
نصیب کے بلیا	قسمت کا دھنی طنزاً بدنصیب	داغِ جگر	جگر کا زخم
پکائی کھیر ہو گیا دلیا	کیا کچھ اور ہو گیا کچھ	تلخیِ گفتار	باتوں کی کڑواہٹ

مشقی سرگرمیاں

٭ قطعات کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

(۱)

۱۔ دعوت دینے والا اور جسے دعوت دی گئی ہے، ان کی پہچان بتائیے۔

۲۔ قطعے کا موضوع بیان کیجیے۔

۳۔ قطعے کے قوافی کو معنی کے ساتھ لکھیے۔

۴۔ ذیل میں سے غلط بیان کو صحیح کرکے لکھیے۔

(i) دعوت میں کھیر پکائی گئی تھی۔

(ii) شاعر پر دعوت کی وجہ سے دوہری مار پڑی۔

(iii) دعوت میں شاعر کا دوست آیا تھا۔

(۲)

۱۔ شاعر کے مطابق نخلِ خشک کی حالت بیان کیجیے۔

۲۔ قطعے سے مشبّہ اور مشبّہ بہٖ کو تلاش کرکے لکھیے۔

۳۔ بہادر شاہ ظفرؔ کے قطعے کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

(۳)

۱۔ نہ ڈرنے والے کی خوبی لکھیے۔

۲۔ علامہ اقبالؔ کی نصیحت کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۳۔ قطعے میں ناصح اور جسے نصیحت کی جارہی ہے، اس کی نشاندہی کیجیے۔

۴۔ 'داغِ جگر' کے مفہوم کو واضح کیجیے۔

(۴)

۱۔ وہ فعل لکھیے جو بُرے فعل سے بدتر ہے۔

۲۔ قطعے کے پیغام کو تحریر کیجیے۔

۳۔ قطعے سے مستعار منہٗ اور مستعار لہٗ کو تلاش کرکے قلم بند کیجیے۔

۴۔ دیے ہوئے بیان کے مطابق ذیل سے صحیح متبادل لکھیے :

قطعے کا موضوع .... ہے۔

(i) بات چیت کا سلیقہ

(ii) دوستی

(iii) عیب

F35TZM

قصہ سوتے جاگتے کا

ڈاکٹر نیّر مسعود

پہلی بات : آپ نے نویں جماعت میں سلام بن رزّاق کا ڈراما 'قسمت بیگ' پڑھا ہے جو ایک ریڈیو ڈراما ہے۔ ریڈیو ڈرامے میں ہم صرف کرداروں کی آوازیں سنتے ہیں مگر جب وہی کردار اسٹیج پر اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہیں تو وہ اسٹیج ڈراما کہلاتا ہے۔ ڈراما ادب کی بڑی اہم صنف ہے۔ اس میں فنونِ لطیفہ کی تمام جھلکیاں موجود ہوتی ہیں اسی لیے اسے فنونِ لطیفہ کا مرقع بھی کہا جاتا ہے۔

ڈرامے کے اجزائے ترکیبی میں چھے چیزیں ضروری سمجھی جاتی ہیں : ماجرا، کردار، مکالمہ، مرکزی خیال، سجاوٹ اور موسیقی۔ ڈرامے میں واقعات کی کڑیاں اس طرح ملائی جاتی ہیں کہ وہ بتدریج نقطۂ عروج تک پہنچ سکیں۔ اس کے بعد ڈراما انجام کی طرف بڑھتا ہے۔ واقعات سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے، وہ ڈرامے کے انجام میں نظر آتا ہے۔ عام طور پر حق و باطل اور خیر وشر کی کشمکش، انسانی اقدار اور سماجی، قومی اور سیاسی مسائل کو ڈراموں میں پیش کیا جاتا ہے۔

جان پہچان : نیر مسعود ۱۶/ نومبر ۱۹۳۶ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم کے بعد اُردو اور فارسی میں ایم اے کیا اور دونوں زبانوں میں یکے بعد دیگرے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ وہ لکھنؤ یونی ورسٹی میں اُردو فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ وہ ایک صاحبِ طرز ادیب تھے۔ انھوں نے افسانے میں ایک نئے طرزِ بیان کو متعارف کیا۔ تحیر اور اسرار اُن کے افسانوں کا خاص وصف ہے۔

'سیمیا، عطر کافور، گنجفہ' اور' طاؤس چمن کی مینا' اُن کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔ 'بزمِ انیسؔ' کے نام سے انھوں نے انیسؔ کے مرثیوں کا انتخاب شائع کیا۔ انھوں نے فارسی کی منتخب کہانیوں کے تراجم بھی شائع کیے۔ انھیں ۲۰۰۱ء میں ساہتیہ اکیڈمی اور ۲۰۰۷ء میں سرسوتی سمّان جیسے باوقار انعامات سے سرفراز کیا گیا۔ ۲۴/ جولائی ۲۰۱۷ء کو لکھنؤ میں اُن کا انتقال ہوا۔

یہاں ان کا ایک ڈراما پیش کیا جاتا ہے جو الف لیلہ کی داستان سے ماخوذ ایک واقعے پر مبنی ہے۔

کردار

ہارون رشید	:	آٹھویں صدی عیسوی میں اسلامی دنیا کے خلیفہ
ابوالحسن	:	بغداد کا ایک نوجوان
جعفر	:	ہارون رشید کا وزیر
مسرور	:	ایک سردار
کافور	:	حبشی غلام

ابوالحسن کی ماں

تین پڑوسی، داروغہ اور دوسرے درباری، امیر، افسر، کنیزیں اور غلام

منظر - ۱

مقام : بغداد کا پل

(ابوالحسن دجلہ کے پل پر بیٹھا ہوا اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے۔خلیفہ ہارون رشید ایک غلام کے ساتھ سوداگر کے بھیس میں آتے ہیں)

ابوالحسن : (خلیفہ سے) بھلے آدمی، تمھارا لباس بتاتا ہے کہ تم بغداد کے رہنے والے نہیں ہو۔

خلیفہ : میاں، تم نے خوب پہچانا۔ میں موصل کا سوداگر ہوں۔

ابوالحسن : بس تو بھائی موصل کے سوداگر! کیا آج رات میرے غریب خانے پر چلنے کی زحمت کروگے؟ وہاں ہم دونوں عمدہ کھانا کھائیں گے۔

خلیفہ : بڑے شوق سے چلوں گا۔ بھلا اتنی محبت سے دی ہوئی دعوت کون ٹھکرا سکتا ہے؟

ابوالحسن : (اُٹھ کھڑا ہوتا ہے) آؤ چلو...(رُک کر) مگر ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ ہماری دوستی صرف آج تک رہے گی۔

خلیفہ : (حیران ہوکر) یہ کیسی شرط ہے بھائی؟ تم تو عجیب آدمی معلوم ہوتے ہو!

ابوالحسن : یہ شرط اس لیے ہے کہ کہیں تم میرے دوست نہ بن جاؤ۔ میں دشمنوں سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا دوستوں سے۔

خلیفہ : بھائی! آخر معاملہ کیا ہے؟

ابوالحسن : معاملہ میں سمجھائے دیتا ہوں۔ (پُل پر بیٹھ جاتا ہے۔خلیفہ اور غلام بھی بیٹھ جاتے ہیں)

خلیفہ : ہاں، اب سناؤ۔

ابوالحسن : میرا نام ابوالحسن ہے۔ میں ایک امیر سوداگر کا بیٹا ہوں۔ باپ کے مرنے کے بعد ساری دولت میرے ہاتھ آئی جسے میں نے دل کھول کر خرچ کیا۔ روپیا آخر کب تک چلتا؟

خلیفہ : بے شک، اگر قارون کا خزانہ بھی اس طرح لٹایا جائے تو ایک دن ختم ہی ہوجائے گا۔

ابوالحسن : اسی طرح میری بھی دولت ختم ہوگئی۔ اب غریبی جو آئی تو دوستوں نے ایک ایک کرکے کھسکنا شروع کردیا۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے ان دوستوں سے کچھ روپیا قرض مانگا مگر انھوں نے ٹکا سا جواب دے دیا۔

خلیفہ : مطلب کے دوست اس کے سوا اور کیا دے سکتے ہیں؟

ابوالحسن : پھر میں نے کچھ جائداد بیچ کر روپیا اِکٹھا کیا اور اس سے چھوٹا موٹا کاروبار شروع کردیا۔ اب جو پیسے ملتے ہیں، انھیں مزے مزے خرچ کرتا ہوں۔ میں روز کسی اجنبی کو گھر لے جاتا ہوں۔ اس کے ساتھ کھانا کھاتا ہوں اور سویرے تڑکے اُسے رخصت کردیتا ہوں۔ یہ اس لیے کہ دوستوں کی وجہ سے مل بیٹھ کر کھانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ بس یہ ہے میری کہانی۔

خلیفہ : دوست، تم تو بڑے مزے کے آدمی ہو! چلو، مجھے تمھاری دعوت منظور ہے۔

ابوالحسن : آؤ چلیں۔

منظر - ۲

مقام : ابوالحسن کا مکان

(ابوالحسن اور خلیفہ کھانا کھا چکے ہیں اور شربت پی رہے ہیں۔ طشتریوں میں میوے رکھے ہیں)

خلیفہ : واللہ ابوالحسن ! میں نے دنیا جہان کے کھانے کھائے مگر یہ مزہ کہیں نہ پایا جو تمھارے یہاں ملا۔ جی چاہتا ہے روز ہم تم مل کر اسی طرح کھایا پیا کریں۔

ابوالحسن : دل تو میرا بھی یہی چاہتا ہے۔

خلیفہ : ٹھیک ہے۔ اچھا تم آرام کرو۔ میں اب سوتا ہوں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمھارے اس احسان کے شکریے میں کچھ میں بھی تمھاری خدمت کروں۔

ابوالحسن : تمھارا یہی احسان کیا کم ہے کہ تم نے میری دعوت قبول کی۔ (کچھ سوچ کر) میں ایک مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں مگر تم پردیسی اس میں میری کیا مدد کر سکتے ہو؟

خلیفہ : بتاؤ، بتاؤ۔ شاید میں کسی کام آ سکوں۔

ابوالحسن : بھائی، ہمارے محلے میں ایک امیر شخص ہے۔ اس کے چار یار بھی ہیں۔ یہ پانچوں مل کر محلے بھر کا ناک میں دَم کیے ہوئے ہیں۔

خلیفہ : (سوچتے ہوئے) مگر اُن کا علاج کیا ہونا چاہیے۔

ابوالحسن : علاج ....؟ (غصّے میں فرش پر ہاتھ مار کر) اگر خدا ایک دن کے لیے مجھے خلیفہ ہارون رشید کی جگہ دے دے تو تمھیں بتاؤں کہ ان لوگوں کا علاج کیا ہو سکتا ہے؟

خلیفہ : بھلا وہ کیا؟

ابوالحسن : وہ یہ کہ اس منحوس آدمی اور اس کے چاروں گرگوں کی پیٹھ پر سو سو کوڑے لگوا دوں۔ پھر اُن سے کہوں کہ دیکھو، پڑوسیوں کو ستانے کی یہی سزا ہے۔

خلیفہ : (کچھ سوچ کر مسکراتا ہے) کون جانے، خدا تمھیں سچ مچ ایک دن کے لیے خلیفہ بنا دے۔

ابوالحسن : تم میرا مذاق اُڑاتے ہو! اور ٹھیک بھی ہے۔ اگر خلیفہ سن لے تو وہ بھی میری خوب ہنسی اُڑائے۔

خلیفہ : (ابوالحسن کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے) کیا بات کرتے ہو دوست۔ تم نے میری اتنی خاطر کی۔ بھلا میں تمھارا مذاق اُڑاؤں گا۔ اچھا آدھی رات ہونے آئی ہے۔ اب سونا چاہیے۔

ابوالحسن : یہ تھوڑا سا شربت بچ رہا ہے۔ اسے بھی ختم کر دو۔ اور سویرے یہاں سے چلتے وقت باہر کا دروازہ بند کرتے جانا۔

خلیفہ : ٹھیک ہے۔ مگر یہ بچا ہوا شربت تمھیں میرے ہاتھ سے پینا پڑے گا۔

(ابوالحسن کی نظر بچا کر اس میں بے ہوشی کی دوا ملا دیتے ہیں جسے پیتے ہی ابوالحسن بے ہوش ہو جاتا ہے)

منظر - ۳

مقام : خلیفہ کا محل

(خلیفہ داخل ہوتے ہیں۔ پیچھے پیچھے غلام ابوالحسن کو کندھے پر لادے ہوئے آتا ہے)

خلیفہ : دیکھو! (ابوالحسن کی طرف اشارہ کرکے) اس جوان کو میں ایک دن کے لیے اپنی جگہ دے رہا ہوں۔ تمھارا فرض ہے کہ جس طرح مجھے سلاتے ہو، اسی طرح اِسے سلاؤ۔ جس طرح مجھے سرکہ سنگھا کر جگاتے ہو، اسی طرح اِسے بھی جگاؤ۔ جس طرح مجھے امیرالمومنین کہہ کر پکارتے ہو، اسی طرح اسے بھی امیرالمومنین کہہ کر پکارو۔ جعفر اور مسرور کو بلاؤ۔

(جعفر اور مسرور آ کر سلام کرتے ہیں)

خلیفہ : (سلام کا جواب دے کر) مسرور! ایک دن کے لیے میری جگہ یہ جوان تمھارا آقا ہے۔ جس طرح روز سویرے تم مجھے نماز کے لیے اُٹھاتے ہو اسی طرح اس کو بھی اُٹھانا اور جعفر! کل یہ آدمی میری جگہ تخت پر بیٹھے گا۔ جس طرح میرا حکم مانتے ہو، اسی طرح اس کا بھی حکم ماننا۔ جس کو یہ سزا دِلوائے، اس کو فوراً سزا دینا اور جس کو یہ انعام دِلوائے، اس کو فوراً انعام دینا۔ بس اب تم اس کو میرے کپڑے پہنا کر بستر پر لٹاؤ۔ میں صبح یہیں چھپ کر اس کے جاگنے کا تماشا دیکھوں گا۔

منظر - ۴

مقام : خلیفہ کی خواب گاہ

(ابوالحسن بڑے بے تکے پن سے خلیفہ کے بستر پر سو رہا ہے۔ دور سے مرغ کی آواز سنائی دیتی ہے۔ پھر کہیں قریب ہی سے اذان کی آواز آتی ہے۔ خدمت گار داخل ہوتے ہیں۔ مسرور ابوالحسن کو جگانے کے لیے کپاس کے پھاہے کو سرکے میں تر کرکے اس کی ناک کے قریب کرتا ہے۔ ابوالحسن زور سے چھینکتا ہے)

ابوالحسن : (آنکھیں بند ہیں) آخ ...تھو۔ (ایک کنیز لپک کر سونے کا اُگالدان اس کے منہ کے آگے کر دیتی ہے) کیا مزے کی نیند آئی تھی۔ (رضائی کو اپنے اوپر کھینچنا چاہتا ہے لیکن اس کی نرمی محسوس کرکے آنکھیں کھول کر اسے غور سے دیکھتا ہے) کتنی عمدہ!...م...مگر یہ تو میری نہیں ہے۔ (سامنے کھڑی ہوئی کنیزوں اور غلاموں پر نظر پڑتے ہی بوکھلا کر اُٹھ بیٹھتا ہے۔ ایک ایک کنیز اور غلام کو باری باری گھور کر دیکھتا ہے۔ کچھ دیر تک بیٹھا رہتا ہے۔ آخر چہرے پر اطمینان کی جھلک آ جاتی ہے۔ بڑبڑاتا ہے) آہ، خواب! مگر کتنا حسین! (آنکھیں بند کرکے لیٹنے لگتا ہے۔ سامنے پردے کے پیچھے سے خلیفہ جھانکتے ہیں اور پھر ہٹ جاتے ہیں)

مسرور : (آگے بڑھ کر ابوالحسن کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) امیرالمومنین اُٹھیے، نماز کا وقت جا رہا ہے۔

ابوالحسن : ایں؟ امیرالمومنین؟ یعنی خلیفہ؟ (دیدے نچاتا ہے) مگر بھلے مانُس میرا نام ابوالحسن ہے۔

مسرور : (ہنستا ہے) حضور مذاق فرما رہے ہیں ...اور ابوالحسن کون؟ حضور کی زبان سے پہلی مرتبہ یہ نام سن رہا ہوں!

ابوالحسن : (حیرت سے مسرور کو تکتا ہے) میں جاگ رہا ہوں کہ سو رہا ہوں؟

مسرور : امیرالمومنین! کیا خدانخواستہ طبیعت کچھ ناساز ہے۔

ابوالحسن : (چونک کر آنکھیں کھول دیتا ہے) پیارے بھائی! ذرا غور سے دیکھو مجھے۔ کیا تم مجھ کو پہچانتے ہو؟

مسرور : امیر المومنین! آج آپ کی زبانِ مبارک سے یہ غلام عجیب باتیں سن رہا ہے۔ آپ سارے مسلمانوں کے خلیفہ ہیں۔
ابوالحسن : (پیٹ پکڑ کر زوردار قہقہہ لگاتا ہے) ہاہاہاہا۔ ہم تمھاری باتوں سے خوش ہوئے۔ (اشارے سے ایک کنیز کو پاس بلاتا ہے)
کنیز : (ادب سے جھکتی ہے) کنیز کے لیے کیا حکم ہے؟ امیر المومنین!
ابوالحسن : (اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے) نیک بخت! لے ذرا میری اُنگلی میں کاٹ تو سہی۔ دیکھوں، جاگ رہا ہوں کہ سوتا ہوں۔
(کنیز اس کی اُنگلی میں زور سے کاٹتی ہے۔ ابوالحسن تلملا کر) ارے مر گیا۔ کم بخت! بتا تو نے کس کی اُنگلی میں کاٹا؟
کنیز : (ادب سے) امیر المومنین! میں نے آپ کے حکم سے آپ کی شان میں یہ گستاخی کی ہے۔ مجھے معاف کر دیجیے۔
ابوالحسن : (باچھیں کِھل جاتی ہیں) معاف کیا۔ بالکل معاف کیا۔
(مسہری سے اُترتا ہے۔ مسرور اور سب مل کر ابوالحسن کو شاہی پوشاک پہناتے ہیں۔ پھر سب آہستہ آہستہ باہر جاتے ہیں)

منظر - ۵

مقام : خلیفہ کا دربار

(تخت بچھا ہوا ہے۔ کئی امیر، سردار اور وزیر قیمتی پوشاکیں پہنے باادب کھڑے ہیں۔ ابوالحسن اور مسرور داخل ہوتے ہیں۔ ابوالحسن کے تخت پر بیٹھتے ہی ہر طرف سے مبارک سلامت کا شور اُٹھتا ہے۔ جعفر تخت کے سامنے آ کر جھکتا ہے)

جعفر : خدا ہمیشہ امیر المومنین پر اپنی رحمتوں کا سایہ رکھے۔
حاضرین : آمین، آمین
ابوالحسن : (خوب اکڑ کر اور آواز کو بھاری بنا کر جعفر سے) ہم تمھاری وفاداری کی قدر کرتے ہیں۔ تمھیں اور کچھ عرض کرنا ہے؟
جعفر : امیر المومنین کوئی حکم دینا چاہیں تو کوتوال کو حاضر کیا جائے۔
ابوالحسن : بے شک۔ ہم کو دو بہت ضروری حکم صادر کرنے ہیں۔
کوتوال : (آگے بڑھ کر) غلام حکم کا منتظر ہے۔
ابوالحسن : کوتوال! سوداگروں کے محلے میں رہنے والے امیر اور اس کے چاروں ساتھیوں کے سر پر تم ابھی جا کر نازل ہو جاؤ۔ پانچوں کی پیٹھیں ننگی کر کے ان پر کوڑے برساؤ۔ سمجھ گئے؟
کوتوال : اچھی طرح امیر المومنین!
ابوالحسن : پھر ان کے چہروں پر سیاہی مل کر، اونٹوں پر سوار کر کے سارے شہر میں پھراؤ۔ ایک آدمی ان کے آگے آگے اعلان کرتا جائے کہ دیکھو لوگو! یہ انجام ہے ان کا جو اپنے محلے والوں کو تنگ کرتے ہیں۔
کوتوال : غلام ابھی اس کا بندوبست کرتا ہے... اور... دوسرا حکم امیر المومنین؟
ابوالحسن : دوسرا حکم یہ ہے کہ اسی محلے میں ابوالحسن نام کا ایک نوجوان رہتا ہے۔ اس کی ماں کو ایک ہزار اشرفیاں دی جائیں۔ بس جاؤ۔

(کوتوال جاتا ہے)

منظر - ۶

مقام: خلیفہ کا محل

(رات کے کھانے پر ہارون رشید کے محل میں ابوالحسن کے آگے دسترخوان پر بہترین قسم کے کھانے چنے ہوئے ہیں۔ ابوالحسن کبھی اس قاب پر ہاتھ مارتا ہے، کبھی اس پر)

ابوالحسن : (منہ میں بڑا سا نوالہ ٹھونستے ہوئے) واہ واہ! کیا لذیذ کھانا ہے۔ (سر اُٹھا کر ایک ایک کنیز کو دیکھ کر) آؤ، آؤ، تم لوگ بھی میرے ساتھ کھاؤ۔ مجھے اکیلے کھانے میں مزہ نہیں آتا۔ (کنیزیں جھجکتی ہوئی دسترخوان پر بیٹھتی ہیں۔ ابوالحسن سب کی طشتریوں میں مٹھائی رکھتا ہے۔ پردے کے پیچھے سے خلیفہ جھانک رہے ہیں۔ کنیزیں ابوالحسن کے ہاتھ دھلاتی ہیں۔ کچھ کنیزیں اسے شربت پیش کرتی ہیں) واہ واہ! شربت کا کیا کہنا۔ ایک گلاس شربت اور پلا۔ (خلیفہ پیچھے سے اشارہ کرتے ہیں۔ کنیز گلاس میں چپکے سے بے ہوشی کی دوا ملا دیتی ہے۔ ابوالحسن اس گلاس کا شربت پی کر بے ہوش ہو جاتا ہے)

خلیفہ : (سامنے آکر) کافور! اس کا لباس اُتار کر اس کے پرانے کپڑے پہنا دو۔ اور اسے اس کے مکان میں ڈال آؤ۔ مکان کا دروازہ کھلا چھوڑ دینا۔ اس کی بڑی خواہش تھی کہ اس کے محلے کے امیر اور اس کے چاروں ساتھیوں کو ان کے کرتوتوں کی سزا ملے۔ میں نے اس کی خواہش اسی کے ہاتھوں پوری کرا دی۔

منظر - ۷

مقام: ابوالحسن کا مکان

(ابوالحسن اپنے بستر پر پڑا سو رہا ہے۔ مرغ کی بانگ سن کر وہ ہڑبڑا کر کروٹ بدلتا ہے)

ابوالحسن : (آنکھیں بند ہیں۔ نیند میں ڈوبی ہوئی آواز میں) اوں... ہونہہ... کہاں مر گئے سب کے سب... مسرور... جعفر...!

(ابوالحسن کی ماں گھبرائی ہوئی داخل ہوتی ہے)

ماں : (ابوالحسن کا شانہ ہلا کر) کیا ہے بیٹا؟ یہ کن لوگوں کو پکار رہے ہو؟

ابوالحسن : (چونک کر ماں کو گھورنے لگتا ہے) تم کون ہو بڑی بی؟

ماں : (حیرت سے) اوئی بیٹا...؟ اپنی اماں کو نہیں پہچانتے؟

ابوالحسن : (تیوریاں چڑھا کر) کیا بکتی ہے بڑھیا؟ ہم امیر المومنین ہیں۔ زبان سنبھال کر بات کر!

ماں : ابوالحسن! تو کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے؟

ابوالحسن : تو مجھے نہیں جانتی۔ تو اَب جان لے کہ میں خلیفہ، امیر المومنین، تمام مسلمانوں کی جان و مال کا مالک ہوں۔

ماں : (آنکھیں پھاڑ کر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھاتی ہے) یا الٰہی، خیر ہو۔ کیا میرے بیٹے کے اندر کوئی جن سما گیا ہے۔ (ابوالحسن سے بہت پیار کے ساتھ) میرے لعل! یہ تجھے کیا ہو گیا؟ دیکھ میں تیری ماں ہوں۔ تو میرا بیٹا ابوالحسن ہے۔

ابوالحسن : (پریشان نظروں سے چاروں طرف دیکھتا ہے) نہیں۔ (آنکھیں بند کر کے سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد آنکھیں کھولتا ہے) ہاں امّاں، تم ٹھیک کہتی ہو۔ یہ میرا ہی مکان ہے اور میں ابوالحسن ہوں... مگر... سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ شاہی محل میرے دماغ

میں کیوں کر سما گیا!

ماں : (خوش ہوکر بلائیں لیتی ہے) اے میں قربان۔ کبھی کبھی آدمی ایسے بھی خواب دیکھنے لگتا ہے۔

ابوالحسن : خواب؟ ہاں ہوسکتا ہے یہ خواب ہی ہو۔ میں نے دیکھا کہ میں خلیفہ ہوں۔ میری خدمت کے لیے کنیزیں اور غلام ہیں۔ (ہاتھ سے ماتھا رگڑتا ہے) ... مجھے خود یقین نہیں آتا تھا۔ تب میں نے ایک کنیز سے کہا۔ ذرا میری اُنگلی میں کاٹ ... (ایک دم اپنی اُنگلی ہاتھ سے پکڑ کر چلّانے لگتا ہے) ... نہیں نہیں ... یہ خواب نہیں ہوسکتا ... ہٹو، مجھے جانے دو، میرے دربار کا وقت ہوگیا ہے۔ (اُٹھنے لگتا ہے)

ماں : (ابوالحسن کے دونوں ہاتھ پکڑ کر) بیٹا، خدا کے لیے ... ہوش کی باتیں کر۔ یہ کیا بک رہا ہے؟ کہیں خلیفہ کو خبر ہوگئی تو تیرا بھی وہی حال ہوگا جو ہمارے محلے کے امیر اور اس کے ساتھیوں کا ہوا ...!

ابوالحسن : (امیر کے ذکر پر چونکّا ہوکر) کیوں، کیوں؟ اُنھیں کیا ہوا؟

ماں : اے ہونا کیا تھا! جب ان کی بدمعاشیاں حد سے بڑھیں تو کل کوتوال نے خلیفہ کے حکم سے سب کو خوب کوڑے لگوائے۔ پھر ان کے منہ پر کالک پوت کر اونٹ پر اُلٹا سوار کیا اور سارے شہر میں گھمایا۔ مجھے ڈر ہے خدانخواستہ تیری بھی یہی گت ...

ابوالحسن : (اُچھل کر) میں نے کیا کہا تھا۔ کیوں بڑی بی۔ اب بھی تجھے یقین نہیں آیا؟ کان کھول کر سن لے کہ وہ میں ہی تھا جس نے امیر کو سزا دینے کا حکم دیا تھا اور تو ہے کہ اتنی دیر سے مجھے معلوم نہیں کیا سِکھا پڑھا رہی ہے!

ماں : (رونے لگتی ہے) اللہ! یہ میرے بچے کو کیا ہوگیا!

ابوالحسن : (شاہی لہجے میں) سچ سچ بتا کہ میں تیرا کون ہوں:؟

ماں : (آنسو پونچھ کر ابوالحسن کی بلائیں لینے لگتی ہے) تو! تو میرا لعل ابوالحسن ہے۔ تجھے میں نے اپنی گود میں کھلایا ہے۔ آج نہ جانے کیوں تو خود کو امیرالمومنین کہے جارہا ہے۔ امیرالمومنین تو ہم اپنے خلیفہ ہارون رشید کو کہتے ہیں، تو بھلا ایسے بادشاہ کی برابری کیا کرسکتا ہے جو اپنی رعایا کو بے مانگے ہزار ہزار اشرفیاں بانٹ دیتا ہے۔

ابوالحسن : (اشرفیوں کے ذکر پر چونکتا ہے) اشرفیاں! کیسی اشرفیاں؟

ماں : ابھی کل جس وقت اُس امیر اور اس کے گرگوں کو مار پڑ رہی تھی، کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے دروازہ جو کھولا تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک غلام کھڑا ہے۔ پوچھنے لگا، "ابوالحسن کی ماں تم ہی ہو؟" میں نے کہا، "ہاں۔" بس یہ سنتے ہی اس نے ایک تھیلی میری طرف بڑھائی اور بولا، "لو بڑی امّاں، اس میں پوری ایک ہزار اشرفیاں ہیں اور یہ تم پر خلیفہ کی عنایت ہے۔"

ابوالحسن : (زور سے ہنستا ہے) کیوں! اب بول، کیا کہتی ہے۔ (چھاتی ٹھونک کر) وہ اشرفیاں میں نے بھجوائی تھیں۔ (اُٹھ کر چلنے لگتا ہے۔ ابوالحسن کی ماں دونوں ہاتھوں سے اس کی کمر پکڑ لیتی ہے)

ماں : (چیخ کر) ارے کہاں جاتا ہے۔ کیا تجھے اسی دن کے لیے بڑا کیا تھا؟

(تین پڑوسی دوڑتے ہوئے اندر آتے ہیں اور ماں کو اس سے چھڑاتے ہیں)

پہلا پڑوسی : ہائیں ابوالحسن! تجھے اپنی ماں سے جھگڑتے شرم نہیں آتی۔

ابوالحسن : (غصّے میں) میں نہیں جانتا ابوالحسن کس گدھے کا نام ہے اور اس کی ماں کون ہے۔

دوسرا پڑوسی : یہ تیرا گھر نہیں تو اور کس کا ہے؟ اور یہ بوڑھی خاتون تیری نہیں تو کیا ہماری ماں ہے؟

ابوالحسن : بکواس مت کر گستاخ آدمی۔ یہ میری کچھ نہیں لگتی۔ نہ یہ گھر میرا ہے۔ سن لو کہ میں امیر المومنین ہوں۔ تم سب کا بادشاہ!

ماں : ہائے اللہ! صبح سے یہی رٹ لگی ہوئی ہے کہ میں امیر المومنین ہوں۔ (رونے لگتی ہے)

تیسرا پڑوسی : میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ پاگل ہو گیا ہے۔

ابوالحسن : کیا! تیری یہ ہمت کہ مجھے پاگل کہے! کھڑا تو رہ۔ (بڑھ کر لاٹھی اُٹھا لیتا ہے۔ تینوں پڑوسی ڈر کے مارے پیچھے ہٹ جاتے ہیں)

دوسرا پڑوسی : پاگل؟ ارے باپ رے۔ بچاؤ۔ داروغہ صاحب! داروغہ صاحب (پکارتا ہوا دروازے سے باہر گردن نکالتا ہے) داروغہ صاحب! جلدی آئیے۔ یہاں ایک پاگل ہے۔

(داروغہ اندر داخل ہوتا ہے)

داروغہ : (بھاری آواز میں) یہ کیا بلوا مچا رکھا ہے؟

پہلا پڑوسی : داروغہ صاحب! ذرا اِس کو دیکھیے۔ بیٹھے بٹھائے اپنے آپ کو امیر المومنین کہنے لگا ہے۔

تیسرا پڑوسی : صاحب یہ پاگل ہو گیا ہے۔ اس کو جلدی ہی بند نہیں کیا گیا تو محلے والوں کے لیے سخت خطرہ ہے۔

داروغہ : (ابوالحسن سے) کیوں بے۔ ابھی کل اُس امیر کا حشر دیکھ چکا ہے۔ اس کے بعد بھی ہوش ٹھکانے نہیں آئے؟

ابوالحسن : (دانت پیس کر) نمک حرام۔ تری یہ مجال کہ اپنے خلیفہ سے اب تبے کرے۔ ٹھہر تو سہی ...!

داروغہ : لینا تو اِسے (تینوں پڑوسی ابوالحسن کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں۔ داروغہ کوڑا نکال کر ابوالحسن کو مارتا ہے۔ اُس کی ماں پھر رونے لگتی ہے)

ماں : خدا کے لیے اسے نہ مارو۔ یہ پاگل نہیں ہوا ہے۔ اس کو شیطان نے بہکا دیا ہے۔ پرسوں رات وہ ایک سوداگر کے بھیس میں آیا تھا۔

ابوالحسن : اپنی چونچ بند رکھ بڑھیا! آج ہم دربار میں اس داروغہ کو ایسی سزا دیں گے کہ لوگ اُس امیر کی درگت بھول جائیں گے۔

داروغہ : (بھنویں چڑھا کر) آ چ.... چھا (ابوالحسن کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر دروازے کی طرف چلتا ہے)

ماں : کہاں لیے جا رہے ہو میرے بچے کو۔ خدا کے واسطے اسے چھوڑ دو۔ اس پر کسی جن کا سایہ ہو گیا ہے۔

منظر – ۸

مقام : قید خانہ

(ابوالحسن بری حالت میں لوہے کے ایک پنجرے میں بند ہے۔ابوالحسن کی ماں داخل ہوتی ہے)

ماں : (پنجرے کے قریب جا کر روتی ہوئی) میرے لعل ۔ میں تجھ پر قربان ۔ پندرہ دن سے پنجرے میں بند ہے۔

ابوالحسن : (ماں کے ہاتھ پکڑ کر) ہائے میری امّاں۔ (چیخیں مار مار کر روتا ہے) مجھے یہاں سے نکلواؤ امّاں۔ روز مجھے کوڑے مارتے ہیں۔ مجھے 'امیر المومنین' کہتے ہیں۔نہیں اماں۔ میں امیر المومنین نہیں بننا چاہتا۔

ماں : (خوش ہوکر) پھر تو اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے؟

ابوالحسن : (آنسو پونچھ کر) میں تمھارا بیٹا ہوں ... ابوالحسن !

ماں : ہائے ... تجھے پہلے یہ بات کیوں نہ سوٗجھی؟ ناحق اپنی دُرگت بنوائی اور مجھے بھی ہلکان کیا۔

ابوالحسن : (اپنا ماتھا رگڑتا ہے) سمجھ میں نہیں آتا اماں۔ وہ سب مجھے اچھی طرح یاد ہے۔کنیزیں تھیں،غلام تھے، دربار لگا تھا۔کیا یہ صرف خواب تھا؟

ماں : میں تو جانتی ہوں، یہ سب اسی سوداگر کی کارستانی ہے۔ وہ موا شیطان تھا جس نے تجھے بہکا دیا۔

ابوالحسن : ہاں ہاں،ضرور یہی بات تھی! مگر اماں مجھ کو یہاں سے چھٹکارا دلاؤ،نہیں تو میں مَر جاؤں گا۔

ماں : (ابوالحسن کی بلائیں لیتی ہوئی) اے، خدا نہ کرے، خدا نہ کرے۔

(داروغہ داخل ہوتا ہے)

داروغہ : بڑی بی جاؤ بس۔اب کل آنا۔

ماں : داروغہ صاحب! میرا بیٹا ٹھیک ہوگیا ہے۔ بالکل ٹھیک ہوگیا۔اب وہ اپنے کو ابوالحسن کہتا ہے۔ پوچھ کر دیکھ لیجیے۔

داروغہ : (ابوالحسن سے) کیوں جناب۔اب تو آپ کے دماغ کے کیڑے جھڑ گئے؟

ابوالحسن : جی بالکل۔ بالکل۔اور اگر جلدی ہی مجھے چھوڑا نہ گیا تو سر کے بال بھی جھڑ جائیں گے۔

داروغہ : خوب! کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟

ابوالحسن : جی، خاکسار کو ابوالحسن کہتے ہیں۔

داروغہ : (تعجب کے لہجے میں) بھئی واہ! اور یہ بڑی بی جو کھڑی ہیں، یہ کون ہیں؟

ابوالحسن : یہ میری والدۂ محترمہ ہیں جنھوں نے مجھے بچپن سے ....

داروغہ : (بات کاٹ کر) بس بس! تو گویا اب تم بالکل ٹھیک ہو! (کہتے ہوئے پنجرے کا قفل کھول دیتا ہے۔ابوالحسن باہر نکل کر ماں کے گلے لگ جاتا ہے)

ماں : (ابوالحسن کو تھپکتے ہوئے) خدا آپ کو سلامت رکھے داروغہ صاحب!

داروغہ : مگر دیکھو ابوالحسن، تمھارے سر پر یہ بھوت پھر نہ سوار ہونے پائے ...

(ماں بیٹا چلے جاتے ہیں)

منظر - ۹

مقام : بغداد کا پُل

(قید سے چھوٹ کر ابوالحسن پھر پہلے کی طرح روز ایک مہمان کو اپنے گھر لے جا کر اس کی دعوت کرتا ہے۔ اس وقت بھی وہ پل پر بیٹھا کسی مسافر کا انتظار کر رہا ہے)

ابوالحسن : (اپنے آپ سے) ارے بھئی کوئی اللہ کا بندہ اِدھر بھی آ نکلے۔ کیا آج کوئی نہیں آئے گا۔ (ہاتھ سے آنکھوں پر چھجا بنا کر داہنی طرف دیکھتا ہے) اوہو ہو۔ کوئی آ رہا ہے۔ کہیں باہر ہی کا معلوم ہوتا ہے۔ (اور ذرا غور سے دیکھتا ہے) پیچھے پیچھے ایک دُم چھلا بھی لگا ہوا ہے... اس کا غلام ہے شاید... اررر... رے باپ...!! (بوکھلا جاتا ہے) یہ... یہ تو وہی موصل کا سوداگر ہے!! کم بخت پھر اِدھر آ ٹپکا! خدا بچائے اس منحوس سے۔

سوداگر : (قریب آ کر) بھائی ابوالحسن۔ السلام علیکم۔ مجھے پہچانا؟

ابوالحسن : (منہ پھیرے پھیرے) جاؤ میاں، اپنا رستہ ناپو۔ میں تمھیں نہیں پہچانتا۔

سوداگر : ہائیں!! اتنی جلدی بھول گئے مجھے۔ تم نے اپنے مکان پر میری دعوت کی تھی۔ واہ! کیا لذیذ کھانا کھلایا تھا۔

ابوالحسن : کی ہوگی دعوت۔ روز ہی کسی نہ کسی کی دعوت کرتا ہوں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ایک ایک کی صورت بھی یاد رکھتا پھروں۔

سوداگر : یہ بے مروّتی! آخر تمھیں مجھ سے کیا تکلیف پہنچی کہ اتنے ناراض ہو؟

ابوالحسن : کچھ نہیں، آپ تو بڑے بھولے بھالے ہیں۔ بس اتنا احسان کرو کہ میرے پاس سے چلے جاؤ۔

سوداگر : (ابوالحسن کے گلے لگ کر) یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ میں بھلا تمھارے ایسے دوست کو چھوڑ دوں؟ مگر آخر ہوا کیا؟ کیوں مجھ سے اس قدر خفا ہو!!

ابوالحسن : اب پوچھتے ہو تو بتائے دیتا ہوں۔ ہوا یہ کہ میں نے جب تمھاری دعوت کی تھی تو کہہ دیا تھا کہ باہر کا دروازہ بند کرتے جانا۔ مگر تم نے میری بات نہ مانی...

سوداگر : ہاں یہ تو سچ ہے! واقعی مجھے خیال نہیں رہا تھا۔

ابوالحسن : اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دروازہ کھلا پا کر شیطان اندر گھس آیا۔ اور اس نے میرے دماغ میں یہ خیال ڈال دیا کہ میں خلیفہ ہو گیا ہوں۔

سوداگر : (تعجب سے) اوہو! تو پھر؟

ابوالحسن : پھر یہ کہ میں نے اسی خیال میں اپنی ماں کو ڈانٹا۔ خدا مجھے معاف کرے۔ اپنے پڑوسیوں پر لٹھ لے کر دوڑا۔ انھوں نے مجھے پاگل جان کر داروغہ کو بلایا اور قید کروا دیا۔ وہ روز شام کو میری پیٹھ پر کوڑے لگواتا اور پوچھتا تھا "اور کوئی خدمت امیر المومنین؟"... اگر تمھیں یقین نہ آتا ہو تو یہ دیکھو کوڑوں کے نشان۔ (پیٹھ کھول کر خلیفہ کو نشان دِکھاتا ہے)

سوداگر : (افسوس کرتے ہوئے) آہ! مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے دوست پر یہ مصیبت ٹوٹی ہے۔

ابوالحسن : صرف تمھاری وجہ سے !

سوداگر : اچھا خیر جو ہوا سو ہوا۔ میرا قصور معاف کردو۔ اس بار تو موصل سے آیا ہی اس لیے ہوں کہ ایک دفعہ اور تمھارے ساتھ کھانے پینے کا لطف اُٹھاؤں۔

ابوالحسن : نہیں نہیں، مجھے معاف ہی رکھو۔ اب میں نے قاعدہ بنا لیا ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ کسی کو اپنے گھر نہیں لے جاؤں گا۔

سوداگر : نہیں دوست، مجھے ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔

ابوالحسن : (کچھ دیر سوچنے کے بعد) خیر، اب تمھاری بات کیا ٹالوں۔ چلو۔ مگر ایک وعدہ ابھی سے کرلو۔

سوداگر : وہ کیا ؟

ابوالحسن : کہ اب کی بار جاتے وقت باہر کا دروازہ بند کرنا نہ بھؤلو گے۔

سوداگر : ٹھیک ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔

منظر - ۱۰

مقام : خلیفہ کا محل

(خلیفہ محل میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کے پیچھے کافور ابوالحسن کو اپنے کندھے پر لادے ہوئے داخل ہوتا ہے۔ سب لوگ خلیفہ کو سلام کرتے ہیں۔ خلیفہ سلام کا جواب دے کر مسرور کو آواز دیتے ہیں)

مسرور : (آگے بڑھ کر) امیر المومنین !

خلیفہ : اس بے چارے کو میری وجہ سے بہت تکلیفیں اُٹھانا پڑی ہیں۔ آج پھر میں اس سے ملا۔ اس کے گھر جا کر دعوت کھائی اور بے ہوش کرکے اسے اپنے ساتھ اُٹھوا لایا۔ آج بھی یہ میری جگہ سوئے گا...اور کل سویرے یہ ابوالحسن نہیں ہوگا۔

مسرور : میں سمجھ گیا امیر المومنین۔

خلیفہ : اور اب میں اسے اتنا انعام دوں گا کہ یہ اپنی تمام پچھلی تکلیفیں بھول جائے گا...اس کو میرا لباس پہنا کر بستر پر لٹا دو۔

(مسرور حکم کی تعمیل کرتا ہے)

منظر - ۱۱

مقام : محل میں سونے کا کمرہ

(ابوالحسن خلیفہ کے بستر پر پڑا سو رہا ہے۔ سب خدمت گار اپنے اپنے سامان کے ساتھ تیار کھڑے ہیں۔ خلیفہ پردے کے پیچھے سے یہ منظر دیکھ رہے ہیں۔ مسرور ابوالحسن کو پہلے کی طرح جگاتا ہے)

مسرور : (ابوالحسن کے شانے پر ہاتھ رکھ کر) امیر المومنین !

ابوالحسن : نہیں نہیں ! میں ابوالحسن ہوں۔ میں یہ خواب دیکھنا نہیں چاہتا۔ (بیٹھ کر آنکھیں کھول دیتا ہے) ایں...آنکھیں کھولنے پر بھی...!! (بے تحاشا بستر پر کھڑا ہو کر چلّاتا ہے) اوسوداگر کے بچے...! تو نے پھر دروازہ کُھلا چھوڑ دیا...!!

مسرور : (بڑی گھبراہٹ ظاہر کرتا ہے) امیر المومنین، امیر المومنین، خیر تو ہے؟

ابوالحسن : کیا بک رہا ہے ملعون! میں ابوالحسن ہوں۔

مسرور : امیر المومنین! یہ ابوالحسن کون ہے؟ کل بھی حضور نے اسی کا نام لیا تھا اور اپنے کو امیر المومنین ماننے سے انکار کر دیا تھا! پھر بعد میں اسی ابوالحسن کی ماں کو اشرفیاں بھجوائی تھیں۔

ابوالحسن : (حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر) کل ... یہ کل کی بات ہے؟ اس بھیانک خواب کو دو مہینے ہو رہے ہیں۔

مسرور : معلوم ہوتا ہے امیر المومنین نے پھر کوئی خواب دیکھا ہے اور خواب میں پھر وہی مردود ابوالحسن!

ابوالحسن : (غصّے میں تیوریاں چڑھا کر) کیا کہا؟ میں مردود ہوں؟

مسرور : (دونوں ہاتھوں سے اپنے کان پکڑ کر) توبہ توبہ! میری یہ مجال! میں تو ابوالحسن کی بات کر رہا تھا اس لیے کہ کل بھی سویرے اُٹھ کر حضور نے اسی کا نام لیا تھا اور آج بھی ...

ابوالحسن : اُف! (دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیتا ہے) کل اور آج! کل اور آج!! میں کہتا ہوں بیچ میں سے وہ دن کہاں غائب ہو گئے جب میں طوطے کی طرح پنجرے میں بند تھا اور پیٹھ پر کوڑے کھا کر بھینسے کی طرح ڈکراتا تھا!

مسرور : خدا ایسا خواب امیر المومنین کو پھر نہ دِکھائے!

ابوالحسن : خواب؟ ارے میری پیٹھ پر کوڑوں کے نشان ابھی تک موجود ہیں۔ لے تو خود دیکھ لے (پیٹھ پر سے لباس ہٹاتا ہے)

مسرور : (جھک کر اس کی پیٹھ دیکھتا ہے) کہیں بھی نہیں حضور، آپ کی پیٹھ تو آئینے کی طرح صاف ہے۔

ابوالحسن : ایں! آئینے کی طرح! (چلّاتا ہے) خدا مجھے شیطان سے بچائے! پھر وہ ساری مصیبتیں جو مجھ پر گزریں؟ کیا وہ خواب تھا! (خوش ہوکر) ہاں یہی ٹھیک ہے۔ (آواز کو رعب دار بناتے ہوئے) تو ہم امیر المومنین ہیں۔

داروغہ : (پردے کے پیچھے سے) امیر المومنین! اب آپ کا یہ غلام آپ کی خدمت کے لیے تیار ہے، بسم اللہ! (کوڑا چلنے کی آواز آتی ہے)

ابوالحسن : (سہم کر) نہیں، میں امیر المومنین نہیں ہوں (مسرور سے) تم نے یہ آواز سنی؟

مسرور : خواب میں سنی ہوئی آوازیں ابھی تک حضور کے کان میں گونج رہی ہیں۔

ابوالحسن : آہ! (لیٹ جاتا ہے) سمجھ میں نہیں آتا کہ اُسے خواب سمجھوں یا اِسے .... (اُٹھ کر کنیز کو آواز دیتا ہے) کنیز! لے بھلا میری اُنگلی میں کاٹ تو سہی، خوب زور سے! (اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے)

کنیز : میری ہمت نہیں پڑتی، امیر المومنین۔

ابوالحسن : بس یہ آخری امتحان ہے۔ اگر تکلیف سے میری آنکھ کھل گئی تو ابوالحسن ورنہ امیر المومنین۔

کنیز : (پردے کی طرف دیکھتی ہے۔ خلیفہ پردے کے پیچھے سے اسے اشارہ کرتے ہیں) میری خطا معاف فرمائیں، امیر المومنین۔ (ابوالحسن کی اُنگلی میں کاٹتی ہے)

ابوالحسن : (بلبلا کر بستر پر سے کوُد پڑتا ہے) ہائے مار ڈالا!

(خلیفہ ابوالحسن کو ناچتا دیکھ کر ہنستے ہوئے پردے سے باہر نکل آتے ہیں)

خلیفہ : (ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے) ابوالحسن خدا کے لیے بس کر۔ کیا ہنساتے ہنساتے مار ہی ڈالے گا؟ (ابوالحسن چونک کر خلیفہ کو گھورنے لگتا ہے)

ابوالحسن : (پہچان کر) مو....صل کا سوداگر!

خلیفہ : (مسکراتے ہوئے) نہیں!

ابوالحسن : پھر....؟

مسرور : امیرالمومنین ہارون رشید۔

ابوالحسن : کیا؟ (دیر تک حیران کھڑا رہتا ہے پھر ایک دم جھک کر سلام کرتے ہوئے) مگر غلام کی سمجھ میں نہیں آیا کہ حضور نے میرے ساتھ کیوں یہ مذاق فرمایا۔

خلیفہ : اس لیے کہ اس امیر اور اس کے ساتھیوں کو تمھارے ہی ہاتھوں سزا دلوا دوں۔ میں سمجھا تھا کہ اپنے گھر میں آنکھ کھلنے پر تم اس واقعے کو خواب سمجھ کر بھول بھال جاؤ گے۔

ابوالحسن : سبحان اللہ! تو گویا اس معاملے میں ساری خطا میری ہی تھی...؟ خیر، مگر اب میری ایک درخواست ہے۔

خلیفہ : وہ کیا؟

ابوالحسن : کہ مجھے کبھی کبھی حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملتا رہے۔

خلیفہ : جعفر! آج سے ہم نے ابوالحسن کو اپنا خاص مصاحب مقرر کیا۔ اس کو ایک مکان دیا جائے، ماہانہ تنخواہ مقرر کی جائے اور اب تک جتنے کوڑے اس نے کھائے ہیں، اتنی ہی اشرفیاں اسے انعام میں دی جائیں۔

ابوالحسن : (جھک کر سلام کرتا ہے) خدا امیرالمومنین کو ہزاروں برس سلامت رکھے...مگر...کہیں یہ بھی حضور کا مذاق تو نہیں؟

خلیفہ : (ہنستے ہوئے) نہیں...وہ خلیفہ کا مذاق تھا اور یہ خلیفہ کا حکم ہے۔

ابوالحسن : ڈر رہا ہوں کہ کہیں ابھی تک خواب ہی نہ دیکھ رہا ہوں۔

کنیز : یقین نہ آتا ہو تو لاؤ ایک مرتبہ پھر تمھاری اُنگلی میں کاٹ کھاؤں؟

خلیفہ : (ہنسنے لگتے ہیں) ہاں ہاں، یہ ٹھیک ہے۔

ابوالحسن : (گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے) نہیں بابا! مجھے بالکل یقین آ گیا۔

(سب ہنسنے لگتے ہیں۔ پردہ گرتا ہے)

مشقی سرگرمیاں

٭ اضافی مطالعے کے ڈرامے پر دی ہوئی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ ڈرامے میں بیان کردہ مقامات کے نام لکھیے۔
۲۔ ڈرامے کے اہم کرداروں کے نام اور ان کی شناخت لکھیے۔
۳۔ دعوت قبول کرنے والوں کے لیے ابوالحسن کی شرط لکھیے۔
۴۔ خلیفہ کے موصل کے سوداگر کا بھیس بدلنے کی وجہ لکھیے۔
۵۔ ابوالحسن کو ایک دن کا خلیفہ بنائے جانے کا سبب لکھیے۔

٭ ذیل کی سرگرمیوں کو وضاحت کے ساتھ مکمل کیجیے:

(i) ابوالحسن کے قید خانہ جانے کے واقعے کو مختصراً بیان کیجیے۔
(ii) ابوالحسن کے دوستوں اور دوستی کے نظریے سے متعلق اپنی رائے تحریر کیجیے۔
(iii) ”وہ خلیفہ کا مذاق تھا اور یہ خلیفہ کا حکم ہے“ سبق کے حوالے سے اس بیان کو واضح کیجیے۔
(iv) ڈرامے سے اپنے کسی پسندیدہ کردار پر روشنی ڈالیے۔
(v) سندباد، علی بابا اور الٰہ دین کے قصے بھی ’الف لیلہ‘ کی داستان میں شامل ہیں، انھیں تلاش کرکے پڑھیے۔

٭ دیے ہوئے حروف کے نمبروں کے مطابق ذیل کے جوابی نمبروں سے صحیح ترتیب نقل کرکے بننے والا لفظ لکھیے۔ (دائیں سے بائیں)

i) ’افسردہ/مرجھایا ہوا‘ کے مفہوم والا لفظ :

حروف کے نمبر :	پ	د	ر	ژ	م	ہ
	1	2	3	4	5	6

(i) 1 2 5 4 6 3   (ii) 6 2 3 5 4 1   (iii) 1 5 4 3 2 6

ii) ’جھگڑا/تنازع‘ کے معنی والا لفظ ترتیب پاتا ہو۔

حروف کے نمبر :	ض	ق	ہ	ی
	1	2	3	4

(i) 2 4 3 1   (ii) 2 3 1 4   (iii) 3 4 1 2

اضافی معلومات

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

معروف مؤرّخ سر جادو ناتھ سرکار کے مطابق ہندوستان میں فنونِ لطیفہ کو انگریزی عہدِ حکومت میں حیاتِ ثانی دینے والے وائسرائے لارڈ کرزن نے ۱۹۰۳ء میں جب خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری کے ذخائر دیکھے تو ان کی زبان پر فارسی کا یہ مشہور شعر تھا، ”اگر فردوس بر روئے زمیں است - ہمیں است وہمیں است وہمیں است۔“ جادو ناتھ سرکار ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے (خدا بخش کے) تحفے کی قدر و قیمت اور ہماری قوم کی ترقی میں اس کی اہمیت بڑھتی جائے گی۔“ جب یہ عبارت لکھی جارہی تھی تو کتب خانے میں مخطوطات کی تعداد پانچ ہزار تھی۔ آج یہ تعداد اٹھارہ ہزار سے بھی آگے بڑھ چکی ہے۔ دنیا بھر میں اپنے نادر و کمیاب عربی و فارسی مخطوطات کے اس کتب خانے کے قیام کا سہرا ایک فرماں بردار بیٹے کی اپنے باپ کی آخری خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ ۱۸۷۶ء میں مولوی محمد بخش نے انتقال کے وقت خدا بخش کو اپنے جمع کیے ہوئے ۱۴۰۰ مخطوطات دیتے ہوئے وصیت کی کہ ان مخطوطات سے ایک عام کتب خانہ قائم کردیا جائے۔ کتب خانے کی تاریخ میں ۱۸۷۶ء بہت مبارک سال تھا کہ اسی سال امریکہ میں کارکنانِ کتب خانہ کی انجمن قائم ہوئی، اسی سال ڈیوی درجہ بندی ضابطے کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا اور چند ماہ بعد ہی انگلینڈ میں بھی ایک لائبریری انجمن قائم کی گئی۔ خدا بخش صاحب پٹنہ کے کامیاب وکلا میں سے تھے۔ وہ چند برس کے لیے حیدرآباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بھی بنائے گئے تھے۔ ان کی سماجی خدمات کی بدولت انگریز حکومت نے انھیں ’خان بہادر‘ کا خطاب دیا تھا۔ ایک مصروف زندگی گزارنے کے باوجود وہ اپنے والد کی وصیت کی تکمیل سے غافل نہیں رہے۔ کتب خانے کے لیے پٹنہ کے بانکی پور علاقے میں ایک خوب صورت عمارت تعمیر کرائی جس میں ۱۸۹۱ء میں بنگال کے لیفٹیننٹ گورنر کے ہاتھوں کتب خانے کا افتتاح ہوا۔ کتب خانے میں ۲۱,۱۳۶ مخطوطات اور ڈھائی لاکھ مطبوعات ہیں۔

خط نویسی

خط لکھنا ایک فن ہے۔ خط میں اپنے خیالات و احساسات کو مختصر اور جامع انداز میں تحریر کیا جاتا ہے۔ ماضی قریب میں خط کو بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔ سابقہ جماعتوں میں آپ زبان و ادب کے مشہور افراد کے خطوط کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ ایک وقت تھا جب ہم اپنے متعلقین کو پابندی سے خط لکھا کرتے تھے لیکن ٹیلی فون، موبائل، ای میل اور رابطے کے دیگر جدید ترین وسائل کے مروّج ہوجانے کی وجہ سے خطوط کا لکھنا کم ہوتا جا رہا ہے لیکن خط کے ذریعے تبادلۂ خیالات میں کمی آ جانے کے باوجود اس کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ خط کی دو قسمیں ہیں۔

رسمی خط	غیر رسمی خط
عریضہ، درخواست، کاروباری خط	رشتہ داروں، دوستوں وغیرہ کو لکھا جانے والا خط

موجودہ دور میں خط لکھنے کے لیے ای میل اور دیگر تکنیکی وسائل کا استعمال بڑھ گیا ہے۔ مستقبل میں ان وسائل کا بہت زیادہ استعمال ہوگا اس لیے تکنیک کے پیشِ نظر خط نویسی کے اس طریقے کو متعارف کیا جا رہا ہے۔

رسمی خط	غیر رسمی خط
تاریخ مکتوب الیہ کا نام، عہدہ رابطے کا پتہ القاب مقصد خط کا مضمون : تمہید، موضوع کا مختصر بیان اور تجویز مکتوب نگار کے دستخط نام اور پتا **انسلاکات :** اگر خط/ عریضے کے ساتھ کوئی دستاویزی کاغذ منسلک کیا جارہا ہے تو اس کا تذکرہ۔	تاریخ القاب و آداب احوال کا اظہار اور خیریت پُرسی آپسی معاملات کا اظہار رشتے اور تعلق کے لحاظ سے جملے اختتامی کلمات مکتوب نگار کے دستخط نام اور پتا

جانچ کے نکات: پانچ نمبرات پر مشتمل اس تحریری سرگرمی کی قدر پیمائی کے لیے خط کا خاکہ، مقصد، القاب، نفسِ مضمون اور پیشکش کے مدِنظر نمبرات دیے جائیں۔ نفسِ مضمون پر خاص توجہ دی جائے۔

نمونہ سرگرمی برائے خط نویسی

دیے گئے 'کل مہاراشٹر مقابلۂ دینیات سلسلہ نمبر ۳' سے متعلق اعلامیے کو بغور پڑھیے اور ہدایت کے مطابق سرگرمی کو مکمل کیجیے۔

اُردو پروگریسیو ٹیچرس ایجوکیشنل کلچرل سوسائٹی (UPTECS)

کے زیرِ اہتمام

کل مہاراشٹر مقابلۂ دینیات سلسلہ نمبر ۳

بروز پیر اور منگل، یکم اور ۲ جنوری ۲۰۱۸ء

مقام : اے۔آر۔ایم ملٹی پرپز ہال، ناندگاؤں

عنوانات

- وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
- سرورِ کونینؐ کے فرمان اور ہم
- محمدؐ ۔امن اور سلامتی کے علمبردار

تقریری مقابلہ

بروز پیر، یکم جنوری ۲۰۱۸ء

صبح ۹ بجے تا شام

مضمون نویسی

بروز منگل، ۲؍جنوری ۲۰۱۸ء

صبح نو بجے تا دوپہر ایک بجے

جونیئر گروپ

جماعت پنجم تا ہشتم

سینئر گروپ

جماعت نہم تا دہم

انعامات :

اوّل	:	شیلڈ + 2500 روپے نقد + سرٹیفکیٹ
دوم	:	کپ + 2100 روپے نقد + سرٹیفکیٹ
سوم	:	گفٹ ہیمپر + 1700 روپے نقد + سرٹیفکیٹ

آپ کو مدعو کرتے ہوئے دلی مسرت محسوس کرتے ہیں۔اُمید کہ مقابلے میں شریک ہوکر محبت وعقیدت کا ثبوت دیں گے۔

صدر ——— المنتظرین ——— سکریٹری

سوال ۱ : آپ کے چھوٹے بھائی نے اس تقریری مقابلے میں اوّل انعام حاصل کیا ہے۔اسے تہنیتی خط لکھیے۔

سوال ۲ : آپ کے دوست نے مضمون نویسی مقابلے میں حصہ لیا۔انعام نہ ملنے کی وجہ سے بہت مایوس ہے۔ حوصلہ افزائی کے لیے خط لکھیے۔

سوال ۳ : انھی تاریخوں میں آپ کے اسکول میں 'سالانہ تقریب' کا انعقاد ہو رہا ہے۔آپ کے اسکول کے طلبہ اس مقابلے میں شریک نہیں ہوسکتے۔اس کے لیے معذرتی خط صدر وسکریٹری کے نام لکھیے۔ (نکات میں اضافے کی اجازت ہے۔)

خلاصہ نویسی

تلخیص یا خلاصہ نویسی دراصل پڑھے گئے لسانی مواد کی تفہیم کے ماحصل کی جانچ ہے یعنی طلبہ نے مثال کے طور پر جو سبق پڑھا تو اسے سمجھ کر وہ پڑھے گئے مواد کو اپنے لفظوں میں کس حد تک بیان کرسکتا ہے۔ تفصیلی مواد کا خلاصہ تحریر کرنا اہم تحریری مہارت ہے۔اس سرگرمی کو فروغ دینے کے لیے خلاصہ نویسی کو نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔

خلاصہ صرف سطروں کی کانٹ چھانٹ یا جملے کم کر کے لکھنا نہیں ہے بلکہ کسی مفصل خیال کو جامع اور مختصر انداز میں تحریر کرنا ہے۔

خلاصہ تحریر کرنے سے قبل -
- ☆ عبارت کو دو تین مرتبہ غور سے پڑھ لیا جائے۔
- ☆ عبارت کے مرکزی خیال کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا جائے۔

خلاصہ تحریر کرتے وقت -
- ☆ عبارت کے جملے، الفاظ، تراکیب کو ہو بہو نقل نہ کیا جائے۔
- ☆ صرف مرکزی خیال اور اہم نکات کو اختصار کے ساتھ اپنے جملوں میں لکھا جائے۔
- ☆ خلاصے کی عبارت ادھوری محسوس نہ ہو اور نہ ہی کسی نکتے کو نظر انداز کیا جائے۔

خلاصے کا نمونہ-۱

☆ **دیے ہوئے اقتباس کو پڑھ کر خلاصہ لکھیے۔**

احاطے کے شمالی گوشے میں ایک نیم کا درخت ہے۔ کچھ دن ہوئے ایک وارڈر نے اس کی ٹہنی کاٹ ڈالی تھی اور جڑ کے پاس پھینک دی تھی۔ بارش ہوئی تو تمام میدان سرسبز ہونے لگا۔نیم کی شاخوں نے بھی زرد چیتھڑے اُتار کر بہار کی شادابی کا نیا جوڑا پہن لیا۔جس ٹہنی کو دیکھو ہرے ہرے پتّوں اور سفید سفید پھولوں سے لد رہی ہے لیکن اس کٹی ہوئی ٹہنی کو دیکھیے تو گویا اس کے لیے کوئی انقلابِ حال ہوا ہی نہیں، ویسی ہی سوکھی پڑی ہے۔

یہ بھی اس درخت کی ایک شاخ ہے جسے برسات نے آتے ہی زندگی اور شادابی کا نیا جوڑا پہنا دیا۔ یہ آج بھی دوسری ٹہنیوں کی طرح بہار کا استقبال کرتی ہے مگر اب اسے دنیا کے موسمی انقلابوں سے کوئی سروکار نہ رہا۔ بہار وخزاں، گرمی اور سردی، خشکی وطراوت اس کے لیے سب یکساں ہوگئے۔

کل دوپہر کو اس طرف سے گزر رہا تھا کہ یکایک اس شاخِ بریدہ سے پاؤں ٹکرا گیا۔ میں رُک گیا اور اسے دیکھنے لگا۔ میں سوچنے لگا کہ انسان کے دل کی سرزمین کا بھی یہی حال ہے۔اس باغ میں بھی اُمید وطلب کے بے شمار درخت اُگتے ہیں اور بہار کی آمد آمد کی راہ تکتے رہتے ہیں لیکن جن ٹہنیوں کی جڑ کٹ گئی اُن کے لیے بہار وخزاں کی تبدیلیاں کوئی اثر نہیں رکھتیں۔کوئی موسم بھی انھیں شادابی کا پیغام نہیں پہنچا سکتا۔

خلاصہ-١

احاطے کے گوشے میں نیم کا درخت ہے۔ وارڈر نے اس کی ٹہنی کاٹ کر پھینک دی۔ بارش ہوئی تو میدان اور نیم کی شاخوں پر ہریالی اور سرسبزی آ گئی۔ درخت کی ٹہنیاں ہرے پتوں اور سفید پھولوں سے لد گئیں مگر کٹی ہوئی ٹہنی یونہی سوکھی رہ گئی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ موسم کی تبدیلی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ سب موسم اس کے لیے یکساں ہوگئے۔ ٹہنی کی اس حالت کو دیکھ کر احساس ہوا کہ انسان کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ جو لوگ حق کی جڑ سے کٹ گئے ان پر کوئی بات اثر نہیں کرتی۔

جانچ کے نکات: جانچ کے دوران خیالات کا تسلسل، متن کا مرکزی خیال، صحتِ زبان اور اختصار کا خصوصی خیال رکھا جائے۔

درسی، غیر درسی اقتباس پر مبنی سرگرمیاں

اقتباس پر مبنی سرگرمیاں دراصل تفہیم، انطباق، استعمال اور ذاتی رائے کی جانچ ہے۔

اقتباس کا انتخاب :

١۔ درسی یا غیر درسی اقتباس ١٣٠ تا ١٥٠/الفاظ پر مشتمل ہو۔

٢۔ اقتباس مکمل ہو۔ ادھورا پن محسوس نہ ہو۔

٣۔ اقتباس غور و فکر اور تحریک دینے والا ہو۔

٤۔ اقتباس سے متعلق آزادانہ رائے دی جا سکتی ہو۔

سرگرمیاں :

١۔ تفہیم کی جانچ کے لیے چار آسان معروضی سرگرمیاں $\frac{1}{2} \times 4 = 2$

٢۔ انطباق کی جانچ کے لیے ایک آسان تفصیلی سرگرمی $2 \times 1 = 2$

٣۔ استعمال کی جانچ کے لیے قواعد یا ذخیرۂ الفاظ پر مبنی دو سرگرمیاں $1 \times 2 = 2$

٤۔ ذاتی رائے کے اظہار کی جانچ کے لیے ایک سرگرمی $2 \times 1 = 2$

جانچ کے نکات :

١۔ تفہیم اور ذخیرۂ الفاظ پر مبنی سرگرمیاں - جواب ہدایات کے مطابق ہوں۔

٢۔ انطباق پر مبنی تفصیلی سرگرمی - اقتباس کی روشنی میں، مواد کے اعتبار سے تین تا چار جملوں میں لکھا گیا ہو۔

٣۔ قواعد - ہدایت کے عین مطابق ہو۔

٤۔ ذاتی رائے - مواد کے اعتبار سے، خیالات، مشاہدات، ذاتی مطالعے پر مبنی ہو۔ اِملے اور قواعد کا خیال رکھا گیا ہو۔

اشتہار نویسی

آج کا زمانہ اشتہارات کا زمانہ ہے۔ اشتہارات ہماری زندگی کا حصہ بن چکے ہیں۔ تجارت کو فروغ دینے اور تجارتی مال کے تعارف اور اس کے لیے اشتہارات بہت ضروری ہیں۔ اخبارات، پوسٹرس، ہورڈنگ، ٹی وی، انٹرنیٹ اور دیگر رابطے کے تکنیکی وسائل اشتہارات کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اشتہار میں تصویروں، جملوں اور اُن کی مناسب پیش کش کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ (اسکولی سطح پر امتحانی نقطۂ نظر سے اس سرگرمی میں تصویر/فوٹو ضروری نہیں ہے)

دلچسپ اشتہار کے لیے یاد رکھیں...

- ☆ عنوان آسان، دلچسپ، عام فہم اور پرکشش ہو۔
- ☆ ہم صوت الفاظ، دلچسپ جملوں اور آفر کا مناسب استعمال ہو۔
- ☆ اشتہار کے جملے تحریک دینے والے اور اعتماد ظاہر کرنے والے ہوں۔
- ☆ جاذب نظر ترتیب اور تفصیل ہو۔
- ☆ کمپنی کا نام، پتا، پروڈکٹ کی تفصیل اور پرکشش آفر واضح ہوں۔

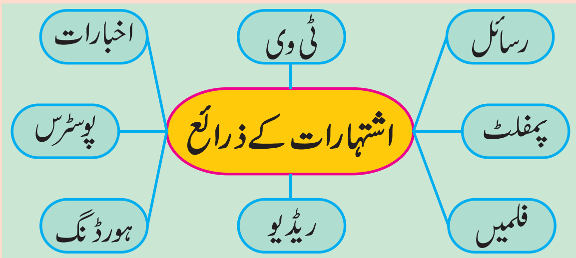

اشتہار کا نمونہ

جانچ کے نکات: اس سرگرمی کے لیے چھ نمبرات مختص ہیں۔ جانچ کرتے وقت اشتہار کی مناسبت سے نکات اور زبان کے استعمال کو مدنظر رکھا جائے۔

خبر نگاری

موجودہ زمانہ عام معلومات میں اضافے کا زمانہ ہے۔ خبریں عام معلومات کا بہترین وسیلہ ہیں۔ جدید مواصلاتی ٹکنالوجی اور ذرائع ابلاغ و نشریات کی وجہ سے دنیا سمٹ کر ایک گاؤں کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ دنیا میں کہیں بھی واقع ہونے والے سانحات اور حادثات کی خبریں پل بھر میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچ جاتی ہیں۔

خبر دراصل واقعے یا حادثے کا حقیقی بیان ہوتا ہے۔ خبر کا مقصد معلومات دینا، حالات سے متعلق بیداری پیدا کرنا اور حالات کی حقیقی معلومات بہم پہنچانا ہے۔ اس لیے آج خبریں زندگی کا حصہ بن چکی ہیں۔ طلبہ میں خبر لکھنے اور بیان کرنے کا طریقہ اور سلیقہ پروان چڑھے، اس لیے 'خبر نگاری' کی تحریری مہارت کو نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔

خبر نگاری کے لیے یاد رکھیں ...

۱) حادثے یا واقعے کی مکمل اور صحیح معلومات دی جائے۔
۲) دن، تاریخ، وقت، مقام کا تذکرہ کیا جائے۔
۳) حادثے یا واقعے کی اصل حقیقت بیان کی جائے۔
۴) مقامی حالات اور تاثرات کا تذکرہ کیا جائے۔
۵) خبر کو ذاتی خیالات اور جانبداری سے پاک رکھا جائے۔

خبر نگاری کے اہم نکات

۱) سرخی - مکمل خبر کی آئینہ ہوتی ہے اس لیے جلی حرفوں میں سرخی لکھیں۔
۲) ذرائع - خبر دینے والے ذرائع کا تذکرہ کریں۔
۳) بیان - واقعہ یا حادثہ ہونے کے بعد خبر دی جاتی ہے اس لیے خبر میں ماضی کا صیغہ استعمال کریں۔
۴) **تفصیلات** : خبر میں پہلے واقعے یا حادثے کا تذکرہ ہو پھر اس کی تفصیلات ہوں۔

خبر کا نمونہ

موتی ہائی اسکول، خیرآباد میں اپنی نوعیت کا منفرد کریئر گائیڈنس پروگرام

مالیگاؤں، یکم جنوری ۲۰۱۸ (نامہ نگار کے ذریعے) : اُمید فاؤنڈیشن کے یومِ تاسیس کے موقع پر قلب شہر میں واقع موتی ہائی اسکول، خیرآباد کے وسیع میدان میں شہر کے اُردو میڈیم طلبہ و طالبات کی تعلیمی اور پیشہ ورانہ رہنمائی کے لیے یک روزہ 'اُمید - کریئر گائیڈنس، لیکچر و نمائش' کا انعقاد کیا گیا جس میں میڈیکل، کامرس، انجینئرنگ اور مقابلہ جاتی امتحانات کے ماہر اساتذہ نے پاور پوائنٹ پریزنٹیشن، چارٹس، ماڈلس اور شارٹ فلموں کے ذریعے طلبہ کی رہنمائی کی۔ اختتام پر اپٹی ٹیوڈ ٹسٹ کے ذریعے انفرادی رہنمائی کا بھی اہتمام تھا۔ اس مفید اور کارآمد کریئر گائیڈنس تقریب کی صدارت معروف کریئر کاؤنسلر مختار یوسف انصاری نے کی۔

ابتدا میں اسکولی طالبات نے قرأت، حمد، نعت پیش کی۔ اُمید فاؤنڈیشن کے جنرل سکریٹری ایم۔ علی نے تعارفی و استقبالیہ کلمات پیش کیے اور گل دے کر مہمانان و لیکچررز کا خیر مقدم کیا۔ اسکول کے سپروائزر ریحان ہمدانی نے تفصیل سے اغراض و مقاصد اور اُمید کی کارکردگی و عزائم بیان کیے۔ کریئر کاؤنسلر عابد علی نے میڈیکل، پیرامیڈیکل اور فاریسی کورسیس سے متعلق رہنمائی کی۔ مرتضیٰ انصاری نے داخلہ امتحانات NEET، MHCET کے طریقۂ کار، ضروری دستاویز وغیرہ سے متعلق مفید معلومات دی۔ ڈاکٹر عقیل شاہ نے IIT، JEE امتحانات کی تیاری پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ محترم مشتاق عباس نے گورنمنٹ کالجز اور دیگر معیاری کالجز کی نشاندہی کی۔ چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ یٰسین صاحب (این بی ایسوسی ایسٹ) نے شعبۂ کامرس سے متعلق رہنمائی کی۔ محترمہ نسیم قریشی نے مقابلہ جاتی امتحانات کی مفید معلومات دی۔ موٹیویشنل لیکچرر متین حفیظ نے شہر اور بیرون شہر مختلف شعبۂ حیات میں شہر کے سرگرم نمائندہ افراد کو رول ماڈل کے طور پر اسٹیج پر پیش کیا اور ان کی زندگی کے نشیب و فراز اور تعلیمی سرگرمیوں سے متعلق طلبہ کو معلومات دی۔ صبح نو سے ایک اور دوپہر تین سے چھے تک چلنے والے اس پروگرام کی طلبہ، سرپرست اور اساتذہ نے خوب تعریف کی۔ تفصیلی پروگرام کی نظامت بالترتیب کاشف ارسلان اور سعد انجم نے کی۔ مصعب عمیر کے شکریے پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

جانچ کے نکات: خبر کی سرخی خبر کا نچوڑ ہوتی ہے۔ واقعہ کب ہوا، کہاں ہوا، کیوں ہوا اور کیسے ہوا، تسلسل، خبر کے اہم نکات کی وضاحت۔

کہانی نویسی/ واقعہ نگاری

کہانی یا واقعہ تسلسل سے بیان کرنا مہارت کا کام ہوتا ہے۔عموماً اس کے لیے نکات، اشارے یا تصاویر دی جاتی ہیں جن کی مدد سے کہانی یا واقعے کو بیان کیا جاتا ہے۔کہانی نویسی یا واقعہ نگاری میں مشاہدہ، تخیل اور خیالات کو بہت اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

کہانی یا واقعہ لکھتے وقت 'مرکزی خیال' کے ساتھ درج ذیل باتوں کا خاص خیال رکھیں۔

۱) کہانی / واقعہ لکھنے کے لیے موضوع کا انتخاب
۲) موضوع کے مرکزی خیال کی مناسبت سے کردار یا کرداروں کا تعین
۳) واقعے اور کردار کا تعلق
۴) اس تعلق کے اثر سے واقعے / ماجرے کی تشکیل
۵) واقعے / ماجرے کے واقعاتی اجزا میں ربط
۶) واقعے / ماجرے کے بیان میں مناسب زبان کا استعمال
۷) واقعے کا متاثر کن نتیجہ
۸) واقعے /کہانی کے لیے موضوع سے مناسبت رکھنے والا عنوان

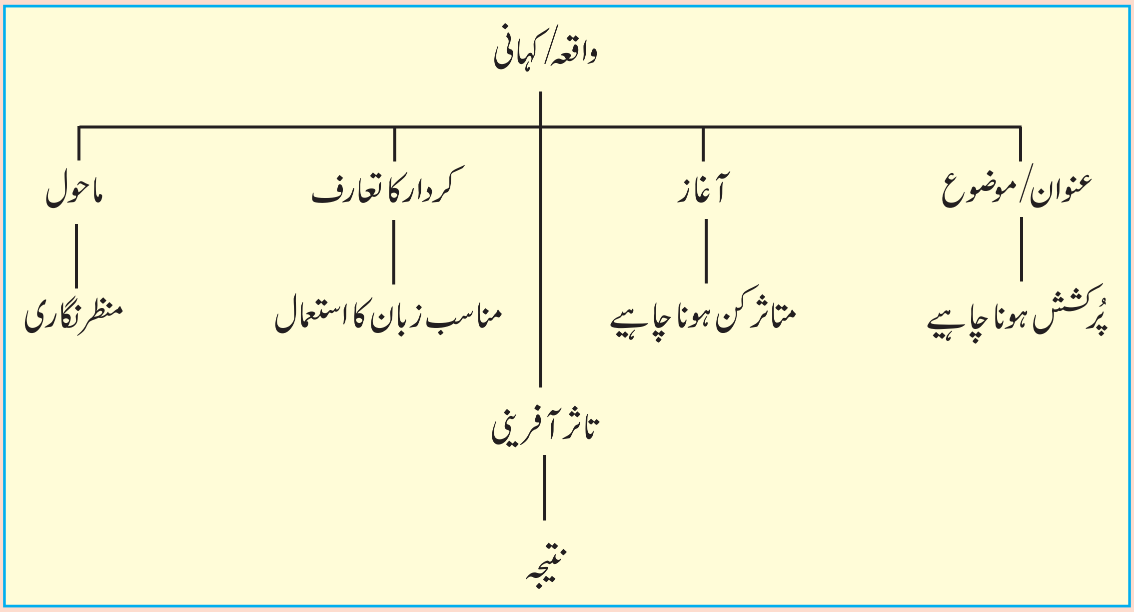

جانچ کے نکات: اس سرگرمی کے لیے چھ نمبرات مختص ہیں۔ جانچ کے لیے مناسب عنوان، مرکزی خیال، مؤثر اندازِ بیان، خیالات میں ربط، کردار سے متعلق مکالمے، علاماتِ اوقاف کا استعمال، زبان کی صحت، نتیجہ وغیرہ نکات کو مدنظر رکھتے ہوئے نمبرات دیے جائیں۔

مضمون نویسی

کسی عنوان کے تحت اپنے خیالات کو تسلسل اور ربط سے نثر میں تحریر کرنا مضمون نویسی کہلاتا ہے۔

مضمون کے تین اہم حصے ہیں: (الف) تمہید (ب) نفسِ مضمون (مثبت نکات/منفی نکات) (ج) اختتام

تمہید : تمہیدی جملے عنوان سے متعلق مختصر اور دلچسپ ہوں یعنی تمہیدی پیراگراف ایسا ہو کہ قاری پورا مضمون پڑھنے پر مجبور ہو جائے۔

نفسِ مضمون : عنوان سے متعلق ذاتی خیالات، مشاہدات، تجربات، عام معلومات، اقوال، اشعار کو سلسلہ وار تحریر کیا جائے۔ اس میں مثبت اور منفی دونوں نکات شامل کیے جائیں تو نفسِ مضمون جامع اور مُدلّل ہوگا۔

اختتام : اختتامی پیراگراف میں مضمون کا نچوڑ ہوتا ہے۔ اختتام پُر لطف، جامع اور نتیجہ خیز ہونا چاہیے تاکہ قاری پر اس کا اثر دیر پا رہے۔

مضمون نویسی کے لیے اہم نکات

عمدہ و معیاری زبان	بہترین خیالات	مطالعہ	مشاہدہ	غور و فکر	ذخیرۂ الفاظ	تاثرات

(نوٹ : اس حصے میں ذاتی خیالات پر مبنی مضمون، آپ بیتی، تصوراتی و تخیلاتی مضامین شامل ہیں۔)

جانچ کے نکات: موضوع سے متعلق مناسب تمہید، نفسِ مضمون (موضوع کی ضرورت کے لحاظ سے مثبت و منفی نکات)، جامعیت، دلائل، نتیجہ۔

اضافی معلومات

مکالمہ نگاری

دو یا دو سے زائد افراد کے درمیان ہونے والی گفتگو کو 'مکالمہ' کہتے ہیں۔ مکالمہ لکھنا گفتگو کرنے سے مختلف ہوتا ہے۔ گفتگو کے دوران سامع ہمارے سامنے ہوتا ہے۔ آواز کے اُتار چڑھاؤ اور اندازِ بیان سے بہت ساری باتیں سمجھ میں آجاتی ہیں لیکن مکالمہ تحریر کرتے وقت ہم ایسا نہیں کرسکتے۔ اس لیے مکالمہ لکھتے وقت مناسب علاماتِ اوقاف اور قوسین کی مدد سے بہت ساری باتیں پیش کرتے ہیں۔

مکالمہ لکھتے وقت یاد رکھیں...

۱) موضوع اور محل کا خاص خیال رکھیں۔

۲) کردار کی مناسبت سے مکالمے کی زبان و بیان لکھیں۔

۳) مناسب علاماتِ اوقاف سے تاثرات کا اظہار کریں۔

۴) مکالمے کے زمانی و مکانی پس منظر کو ذہن میں رکھیں۔

۵) مکالمے زمانۂ حال میں لکھیں۔

۶) مکالمے غیر رسمی، آسان اور دلچسپ ہوں۔ صرف ہاں یا نہیں میں نہ ہوں۔

مکالمہ نگاری کا مقصد تخلیقی صلاحیت کو پروان چڑھانا ہے۔ اس لیے ان باتوں کا دھیان رکھیں...

- دیے ہوئے موضوع یا نکات کے مطابق مکالمہ بامقصد ہو۔
- املا، جملہ درست ہو۔
- مناسب آغاز و اختتام ہو۔

دادا اور پوتے کے مابین مکالمہ

(**نکات :** گزشتہ دس دنوں سے دادا گاؤں سے پونہ آئے ہوئے ہیں۔ مطالعے کے لیے اُردو اخبار نہ ملنے کی وجہ سے پریشان ہیں۔ انٹرنیٹ پر اخبار پڑھنے سے متعلق مکالمہ۔)

دادا جان : پونہ آئے ہوئے دس دن ہو چکے ہیں۔ اب مجھے گاؤں واپس جانا چاہیے۔

پوتا : دادا جان! اب آپ کو یہیں رہنا ہے۔ آپ کیوں جانا چاہتے ہیں؟

دادا جان : تم اسکول چلے جاتے ہو اور تمھارے والد آفس۔ میں اکیلا بور ہوتا ہوں۔ پھر یہاں اُردو اخبار بھی نہیں ملتے۔ وقت گزاری کیسے کروں؟

پوتا : اوہ! آپ کو اُردو اخبار چاہیے۔ ابھی انتظام کرتا ہوں۔

دادا جان : بیٹا! یہاں کہاں ملے گا اخبار؟ کیوں پریشان ہوتے ہو؟

پوتا : دادا جان! یہ انٹرنیٹ کا زمانہ ہے۔ نیٹ پر تمام زبانوں کے اخبار دستیاب ہوتے ہیں۔ آپ کمپیوٹر پر گھر بیٹھے تمام اخبارات پڑھ سکتے ہیں۔

دادا جان : وہ کیسے بیٹا؟

پوتا : یہ دیکھیے۔ میں نے نیٹ شروع کیا۔ یہ رہا گوگل سرچ۔ اب آپ اخبار کا نام بتائیے۔

دادا جان : روزنامہ بیداری۔

پوتا : یہ میں نے ٹائپ کیا 'روزنامہ بیداری'، یہ رہے اِس اخبار کے تمام لنکس۔ اب میں 'بیداری' کی ویب سائٹ کی لنک پر کلک کرتا ہوں۔

دادا جان : واہ! یہ تو آج کا ہی اخبار ہے۔ اب میں آسانی سے پڑھ سکوں گا۔

پوتا : دادا جان! آپ اس سرچ انجن پر اخبار کا نام ٹائپ کرکے آسانی سے تمام اخبار پڑھ سکیں گے۔

دادا جان : واہ! واقعی کمپیوٹر، انٹرنیٹ آج کے زمانے کی ضروری چیزیں ہیں۔

دعوت نامہ

دعوت نامہ کسی موقع کی مناسبت سے تیار کیا جاتا ہے مثلاً اسکول کا کوئی پروگرام، گھریلو پروگرام، سالگرہ، شادی، کانفرنس، سیمینار، مشاعرے وغیرہ کے لیے۔ دعوت نامے میں پروگرام میں شرکت کے لیے کسی کو مدعو کیا جاتا ہے۔

دعوت نامے میں درج ذیل باتوں کا خاص خیال رکھیں۔

۱) تقریب کا مناسب عنوان، کب؟ کہاں؟ کس لیے؟
۲) مدعو افراد کے نام، عہدے کے لحاظ سے
۳) تقریب کی جھلکیاں
۴) شرکت کی درخواست
۵) داعی کا نام، عہدہ وغیرہ

پانچواں عظیم الشان

بین المدارس بیت بازی مقابلہ

محترم .... صاحب

السلام علیکم !

جنابِ عالی

علامہ اقبالؒ کے یومِ پیدائش (۹ر نومبر) کی مناسبت سے

ڈاکٹر سلمان فارسی رحمانی گرلز ہائی اسکول، سلیم آباد

میں گزشتہ چار برسوں سے بیت بازی مقابلے کا انعقاد ہوتا آ رہا ہے جس میں شہر کے مختلف اسکولوں کے طلبہ اور طالبات حصہ لیتے ہیں۔

اِمسال بھی سلسلہ نمبر ۵ کی تقریب بصراحت ذیل منعقد کی جارہی ہے۔

صدارت

محترم ایم۔ آئی۔ قاضی صاحب (ماہرِ تعلیم)

افتتاح بدست

محترم زیڈ۔ آئی زری والا صاحب (ریسرچ اسکالر)

بروز جمعرات، ۹ر نومبر ۲۰۱۷ء
صبح نو بجے تا اختتام

مہمانانِ خصوصی

محترم ایس۔ اے واسع صاحب (سبکدوش صدر مدرّس)
محترمہ فاطمہ شیخ صاحبہ (نمائندہ سرپرست اساتذہ تنظیم)
محترم اختر علی قاضی صاحب (جرنلسٹ)
محترمہ خان شائستہ تسلیم صاحبہ (محبِّ تعلیمِ نسواں)

جھلکیاں

حرف راؤنڈ — لفظ راؤنڈ — مصرع راؤنڈ
شاعر راؤنڈ — صنعت راؤنڈ — تصویر راؤنڈ
رفتار راؤنڈ

اُردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت، بچوں میں شعری ذوق کو پروان چڑھانے اور شریکِ مقابلہ بچوں کی حوصلہ افزائی کے لیے آپ کی آمد باعثِ مسرت ہوگی۔

بمقام: ڈاکٹر سلمان فارسی آڈیٹوریم،
آئی ڈی پی گراؤنڈ، سلیم آباد

الدّاعیان

ہیڈ مسٹریس — بزمِ ادب — چیئرمین، اسکول انتظامیہ کمیٹی

رودادنویسی

روداد میں کسی سفر، تقریب، جلسے یا واقعے کی تفصیلات کو سلسلہ وار تحریر کیا جاتا ہے۔ طلبہ اسکول اور اسکول سے باہر مختلف تعلیمی، تہذیبی، ثقافتی، سماجی اور مذہبی تقریبات میں شریک ہوتے ہیں، کارروائی میں حصہ لیتے ہیں اور مشاہدہ کرتے ہیں۔ مشاہدات کے سلسلہ وار تحریر کرنے کی صلاحیت کو مستحکم کرنے کے لیے 'رودادنویسی' کی معلومات اور نمونہ دیا جارہا ہے۔

روداد تحریر کرتے وقت یاد رکھیں...

١) سب سے پہلے مناسب عنوان دیں۔

٢) مقام، دن، تاریخ، وقت کا تذکرہ کریں۔

٣) تسلسل کے ساتھ آسان اور مختصر جملوں میں روداد بیان کریں۔

٤) ذاتی خیالات کو شامل نہ کریں۔

٥) روداد کا بیان زمانۂ ماضی میں کریں۔

٦) مناسب اختتام کریں۔

ذیل میں دیے ہوئے دعوت نامے کی مدد سے روداد تحریر کیجیے۔

کریسینٹ اُردو ہائی اسکول، دیانہ

الحمدللہ! شعبۂ اُردو کی 'بزمِ ادب' کی جانب سے 'بین الاقوامی یومِ مادری زبان' کے موقع پر

'اُردو ہے جس کا نام ...'

کے عنوان سے بحث و مباحثے کی ایک تقریب کا انعقاد کیا جارہا ہے۔

صدارت

محترم محمد یوسف انصاری صاحب (ادیب الاطفال)

کلیدی خطاب

محترم ڈاکٹر افتخار حسن صاحب (مدیر، رسالہ سپیاں)

زینتِ اسٹیج

محترمہ عطیہ بیگم صاحبہ (پرنسپل) | محترم اکبر رحمانی صاحب (صحافی)

بروز بدھ، ۲۱ر فروری ۲۰۱۸ء بوقت صبح دس بجے **بمقام اسمبلی ہال، کریسینٹ ایجوکیشنل کیمپس، دیانہ**

الداعیان

مسز قمر النساء سیّد (صدر شعبۂ اُردو) | مس ریحانہ ظہیر (کنوینر)

روداد :

کریسینٹ اُردو ہائی اسکول میں 'یومِ مادری زبان'

دیانہ، ۲۱رفروری (بذریعہ مراسلہ) : شہر کے مضافات میں واقع اُردو زبان کی مشہور درسگاہ کریسینٹ اُردو ہائی اسکول میں 'بین الاقوامی یومِ مادری زبان' کے موقع پر اسکول ہٰذا کے شعبۂ اُردو کی جانب سے 'اُردو ہے جس کا نام ...' تقریب کا انعقاد کیمپس کے اسمبلی ہال میں کیا گیا۔ صدارت کے فرائض ادیب الاطفال محمد یوسف انصاری نے انجام دیے۔ آغاز حسبِ روایت تلاوتِ کلام مجید سے ہوا۔ اسکول کی طالبات نے مترنم آواز میں حمد اور نعت کا نذرانہ پیش کیا۔ ساز اور آواز کے ساتھ طلبہ و طالبات نے استقبالیہ گیت اور ترانۂ اُردو سے سامعین کا دل جیت لیا۔ مہمانوں نے تالیوں اور نقد انعامات دے کر حوصلہ افزائی کی۔ صدر، شعبۂ اُردو قمر النساء سیّد نے تعارفی اور استقبالیہ کلمات کے ساتھ اغراض و مقاصد پیش کیے۔ مجلسِ انتظامیہ کے ذمہ داران نے گل پیش کر کے مہمانان کا خیر مقدم کیا۔ بزمِ ادب سے منسلک طلبہ نے مکالمہ، گیت، تقریر پیش کیے۔ طالبات نے ٹیبلو پیش کیا۔ مقررِ خصوصی ڈاکٹر افتخار حسن نے کلیدی خطاب میں اُردو زبان کی اہمیت و افادیت کے ساتھ اس کی تاریخ بیان کی۔ دورانِ خطاب شعری و نثری جواہر پارے سنائے۔ مہمان صحافی اکبر رحمانی نے پروگرام کے انعقاد پر مبارکباد پیش کی۔ پرنسپل عطیہ بیگم نے شعبۂ اُردو کی کارکردگی اور سرگرمیوں پر اظہارِ خیال کیا اور طلبہ اور طالبات کی سرگرمیوں کو سراہا۔ صدر تقریب محمد یوسف انصاری نے اپنی تقریر میں بچوں کو مطالعے کی تلقین کی۔ کتابوں کا حاصلِ مطالعہ تحریر کرنے سے متعلق رہنمائی کی اور کہا کہ ہر طالب علم ذاتی ڈائری تیار کرے۔ اس ادبی پروگرام کی نظامت تقریب کی کنوینر مس ریحانہ ظہیر نے کی۔ آپ ہی کے اظہارِ تشکر پر تقریب کا اختتام ہوا۔

انٹرویو (مصاحبہ)

علمی، ادبی، تعلیمی، سماجی، سیاسی شعبوں میں یا روزمرہ زندگی میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والی شخصیات کے کارنامے/ تجربات/معلومات کو عام لوگوں تک پہنچانے کا انٹرویو بہترین وسیلہ ہے۔

انٹرویو لینا، انٹرویو دینا، انٹرویو کا مطالعہ کرنا، انٹرویو سننا اچھا لگتا ہے۔ طلبہ میں گفتگو کرنے اور بات چیت کو تحریر کرنے کی تخلیقی صلاحیت کو پروان چڑھانے کے لیے انٹرویو کی معلومات دی جا رہی ہے۔

انٹرویو کے دو حصے
- سوالنامہ کی تیاری
- انفرادی گفتگو/ ملاقات

ملاقات سے قبل طے کریں
- سابقہ معلومات
- ملاقات کا مقصد
- ملاقات کا موضوع

ملاقات کے لیے اہم نکات
- اختصار سے کام لیں۔
- مناسب الفاظ کا استعمال کریں۔
- گفتگو میں تصنّع سے پرہیز کریں۔
- آسان زبان میں بات چیت کریں۔
- مخاطب کا ادب واحترام ملحوظ رکھیں۔

انٹرویو کا نمونہ

نشے کی لعنت سماج اور معاشرے کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ نوجوان اور طلبہ بھی انجانے میں تمباکو نوشی، سگریٹ نوشی کرنے لگے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ لعنت انھیں نشے میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس لعنت کو ختم کرنے کے لیے نوجوانوں نے ’نشے سے پاک شہر‘ مہم شروع کی۔ اس ضمن میں ایک طالب علم کا مہم کے کنوینر سے انٹرویو۔)

نئے سال کے موقع پر ’مہاراشٹر - نشے سے پاک‘ اس عزم و ارادے کے ساتھ نوجوان میدانِ عمل میں متحرک ہو چکے ہیں۔ عوامی بیداری اور لوگوں میں نشے سے متعلق معلومات پہنچانے کے لیے ہم نے مہم کے کنوینر ڈاکٹر خلیق نیازی سے ملاقات کی۔ ان سے لیے گئے انٹرویو کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

ملاقاتی : السلام علیکم، ڈاکٹر صاحب۔ ’نشے سے پاک شہر مہم‘ شروع کرنے کے مقصد پر روشنی ڈالیے۔

ڈاکٹر : ۲۵؍ سالہ میڈیکل پریکٹس کے دوران بہت سارے سرپرست اور نوجوان مطب میں آتے رہے ہیں لیکن گزشتہ چند سالوں سے تمباکو نوشی خاص طور پر گٹکا کھانے کی وجہ سے منہ کی مختلف بیماریوں میں مبتلا مریضوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ کم عمری ہی میں اس طرح کی بیماری میں مبتلا مریضوں کو دیکھ کر میں بے چین ہو جاتا تھا۔ اس لیے میں نے کالج کے طلبہ کی مدد سے اس مہم کو شروع کیا ہے۔

ملاقاتی : آج گلی گلی، چوک چوراہے اور نکڑ پر گٹکا، تمبا کو فروخت ہو رہا ہے۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے؟

ڈاکٹر : اُمید پر دنیا قائم ہے۔ ہم نے نو جوانوں کو اکٹھا کیا ہے۔ نکڑ ناٹک، شارٹ فلم، پوسٹرس وغیرہ کے ذریعے لوگوں کو بتائیں گے کہ اس کے کیا نقصانات ہیں۔ جو لوگ اس بیماری میں مبتلا ہیں ان کی اجازت سے ان کے فوٹو اور ویڈیوز لوگوں کو دِکھائیں گے تاکہ لوگ محتاط ہو جائیں۔

ملاقاتی : یعنی آپ خوف پیدا کرنا چاہتے ہیں؟

ڈاکٹر : نہیں! بالکل نہیں! ہم صرف اس کے مضر اثرات سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔

ملاقاتی : ڈاکٹر صاحب! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ لوگ اس بری لت کا شکار کیسے ہو جاتے ہیں؟

ڈاکٹر : اچھا سوال ہے۔ اس کی بہت ساری وجوہات ہو سکتی ہیں۔ کچھ لوگ والدین اور دوستوں کو ایسی چیزیں استعمال کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ انھیں شوقیہ استعمال کرنے لگتے ہیں۔ آہستہ آہستہ شوق عادت اور عادت ضرورت بن جاتی ہے۔ کچھ لوگ مایوسی، ذہنی تناؤ میں اس کا استعمال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے راحت ملتی ہے۔ افسوس! غریب اور مزدور پیشہ افراد اس کا زیادہ استعمال کرتے ہیں۔

ملاقاتی : اس لعنت کے شکار لوگوں کی صحبت اور برتاؤ پر کیا اثر ہوتا ہے؟

ڈاکٹر : نشے کے عادی افراد اس کے بغیر نہیں رہ پاتے۔ ان کی نیند کم ہو جاتی ہے۔ ہاتھ پاؤں میں کپکپاہٹ آتی ہے۔ منہ میں چھالے آجاتے ہیں۔ منہ کھلنا کم ہو جاتا ہے۔ یہ تو ظاہری اثرات ہیں۔ جسم کا اندرونی حصہ بھی آہستہ آہستہ کھوکھلا ہوتا جاتا ہے۔ ان سب کے علاوہ اس کے سماجی اور اخلاقی برتاؤ میں بھی منفی تبدیلیاں آنے لگتی ہیں۔

ملاقاتی : اتنے مضر اثرات کے بعد بھی لوگ اس لعنت کا شکار ہو رہے ہیں؟ آپ سماج، شہر اور خاص طور پر طلبہ سے کیا چاہتے ہیں؟

ڈاکٹر : طلبہ ہی ہمارے لیے اُمید کی کرن ہیں۔ وہ کالج، اسکول کیمپس کے اطراف ایسی چیزوں کو فروخت نہ ہونے دیں۔ اس کے شکار طلبہ کی ذہن سازی کریں۔ 'نشے سے پاک شہر' مہم میں شریک ہو کر بیداری پیدا کریں۔

ملاقاتی : بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب۔ آپ نے ایک اہم موضوع پر گفتگو کی۔ بیداری کے لیے پہل کی۔ ہم طلبہ آپ کے ساتھ ہیں۔

ڈاکٹر : بہت شکریہ۔

غیر درسی اقتباس پر مبنی مشقی سرگرمی

غیر درسی اقتباس کا مطالعہ کرکے دی ہوئی سرگرمیوں کو مکمل کیجیے۔

۱۔ دیے ہوئے الفاظ سے متعلق اقتباس سے مکمل جملہ لکھیے۔

۱۔ جرأت	
۲۔ رواداری	
۳۔ ڈسپلن	
۴۔ اختلافات	

جب انصاف، محنت، سادگی اور کفایت شعاری کی بنیادوں پر قومی زندگی کی عمارت کھڑی ہو جائے تو اس میں قوت، حسن و خوبی اور نظم و ترتیب پیدا کرنے کے لیے قوم کے افراد میں تین صفات کی ضرورت ہوتی ہے؛ جرأت، رواداری اور ڈسپلن۔

جرأت زندگی کی علامت ہے۔ اس کی بدولت قوم میں حوصلہ اور مشکلات کو جھیلنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے خوف جو جرأت کی ضد ہے، زندگی کے پر قینچ کر دیتا ہے۔ دوسری صفت رواداری ہے جس کے بغیر انفرادیت کی تکمیل ناممکن ہے اور قومی زندگی میں تنوّع کی شان پیدا نہیں ہوسکتی۔ خدا کی دنیا میں یکسانیت نہیں اور اختلافات انسانی فطرت کا جز ہیں۔ اگر کسی قوم میں رواداری کا جذبہ نہ ہو تو یہ اختلافات مخالفت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ہر گروہ دوسروں پر زبردستی ایک خاص قسم کی یکسانیت عائد کرنا چاہتا ہے جو ترقی کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ ڈسپلن اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر کوئی کام نظم و ترتیب اور خوش اسلوبی کے ساتھ نہیں ہوسکتا اور افراد اور جماعتوں میں خواہ مخواہ رسہ کشی ہوتی رہتی ہے جس میں ان کی قوت ضائع ہوتی ہے لیکن اصل ڈسپلن وہ ہے جو کوئی بیرونی طاقت یا کوئی جابر حاکم قوم پر باہر سے عائد نہ کرے بلکہ وہ آزادی کی فضا میں خوش دلی کے ساتھ کام کرنے اور اتحادِ مقاصد کا نتیجہ ہو۔

۲۔ ”خدا کی دنیا میں یکسانیت نہیں۔“ اس بیان کی وضاحت اپنے الفاظ میں کیجیے۔ (2)

۳۔ (الف) اقتباس سے اسم جمع کے دو الفاظ تلاش کرکے واحد جمع کی صورت میں لکھیے۔ (1)

(ب) اقتباس سے واوِ عطف کی دو مثالیں تلاش کرکے لکھیے۔ (1)

۴۔ انفرادی زندگی میں ڈسپلن کی اہمیت سے متعلق اپنے خیالات لکھیے۔ (2)

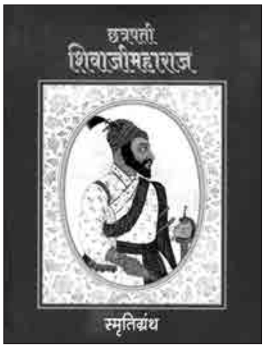

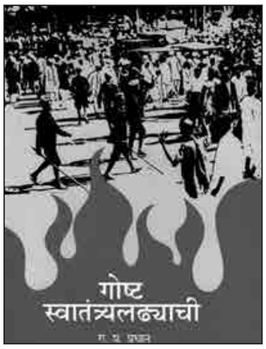

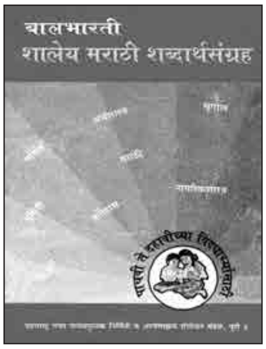

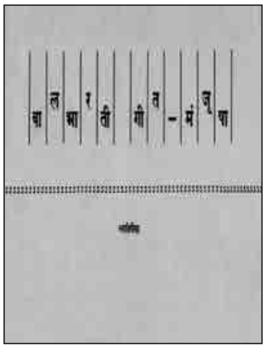

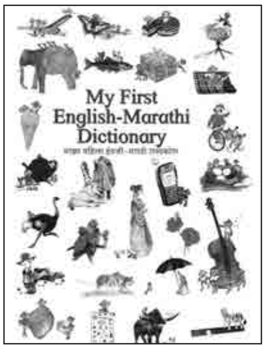

- पाठ्यपुस्तक मंडळाची वैशिष्ट्यपूर्ण पाठ्येत्तर प्रकाशने.
- नामवंत लेखक, कवी, विचारवंत यांच्या साहित्याचा समावेश.
- शालेय स्तरावर पूरक वाचनासाठी उपयुक्त.

पुस्तक मागणीसाठी www.ebalbharati.in, www.balbharati.in संकेत स्थळावर भेट द्या.

साहित्य पाठ्यपुस्तक मंडळाच्या विभागीय भांडारांमध्ये विक्रीसाठी उपलब्ध आहे.

ebalbharati

विभागीय भांडारे संपर्क क्रमांक : पुणे - ☎ २५६५९४६५, कोल्हापूर- ☎ २४६८५७६, मुंबई (गोरेगाव) - ☎ २८७७१८४२, पनवेल - ☎ २७४६२६४६५, नाशिक - ☎ २३९१५११, औरंगाबाद - ☎ २३३२१७१, नागपूर - ☎ २५४७७१६/२५२३०७८, लातूर - ☎ २२०९३०, अमरावती - ☎ २५३०९६५

مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی وابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ

उर्दू कुमारभारती इयत्ता दहावी (उर्दू माध्यम) ₹ 73.00